مشاہیرِ اسلام

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ڈی۔لٹ
پروفیسر تاریخ اسلام فواد اول یونیورسٹی
(قاہرہ)

کی

کتاب اعلام الاسلام

کا

اردو ترجمہ

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

مشاہیر اسلام

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی، ڈی۔لٹ
پروفیسر تاریخ اسلام فواد اول یونیورسٹی
(قاہرہ)

کی

کتاب اعلام الاسلام

کا

اردو ترجمہ

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
(۳۰۔نیو کراچی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی۔کراچی)

دس
قیمت پانچ روپے (۵)

فہرستِ مضامین

باسمہٖ سبحانہ

مقدمہ

قبل اس کے کہ مشاہیر اسلام ترجمہ اعلام الاسلام کی چند خصوصیات کے متعلق کچھ لکھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حالات اور مقاصد کی وضاحت کر دی جائے جو اس کی اشاعت کے محرک ہوئے۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے موجودہ صدر مسٹر فضل الرحمٰن اپنی وزارت تعلیم کے زمانے میں حکومت مصر کی دعوت پر فواد اول یونیورسٹی کی صد سالہ سالگرہ میں شرکت کیلئے قاہرہ گئے تھے۔ اس موقع پر اور محققین کے علاوہ ان کی ملاقات ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن سے بھی ہوئی جو اس وقت فواد اول یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے۔ فضل الرحمٰن صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ چند مشاہیر اسلام پر ایک ایسی کتاب لکھنے کیلئے تیار ہیں جو مسلمان نوجوانوں اور خاص کر اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کے لئے مفید ہو اور ساتھ ہی معتبر بھی ہو۔ ڈاکٹر حسن نے اس پر سرگرمی سے آمادگی ظاہر کی اور کچھ مدت بعد "اعلام الاسلام" کے نام سے چند مقالات کا مجموعہ مرتب کر کے حکومت پاکستان کو بھیجدیا۔ حکومت نے یہ مسودہ سوسائٹی کو دیا اور خواہش کی کہ سوسائٹی اس کا اردو میں ترجمہ کرائے اور شائع کرے۔ ساتھ ہی اس کام کیلئے سوسائٹی کو ایک مختصر سی گرانٹ بھی دی۔ چنانچہ یہ کتاب مذکورہ مقاصد کو پورا کرنے کیلئے اردو میں شائع کی جا رہی ہے۔

فن تاریخ نویسی کو ابتدائی دور کے مسلمانوں نے ترقی کی جس منزل پر پہنچایا اس کی بلندی کا ابھی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اسلام کی تاریخ کی ابتدا ر حدیث کے مطالعہ کے ساتھ ہوئی جس کا لازمی اور خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ فن تاریخ میں بھی صحت واقعات اور صداقت کا معیار بہت بلند ہو گیا۔ خاندانِ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ تاریخ نویسی میں یونانی۔ رومی اور دوسری قدیم اقوام کی روایات سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے تاریخی شواہد کی جانچ پڑتال' واقعات کی صحت اور ان کے زمانے کے صحیح تعین کے لئے خود اپنے قواعد وضوابط مقرر کئے اور ان کا معیار اس درجہ بلند رکھا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی دورِ جدید کے مورخ ان معیاروں پر کچھ بہت زیادہ اضافہ نہ کر سکے۔

بلاذری کی فتوح البلدان اور ابن جریر طبری کی کتاب اخبار الرسل والملوک کو تصنیف ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ گزر گئے۔لیکن آج بھی تاریخی دنیا میں ان کو اسی وقعت سے دیکھا جاتا ہے جس وقعت سے قرونِ وسطیٰ میں دیکھا جاتا تھا۔ پروفیسر سارٹن نے مندرجہ ذیل الفاظ میں طبری کا ذکر کر کے صرف ایک ایسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے جس کو نسلی، قومی یا مذہبی تعصب نے صدیوں تاریکی میں پوشیدہ رکھا۔

"انسانیت کی اصل خدمت مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پا چکی تھی"۔ "سب سے بڑا فلسفی الفارابی مسلمان تھا"۔ "سب سے بڑا ریاضی داں ابو کامل اور ابن سنان مسلمان تھے"۔ "سب سے بڑا جغرافیہ داں اور دائرۃ المعارف نگار" المسعودی مسلمان تھا" اور سب سے بڑا مورخ الطبری بھی مسلمان ہی تھا۔ [1]

---

[1] سارٹن انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس جلد اول صفحہ ۶۲۴

قرونِ وسطیٰ میں جس مورخ نے فن تاریخ نویسی کو "سائنس" کے مرتبہ پر پہنچایا وہ ابن خلدون تھا۔ اس کے کمالات اور فضیلت کو مشرق و مغرب میں یکساں طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اور آج بھی مہذب دنیا کے تاریخ نگار، اس کے قائم کئے ہوئے اصولوں اور نظریوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تاریخ نویسی سے مسلمانوں کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اور جہاں جہاں وہ فاتح قوم کی حیثیت سے گئے اور آباد ہوئے۔ انھوں نے تاریخ نویسی کا حق ادا کرنے میں کمی نہیں کی۔ وسط ایشیا سے لیکر اسپین تک کوئی ملک ایسا نہیں جس کی تاریخ کی ترتیب میں انھوں نے کمال حاصل نہ کیا ہو۔ اور برصغیر ہندو پاکستان میں تو ایک فن کی حیثیت سے تاریخ نویسی کی داغ بیل ہی مسلمانوں کی ڈالی ہوئی ہے۔

دورِ جدید کے مسلمان مورخوں نے اب یہ اچھی طرح محسوس کر لیا ہے کہ اسلامی تاریخ کو جو اپنے دامن میں بے شمار جواہر ریزے چھپائے ہوئے ہے، جدید اصولوں کے مطابق مرتب کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ حقائق جو تعصب اور تنگ نظری کی بدولت ہمیشہ مسخ شدہ شکل میں پیش کئے گئے ہیں۔ اپنے صحیح پس منظر میں اور ایسے انداز میں سامنے لائے جاسکیں جو اس زمانے میں تاریخ نویسی کیلئے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

أعلام الاسلام کے مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن المصری عہدِ حاضر کے مورخوں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابیں عربی دنیا میں بہت مقبول ہو چکی ہیں۔ ان کی " النظم الاسلامیۃ " کا اردو ترجمہ " مسلمانوں کا نظم مملکت " آج سے آٹھ سال قبل ندوۃ المصنفین دھلی سے شائع ہوا۔ اُسنے حسن ابراھیم کو ہندو پاکستان میں روشناس کیا۔ آج ہمارے کالجوں کے طلباء اس کتاب سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ " اعلام الاسلام " چند مقالات کا مجموعہ ہے جن کا اردو کا ترجمہ ہندو پاکستان کے لوگوں کے استفادے کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔

اس لئے لازمی طور پر یہ کوشش ملحوظ رہی کہ ہر مقالہ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہو جس میں اس کے اہم پہلو سامنے آسکیں۔ اسی وجہ سے بعض مقالوں میں واقعات کی تکرار نظر آتی ہے۔ مثلاً حضرات خلفائے راشدین۔ سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ وغیرہم کے حالات میں بعض واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اس تکرار کو ترجمے میں بھی قائم رکھا گیا ہے تاکہ ترجمے اور اصل میں بہت زیادہ فرق نہ ہو۔

جیسا کہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد قارئین پر منکشف ہوگا فاضل مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اسے بہت دلچسپ انداز میں اور کافی تحقیق اور مطالعے کے بعد لکھا ہے۔ تحقیقی مضامین اکثر خشک ہو جاتے ہیں۔ لیکن "اعلام الاسلام" کا طرز بیان شروع سے آخر تک دلکش ہے۔ تحقیق کے جدید اور اعلیٰ معیار کا پورا لحاظ کرتے ہوئے مؤلف نے صرف وہی روایات لی ہیں۔ جو ان کے نزدیک معتبر اور قابل استناد ہیں۔ جہاں بحث، استدلال اور تنقید کی ضرورت محسوس ہوئی ہے انہوں نے صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں اپنی آزاد رائے ظاہر کر دی ہے۔ ایسے مواقع پر صحیح نتیجے تک پہنچنے کے ساتھ غلط رائے قائم کرنے کا امکان بھی ہو سکتا ہے جس سے بچنا آسان نہیں۔ مگر ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے اس ضمن میں جو ذمہ داری قبول کی ہے اس کے نباہنے میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اعلام الاسلام میں بہت سی خوبیاں ہیں اور یقین ہے کہ تاریخ سے ذوق رکھنے والے حضرات اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیںگے۔ اس کے علاوہ اسکول کی اعلیٰ جماعتوں اور کالجوں کے لئے بھی یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔ اردو میں اسلامی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے اکثر میں معیاری تحقیق کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم قدیم اور اصل ماخذ پر حاوی ہونے کے علاوہ جدید طرز تحقیق کے بھی ماہر ہیں۔ ان کے ان کمالات کا اثر ان کی اس کتاب میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبا کے لئے ایسی ہی کتابیں مفید ہو سکتی ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور اور عہد عروج کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو مشاہیر کی تعداد اتنی زیادہ ملے گی کہ ایک مختصر کتاب کے لیئے انتخاب کرنا مشکل ہوگا۔ اعلام الاسلام کے مؤلف نے انتیس اشخاص کا انتخاب کیا ہے اور اس میں صرف خلفا اور امرا ہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے ، بلکہ مختلف طبقوں کے مخصوص مرتبے کے اشخاص چن لیئے ہیں۔ جن میں بعض عالی مرتبہ صحابہ اور مجاہدین اسلام بھی شامل ہیں۔ کتاب کا آغاز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات سے ہوا ہے اور اختتام سلسلہ بنی امیہ اندلس کے بانی عبدالرحمٰن الداخل پر کیا گیا ہے

اُردو میں ترجمہ ہونے کے بعد اس مجموعے کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ بعض مقامات پر جہاں مؤلف نے اختصار سے کام لے کر واقعات کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی خیال کیا ہے۔ وہاں ادارے کی طرف سے تشریحی نوٹوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مؤلف نے عربی لغات پر نوٹ دئے ہیں جو اردو میں غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں، اس لئے ترجمے میں اس قسم کے نوٹوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اب یہ کتاب ہند و پاکستان ہی میں نہیں بلکہ جہاں جہاں بھی اردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے مشاہیر اسلام کے کارناموں کا ذکر کرتے وقت بعض مواقع پر ایسا طرز اختیار کیا ہے۔ جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے یہ کارنامے نسلی اور قومی امتیاز کا نتیجہ تھے۔ گو انہوں نے اسلام کے فیوض و برکات کی ہمہ گیری پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کہیں کہیں ان کی تنقید میں عربی عصبیت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ عربوں نے جو کچھ ترقی کی اور تہذیب کے ارتقا میں جو قابل فخر حصہ لیا، وہ اسلام ہی کی بدولت تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے اکثر مفکرین قومی پاسداری سے متاثر ہو کر تاریخی حقائق کو ایک حد تک غلط رنگ میں پیش کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طلبا ابتدا ہی میں گمراہ کن نظریات سے متاثر ہو جاتے ہیں —

اردو ترجمے کے متعلق بھی بعض امور قابل ذکر ہیں ۔ اصل کتاب کا مسودہ حکومت پاکستان نے ٹائپ کاپی کی صورت میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کو دیا۔ ٹائپ کاپی میں کہیں کہیں کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں یا غلط ٹائپ ہو گئے ہیں۔ حتی الامکان ترجمے میں ان نقائص کو دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔ اسی طرح متن میں سرخیوں کا کوئی اہتمام نہ تھا اور بعض پیراگراف بہت طولانی تھے۔ ترجمے میں اہم واقعات کے لئے ذیلی سرخیاں دی گئی ہیں تاکہ قارئین کو سہولت ہو جو پیراگراف بہت بڑے تھے، کہیں کہیں ان کو ایک سے زیادہ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

اعلام الاسلام کے مقالات میں واقعات کی تاریخوں کا التزام نہیں کیا گیا ہے صرف چند اہم واقعات کی تاریخیں دی گئی ہیں۔ ترجمے میں عنوان کے ساتھ صاحب تذکرہ کے سنین ولادت و وفات درج کر دئے گئے

ترجمے میں ممکنہ حد تک اصل کی پابندی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ کوشش رہی ہے کہ عبارت سلیس، قابل فہم اور رواں ہو تاکہ علمائے تاریخ کے علاوہ طلبا بھی اس سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ البتہ ایک آدھ فقرہ جس میں مؤلف کا تنقیدی لب ولہجہ بہت سخت ہو گیا تھا۔ ترجمہ میں حذف کر دیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت زبیر کے بیان کا آخری حصہ جہاں مؤلف نے اسلام کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔ لم یزدھا الاسلام الا تفاقماً و اذدیاداً۔

اس کتاب کے ترجمے کا کام مولوی محمد زکریا مائل کے سپرد کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اسکو مکمل کیا ہے۔ ان کی ترجمہ کی ہوئی کئی کتابیں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن اور انجمن ترقی اردو (ہند) وغیرہ اداروں سے شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں معتمد خاں کے اقبال نامہ جہانگیری اور اندلس کی عربی تاریخ اخبار مجموعہ کے تراجم قابل ذکر ہیں۔

اس ترجمے کی اشاعت سے سوسائٹی کا خاص مقصد یہ ہے کہ تاریخ سے ذوق رکھنے والے حضرات اور طلبائے تاریخ کے لئے چند ناموران اسلام کے جدید تحقیقات وحالات اور مطالعہ کے صحیح پس منظر میں پیش کئے جائیں تاکہ ان کارناموں کے حقیقی مرتبے اور درجے کا اندازہ لگایا جا سکے۔ سوسائٹی کو امید ہے کہ یہ ترجمہ اس مقصد میں کامیاب ہوگا۔

سید معین الحق
جنرل سکریٹری و ڈائرکٹر آف ریسرچ
پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

کراچی
جنوری ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

۵۰ سنہ قبل ہجرت - سنہ ۱۳ ھ

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں رسالت کا فرض ادا ہو گیا، دینِ اسلام کی امانت لوگوں کو پہنچ گئی اسلام کا جھنڈا بلند اور عرب اور مسلمانوں کا بول بالا ہوگیا، آپ ان کے لئے راہیں روشن اور حدیں معین فرما چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوارِ رحمت میں بلا لیا - آپ کی تمام زندگی انھی معرکۃ الآرا کارناموں سے معمور رہی جو آپکی تبلیغی جدوجہد کے گوشے گوشے میں سرایت کئے ہوئے تھے - انھی کارناموں کا اثر، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے مسلمانوں پر پڑا - اس طرح آپ نے عرب اور اسلام کے لئے جو دوامی میراث چھوڑی ہے نامورانِ اسلام کے حالات میں اس کا صحیح چہرہ نظر آتا ہے - ان سب کے ناموں اور تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں - یہی وہ اکابر اسلام ہیں جن کے ذکر سے مجلسیں مہکتی رہتی ہیں اور جن کے تذکرے پُشت بہ پُشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں -

نام ونسب اور القاب انھی نامور بزرگوں میں ایک ایسی ذات ہے جس کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین صحابہ میں تھا اور جس کے اندر اتنی صفات جمع تھیں کہ کسی ایک شخص میں شاذونادر ہی پائی جاتی ہیں - یہ واحد ممتاز بزرگ حضرت عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو ابن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ التیمی ہیں - یہ جاہلیت کے زمانہ میں عبدالکعبہ کہلاتے تھے

بقول بعض عبداللات اور بقول بعض عبدالعزّیٰ کے نام سے بھی مشہور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا، ان کا لقب عتیق تھا۔ ان کی والدہ کے لڑکے جیتے نہ تھے۔ یہ پیدا ہوئے تو وہ انھیں لے کر خانۂ کعبہ میں آئیں اور کہا: اے اللہ یہ تیرا موت سے آزاد کیا ہوا (بچہ) ہے۔ ان کا لقب صدیق بھی تھا کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق میں پہل کی تھی۔ خصوصاً واقعہ معراج کی صبح کو معراج کی تصدیق میں دوسروں کے مقابلے میں سب سے آگے تھے۔

تاریخ ولادت اور عادات و اخلاق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عام الفیل[1] کے دو سال اور چند ماہ بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر بن عامر تھیں جو رشتے میں اُن کے والد کی چچیری بہن تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے چہرے سے دانشمندی کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ اللہ نے انھیں حُسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت بھی عطا کیا تھا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کا رنگ گورا اور بدن چھریرا تھا۔ بڑے خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ اُن کی قوم اُن پر پُورا اعتماد کرتی اور انھیں عزیز رکھتی تھی۔ اس لئے کہ یہ ان کی تالیفِ قُلوب کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت میں بھی شراب نہ پی تھی، جس کا اس زمانہ میں عام رواج تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ذات میں خوش خلقی کے ساتھ فراست و دانشمندی اور وسعتِ معلومات کی صفات بھی جمع ہو گئی تھیں۔ وہ عربوں کے انساب[2] اور حالات کے

---

[1] عام الفیل یا ہاتھیوں والا سال وہ ہے جس میں ابرہہ نے جو شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ کعبے کے ڈھانے کے ارادہ سے فوج کشی کی تھی اور بکثرت ہاتھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ (سورہ الم ترکیف میں اسی واقعہ کا ذکر ہے) اسنہ ہجری کے رواج سے پہلے عرب اپنے اہم واقعات کا حساب اسی سال سے رکھتے تھے۔ (ادارہ)

[2] عربوں میں نسبوں کا علم اس درجہ اہمیت رکھتا تھا کہ انسانوں کے علاوہ گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب محفوظ رکھے جاتے تھے۔

عالم تھے اور اس صفت میں وہ اتنے ممتاز تھے کہ انھیں قریش میں انساب قریش اور ان کے حسن و قبح کا سب سے بڑا ماہر کہا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سچائی اور امانت میں بھی مشہور تھے۔ ان کے خاندان والے ان پر اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے خوں بہا کی رقوم ان کے پاس لائی جاتی تھیں[1] آپ کے عزیز و اقربا دیت اور تاوان وغیرہ کا روپیہ آپ کے پاس امانت کے طور پر لاکر رکھ دیا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کا مشغلہ تجارت تھا۔ وہ کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ ان کی تجارت کو بڑا فروغ ہوا اور دولت و ثروت اتنی بڑھی کہ ان کا راس المال چالیس ہزار درہم ہو گیا۔ اس میں کسی تعجب کی ضرورت اس لئے نہیں کہ قریش کے قافلے مُلک کے طول و عرض میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کی پہنچ غزہ، بیت المقدس اور دمشق تک تھی اور بحر الاحمر کو بھی عبور کیا کرتے تھے۔ مکّے کے شریف زادوں کو جتنا شغف تجارت سے تھا۔ شہسواری سے بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔ یہ بچپن ہی سے اس کی مشق کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ بلندیٔ فکر کے اس درجے تک پہنچ گئے تھے جو بدویوں اور ریگستانیوں کی دسترس سے باہر تھا۔

تقدیر الٰہی دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے ایک سال پہلے حضرت ابو بکرؓ کی آپ سے شناسائی ہوئی۔ دونوں میں الفت و محبت پیدا ہوئی اور دوستی کے تعلقات اتنے استوار ہو گئے کہ عرب اور اسلام کی تاریخ میں ان کے اثرات بہت دُور رس ثابت ہوئے۔ ابھی اس دوستی کو ایک ہی سال گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کے لئے رسالت سے سرفراز فرمایا کہ آپ دنیا کو اس

---

[1] عام طور سے دیت یا خوں بہا کی رقوم حضرت ابو بکر صدیق کی منظوری کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی تھیں۔ (ادارہ)

ابدی حقیقت کی تعلیم دیں کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی انسان کے اعمال کی تدبیر اور نگرانی کرتا ہے اور موت کے بعد وہی نیکوں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کے مطابق جزاو سزا دے گا"، آپ نے اس تعلیم کے علاوہ انھیں اس بات کی طرف بنایا کہ وہ بتوں کی عبادت ترک کردیں اور اللہ کے ارادے کے آگے سر جھکائیں۔ پہلے پہل، ان اور فطری دین کو ان لوگوں نے اختیار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تھے۔ مثلاً آپ کی بیوی حضرت خدیجہ اور آپ کے چچیرے بھائی علی بن ابی طالب۔ لیکن اسکے بعد یہ بات صرف آپ کے اعزہ واقارب تک ہی محدود نہ رہی بلکہ بعض اور اکابر قریش نے بھی اسے دل میں جگہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تصدیق کرنے اور اسلام قبول کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عربوں میں سب سے سبقت لے گئے۔ مردوں میں سب سے پہلے ہی اسلام لائے۔ اسی سبقت کی وجہ سے صدیق کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ سے بری کردیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب صحنِ کعبہ میں موجود تھے کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ دوزخ سے آزاد کئے ہوئے شخص کو دیکھے تو اُسے چاہئے کہ ابوبکرؓ کی طرف نظر کرے۔ اس لئے آپ عتیق کے نام سے بھی مشہور ہوئے۔

مسلمانوں کی بہبودی کے لئے جدوجہد

اپنے مسلمان ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت ابوبکرؓ نے دینی جدوجہد شروع کردی اور دعوتِ اسلامی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ دلجمعی سے بٹانے کے لئے تجارت چھوڑ دی۔ ان کی تحریک سے بہت سے ایسے عرب مسلمان ہوگئے جن سے اِسلام کو قوت پہنچی مثلاً حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد ابن ابی وقاص

اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔ حضرت ابو بکرؓ اللہ کی راہ میں اپنا مال صرف کیا کرتے تھے۔ اس سے اسیروں اور قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے۔ مسلمانوں کو غلامی سے آزاد کراتے اور ان کی مدد کرتے تھے۔

حضرت بلالؓ مؤذن رسولؐ کے حق میں قریش کی ایذا رسانی بڑی شدت اختیار کر گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کا عذاب اُٹھاتے تھے۔ مُشرکین قریش میں سے اُمیّہ ابن خلف الجمحی کا معمول تھا کہ جب دوپہر کو دھوپ بہت تیز ہو جاتی تو یہ بلال کو تپتی ہوئی ریت پر مُنہ اور پیٹھ کے بل لِٹایا کرتا اور اپنے آدمیوں سے ایک پتھر کی سِل ان کی چھاتی پر رکھواتا۔ اور حضرت بلالؓ سے کہتا جب تک تم مر نہ جاؤ یا محمد سے انکار کر کے لات و عزّیٰ کی عبادت نہ کرو گے اسی حالت میں رہو گے۔ ایسے وقت ان کے پاس ورقہ بن نوفل کا گزر ہوتا تو ان کی زبان پر "احد احد" کے الفاظ جاری ہوتے۔ یہ سن کر ورقہ بن نوفل کہتے۔ بخدا اے بلالؓ "احد احد" غرض حضرت بلال برابر اسی عذاب میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے بنی مومن کی ایک کنیز لبینہ کو سخت عذاب دیا کرتے تھے پھر اسے بلا کر کہتے۔ "میں نے تجھے کسی اور وجہ سے نہیں صرف تھک کر چھوڑ دیا ہے" یہ کنیز انہی تکلیفوں کا نشانہ بنی رہی۔ آخر حضرت ابو بکرؓ ہی نے اسے خریدا اور آزاد کیا۔

واقعہ ہجرت اور حضرت ابو بکر صدیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جن عظیم الشان واقعات سے بھرپور تھی اسی میں ایک نہایت اہم اور مخصوص نوعیت کا واقعہ آپ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور ان لوگوں کے پاس قیام فرمانا ہے جو اہلِ مدینہ میں سے آپ پر ایمان لا چکے تھے تاکہ وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اپنے یہاں جگہ دیں اور آپ کی دعوت کی حمایت کریں جس سے قریش کو دشمنی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب اہل یثرب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان کی خبر پہنچی تو اہلِ مکّہ نے آپ کے قتل کے لئے

سازش کی اور اس بڑی مہم میں مشورے کی غرض سے دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ اس وقت ان میں سے بعض نے آپ کے قید کرنے کا مشورہ دیا، بعض نے شہر بدر کرنے کا اور بعض نے قتل کر دینے کی رائے دی۔ آخر میں طے پایا کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک مضبوط جوان لیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو تیز تلوار دیدی جائے۔ پھر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر شخصِ واحد کی طرح متحدہ حملہ کریں۔ اس طرح ان کا خون تمام قبائل میں منقسم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف تمام عربوں سے نہ لڑ سکیں گے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کریں یا قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں۔ وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر کرنے والا ہے)

جب خطرہ کی ساعت بہت قریب آپہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دوست ابو بکرؓ کے سوا کسی کا خیال نہ آیا۔ اس لئے آپ تیزی سے ان کے گھر چلے تاکہ اِس معاملے میں ان سے مشورہ کریں اور قریش کی سازش کے نسبت اللہ نے جو خبر دی ہے۔ اس سے انھیں مطلع کریں۔ آپ نے ان سے کہا "مجھے اللہ نے ہجرت کا حکم دیا ہے" حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے درخواست کی کہ انھیں بھی ساتھ لے چلیں اور اس بات پر اصرار کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق ابو بکرؓ اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے نکلے پھر جبل ثور کے ایک غار کی راہ لی جو مکّے کے پچھلے حصّے میں ہے اور دونوں اس میں داخل ہو گئے۔

اُسوقت حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دیا کہ اس دن لوگوں میں ان کی نسبت جو چرچا ہو اس پہ کان لگائے رکھنا اور جب شام کا وقت ہو تو غار میں آکر اس دن کی خبریں سنانا۔ ساتھ ہی اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر ان کی

بکریاں چرائے اور شام کو انھیں لئے ہوئے ان کے پاس آجائے۔ حضرت ابوبکر کی بیٹی حضرت اسماء شام کے وقت ان دونوں کے لئے مناسب کھانا لے کر پہنچا کرتی تھیں۔

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو قریش کی طرف سے ایذا پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ مگر دونوں نے صبر اختیار کیا۔ قرآن کریم سورۂ توبہ میں اس جانب اشارہ کرتا ہے۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم۔ (اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کروگے تو اللہ تمہاری مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ تمہیں کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا۔ جب کہ دو آدمیوں میں ایک تم تھے جس وقت دونوں غار میں تھے۔ تم اپنے ہمراہی سے کہہ رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور تمہیں ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کر دی (کہ وہ اپنی تدبیر میں ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ سورۂ توبہ پارہ واعلموا)

حضرت ابوبکرؓ نے اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معترف تھے۔ جس وقت یہ دونوں حضرات غار میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی مخلصانہ جدوجہد کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔ ان دونوں کے متعلق تم کیا گمان کروگے جن میں کا تیسرا خود اللہ ہو۔

جناب صدیق کے مخصوص مراتب

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مستقل طور پر قیام فرمایا تو وہاں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دست راست

بنے رہے اور سایہ کی طرح کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے - اسی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جن خصوصیات سے سرفراز فرمایا صحابہ میں ان کے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھیں - ابن خلدون لکھتا ہے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے سیاسی امور میں گفتگو کرتے اور اپنے عام و خاص معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے - لیکن آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شرف کے علاوہ اور خصوصیات سے بھی ممتاز فرمایا تھا - چنانچہ جو عرب کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے ممالک کو جانے بوجھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے - وہ حضرت ابوبکر کو حضورؐ کا وزیر کہتے تھے -

حافظ ابنِ حجر العسقلانی لکھتے ہیں :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس بارے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا - ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی (حضرت ابوبکر نے بھی مشورہ دیا) اس وقت حضور نے فرمایا " اللہ تعالیٰ عرش اعلیٰ پر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابوبکر سے کسی غلطی کا ارتکاب کرائے -

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رنج و راحت ، دکھ درد اور فتح و نصرت ہر حال میں ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا اور سائے کی طرح ساتھ رہے - حدیث میں ہے : رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا : اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے جسے چاہے اختیار کرے - اس نے آخرت کو اختیار کیا - یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر بات کی تہ تک پہنچ گئے اور سمجھ لیا کہ بندے سے حضور نے خود اپنی ذات مراد لی ہے - اور آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے - اِس خیال سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا : ہم اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں آپ پر سے قربان کر دیں گے " آنحضرت

نے فرمایا ابوبکر ذرا تحمل سے کام لو" (پھر حکم دیا کہ) "یہ دروازے اور گلیاں جو مسجد کی طرف کھلی ہوئی ہیں بند کر دینا، صرف وہ جو ابوبکر کے گھر کی ہیں چھوڑ دینا کیونکہ صحبت و رفاقت کے اعتبار سے میں ابوبکر سے زیادہ کسی کو افضل نہیں سمجھتا"۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "ایک دفعہ میں نے آنحضرت سے پوچھا "یا رسول اللہ انسانوں میں آپ کو سب سے زیادہ کون عزیز ہے"، فرمایا عائشہؓ، میں نے عرض کی: اور مردوں میں؟ فرمایا اُن کے پدر بزرگوار"

جانشین رسولؐ کا انتخاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کی خبر مشہور ہوتے ہی مدینہ کے لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ انتخاب امیر کے سوال پر مہاجرین اور انصار میں اختلاف ہونے لگا تو حضرت ابوبکر نے اُٹھ کر تقریر کی اور انصار کو دلائل سے سمجھایا کہ امارت اور خلافت کا حق صرف خاندانِ قریش کو ہے اور عربوں کی اصلاح صرف اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ خلافت قریشیوں کے پاس رہے۔

اِدھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ اگر اس موقع پر لوگوں کو بیعت لئے بغیر چھوڑ دیا گیا تو ان میں پھوٹ پڑ جائیگی اور حضرت ابوبکر کی تقریر کا سارا اثر خاک میں ملجائیگا۔ اسلئے اُنھوں نے کھڑے ہو کر حضرت ابوبکر سے پوچھا "کیا آنحضرت نے آپ کو حکم نہیں دیا تھا کہ مسلمانوں کو نماز آپ پڑھائیں؟ لہٰذا آپ ہی آنحضرت کے خلیفہ ہیں۔ ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور ہماری یہ بیعت اس شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ عزیز تھا"۔ (یہ کہہ کر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خلافت پر بیعت کرلی پھر حضرت ابوعبیدہؓ نے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن حضرت بشیر بن سعد انصاری ان دونوں پر سبقت لے گئے۔ یہ دیکھ کر تو مہاجرین اور انصار سبھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اس طرح ایک نیک طینت، پسندیدہ سیرت، پاکیزہ خصائل، صادق الایمان اور عقل و ایثار میں برتری رکھنے والے شخص کا انتخاب عمل میں آیا۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ منتخب ہو گئے

خطبۂ خلافت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اوصاف ان کے اس مختصر اور جامع خطبہ میں جھلک رہے ہیں جو اُنھوں نے بیعتِ خلافت کے بعد ہی مسجد نبوی میں دیا تھا۔ یہ خطبہ اپنے اختصار کے باوجود بجا طور پر حکومت کے لئے ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں سنتِ رسول پر چلنے، دین کے لئے جہاد کرنے اور مسلمانوں کے درمیان محبت و اتحاد پیدا کرنے کے عزائم نہایت نمایاں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے اس موقعہ پر فرمایا

"لوگو! اگرچہ میں تم سب سے بہتر نہیں لیکن تم پر امیر بنادیا گیا ہوں۔ اگر میں کوئی نیک کام کروں تو تم میری مدد کرو، اور اگر مجھ سے کوئی برائی سرزد ہوتے دیکھو تو مجھے سیدھی راہ پر ڈال دو، یاد رکھو راست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ تم میں سے کمزور انسان بھی میرے نزدیک قوی ہے تاوقتیکہ میں اس کا حق دوسرے سے نہ دلوادوں۔ انشاء اللہ۔ اور تم میں کا طاقت ور انسان بھی میرے نزدیک کمزور ہے تاوقتیکہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ انشاء اللہ۔ جو قوم بھی خدا کی راہ میں جہاد چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اُس پر ذلّت کو مسلّط فرمادیتا ہے اور جب بھی کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اُس پر خدا اپنے عذاب کو عام کر دیتا ہے۔ تم میری اُس وقت تک اطاعت کرو جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور اگر میں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کرنا ضروری نہیں۔ اچھا اب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر رحم فرمائے۔"

حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام مواقع پر شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور رہے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے دعوتِ اسلامی کا بیڑا اٹھایا اور ایسے وقت عربوں میں اتحاد کی روح پھونکی جب اُن کی وحدت پارہ پارہ ہونے کو تھی۔ جن مرتدین نے زکوٰۃ دینے سے انکار

کر دیا تھا۔ان کے خلاف آپ کا سخت قدم اُٹھانا ہی آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ نے مسلمانوں کا ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور جس وقت وہ لوگ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو آپ اُن کے مقابلے کے لئے خود میدان میں نکل آئے اور حضرت اُسامہ کو مسلمانوں کے لشکر پر امیر بناکر شام روانہ کر دیا۔ صحابہ اُس وقت آپ کو قسمیں دلا رہے تھے کہ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیں۔ مگر آپ اپنی رائے پر مصرر ہے اور کہا :
"خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں تو اپنی جان سے تمہاری مدد کروں گا۔ چنانچہ ایسے نازک موقعہ پر بھی آپ کے پائے استقامت کو ذرا جنبش نہیں ہوئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، اسلام کو سربلند کیا اور مسلمان بخیر و خوبی مدینے واپس آئے۔ پھر آپ نے جزیرۃ العرب کے باہر اسلام کی اشاعت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ کیا اللہ نے فارس اور روم کی عظیم الشان سلطنتیں مسلمانوں کے زیرنگین کر دیں اور اُنھوں نے بہت سے شہر فتح کر ڈالے۔

جنگی آداب کی تعلیم

خلفائے راشدین میں سے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جنگ کے آداب سکھائے۔ کمزوروں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی نصیحت کی اور عربوں کو ترغیب دی کہ وہ ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کریں اور ان کے دینی امور میں ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ چنانچہ جس وقت حضرت اُسامہ بن زید کو ملکِ شام کی طرف روانہ کیا تو ان سے فرمایا:
خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، غنیمت کے مال میں سے کبھی کچھ چھپا کر نہ رکھنا، نعشوں کی ناک اور کان کاٹ کر صورت نہ بگاڑنا۔ کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کھجوروں باغوں کو ویران نہ کرنا، اونٹ گائے اور بکری کو بیکار ذبح نہ کرنا۔ دیکھو عنقریب ایک ایسی قوم کے پاس سے تمہارا گزر ہوگا جو خانقاہوں میں گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہوں گے۔ ان کو چھوڑ دینا۔ جن مشاغل کے لئے اُنھوں نے اپنے

اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے ان میں خلل نہ ڈالنا۔ تم ایک ایسی قوم کے پاس سے بھی گذرو گے جنھوں نے اپنی چندیا منڈوا رکھی ہے اور اِدھر اُدھر کے بالوں کو پٹیوں کی طرح چھوڑ رکھا ہے، ان پر تلوار مارنا۔ اب تم اللہ کا نام لے کر کوچ کرو۔"

وفات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت زیادہ عرصہ تک نہ رہی دو ہی سال[ف۱] بعد آپ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لئے ایک نہایت تابناک دَور قائم کر گئے۔ آپ تونگری کی حالت میں اسلام لائے تھے مگر آپ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ میں صرف کر دیا اور افلاس و تنگ دستی کے عالم میں وفات پائی۔ درہم و دینار کچھ نہ چھوڑے۔

آپ کی پوری زندگی نصیحت و ہدایت کا مرقع ہے۔ آپ صحابہؓ کی جماعت میں علم و پرہیزگاری، دینی سوجھ بوجھ، خوش بیانی، حسن فراست، پاکیزگی رائے اور باریک بینی کی صفات میں بہت مشہور تھے، آپ کے اس مختصر دورِ خلافت میں اسلام کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں اور اسلام کو ضعیف العقیدہ اور کمزور دل کے لوگوں کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا۔ شام اور عراق کے بہت سے شہروں کی فتوحات آپ کے انتقال سے پہلے ہی مکمل ہو چکی تھیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے اور دنیا و آخرت دونوں میں آپ کے رفیق رہے۔

ف۱ حضرت ابوبکرؓ کی مدتِ خلافت درحقیقت دو سال تین ماہ اور تیرہ روز تھی۔ (ادارہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۴۰ سنہ ق ھ - ۲۴ سنہ ھ)

نام و نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان نامور مسلمانوں میں سے ہیں جن کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ تنہا آپ کی ذات میں اتنی صفات موجود تھیں کہ اکیلے ایک شخص میں بہت کم جمع ہوا کرتی ہیں۔ اسلام کی سربلندی اور دولت اسلامیہ کی توسیع و تنظیم میں آپ کے اثرات بہت قوی ثابت ہوئے۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزّٰی بن رباح بن کعب بن لوی۔ آپ خاندان قریش میں سے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب بنی عدی پر جا کر ختم ہوتا ہے جو قریش کا ایک خاندان تھا اور اپنی شرافت و بزرگی میں مشہور تھا۔ باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ ساتویں پشت اور ماں کی طرف سے چھٹی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر حق پرستی کی شدت دیکھی تو ان کی کنیت ابو حفص رکھدی۔

ولادت و نشو و نما حضرت عمر رضی اللہ عنہ حرب فجار[1] سے چار سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے ایک روایت میں ہے کہ آپ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے تیرہ برس بعد یعنی ۵۸۴ء میں ہوئی تھی۔

---

[1] حرب فجار اس لڑائی کا نام ہے جو حجازی قبیلوں کے درمیان ان مہینوں میں ہوئی تھی جن میں جنگ کرنا حرام ہے۔ یہ بڑی لڑائی آنحضرت کو نبوت ملنے سے (۲۶) سال قبل ہوئی۔ اسوقت آپ کی عمر چودہ (۱۴) برس کی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: میں جنگ فجار میں اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتا تھا اور اس وقت میں چودہ (۱۴) برس کا تھا۔ (ادارہ)

ان کی تربیت و پرورش بھی قریش کے عالی خاندان اور ہونہار بچوں کے طریقے پر ہوئی۔ اس لئے فصاحت و بلاغت اور حق گوئی و بیباکی میں یہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے بچپن میں اپنے والد کی بکریاں چراتے تھے، اس کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں ان کی آمد و رفت شام کے شہروں میں رہا کرتی تھی اور اس ملک کے لوگوں کے حالات، ان کے طریقے اور عادات و اخلاق ان کی نظر میں تھے۔ اس لئے ان کی معلومات و تجربات میں کافی وسعت پیدا ہو چکی تھی۔

قبول اسلام اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلامیہ کے سخت مخالفین میں سے تھے، مگر تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص پیروؤں اور اسلام کے جاں نثاروں میں شامل ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ آپ نے مسلمان ہوتے ہی ارکانِ اسلامی کو چھپ کر ادا کرنے سے انکار کیا۔ آپ خوب جانتے تھے کہ قریش میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو ان کے مقابلے کی جرأت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دعا فرمائی تھی: "بار الٰہا تو دونوں عمروں یعنی عمرو بن ہشام اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کے ذریعہ اسلام کو غلبہ عطا فرما۔"

حضرت عمرؓ کی دلاوری اور بیباکی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا فتح، اور آپ کا ہجرت کرنا نصرت اور آپ کی خلافت رحمت تھی۔ بخدا ہم چاہتے تھے مگر خانۂ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ آخر کار جب حضرت عمر اسلام لائے اور اس سلسلہ میں کفار سے لڑے تب انھوں نے ہمیں چھوڑا اور ہم نے خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں مہاجرین میں سے ہر ایک نے خفیہ طور پر ہجرت کی تھی۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی

ایسے تھے جنھوں نے علانیہ ہجرت کی تھی۔ اُنھوں نے جس وقت ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں لٹکائی، کمان کندھے پر رکھی، ہاتھوں میں تیر پکڑے اور مختصر سا کنبہ ساتھ لیا اور کعبے میں آئے۔ یہاں سرداران قریش کی ایک جماعت کعبے کے صحن میں بیٹھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے نہایت اطمینان سے سات مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر آئے اور بڑے وقار سے نماز پڑھی۔ اس کے بعد قریش کے ایک ایک حلقے میں کھڑے ہوئے اور ان سے کہا "ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں، یقین رکھو خدا دشمنانِ دین کو مغلوب کر کے رہے گا۔ جو چاہتا ہو کہ اُسکی ماں اُس کے وجود سے محروم ہو جائے۔ اس کے بچے یتیم اور بیوی بیوہ ہو جائے تو وہ مجھ سے وادی کے اس پار آ کر ملے! حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "پھر کوئی ان کے پیچھے نہیں آیا۔ البتہ جو لوگ قوم میں نہایت کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ہجرت کی غرض سے ان کے پیچھے ہو لئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رہبری فرمائی اور اور اپنا رستہ لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد و مقرّب بن گئے۔ اکثر معاملات میں حضور کو مشورہ دیتے تھے۔ جن میں سے بیشتر کی نسبت قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوتیں اور بسا اوقات ان کے مشورے کے ہی مطابق ہوتیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمرؓ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قیام میں حضرت عمرؓ کی سعی قابلِ تحسین ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور کی جانشینی کے مسئلہ پر مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف کی وجہ سے حالات کے ناہموار ہونے کا جو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اُسے حضرت عمرؓ نے ختم کر دیا۔ آپ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "کیا آپ کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ صحیح ہے تو آپ ہی ان کے خلیفہ ہیں ہم سب آپ سے بیعت کریں گے۔ ہم تو اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو ہم میں آنحضرت کو سب سے زیادہ عزیز تھا" بس یہ کہہ کر حضرت ابوبکر

کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حضرت عمرؓ کا ہاتھ بڑھانا ہی تھا کہ مہاجرین اور انصار بھی یکے بعد دیگرے بیعت کرنے لگے۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خداداد مہارت اور شجاعت کی بدولت حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا مرحلہ طے ہوا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے تھے اور مقدمات کے فیصلے ان ہی کے سپرد کرتے تھے۔ مرتدین سے جنگ کے موقع پر بھی حضرت عمر ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دست راست تھے۔ قرآن کی جمع و تدوین کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی۔

خلیفۂ اول کی جانشینی

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شجاعت، کار گذاری، حسن سیاست، اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں ان کے اثرات کے بڑے معترف تھے۔ اسی لئے اُنھوں نے اپنی وفات کے قریب حضرت عمرؓ ہی کو خلافت کے لئے نامزد کیا اور صحابہ نے اس حسنِ انتخاب سے اتفاق کیا کیونکہ حضرت عمرؓ سب کی نگاہوں میں بڑے معزز اور محترم تھے اور صحابہ کو ان پر پورا اعتماد تھا۔

جس وقت حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے آپ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں اس سیاسی طریق کار کی وضاحت کی جسے وہ اپنے دورِ خلافت میں اختیار کرنا چاہتے تھے۔ آنے فرمایا "میں کچھ باتیں کہوں گا تم سب ان پر آمین کہنا"۔ یہ کہکر اپنی خلافت میں سب سے پہلی بات یہ کہی: "دیکھو عرب کی مثال ایک خوددار اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اس لئے ساربان پر نظر رہنی چاہیئے کہ وہ کہاں لے جاتا ہے۔ رہا میں تو مجھے رب کعبہ کی قسم ہے میں انھیں راہ راست پر ہی لے جاؤں گا"۔

اسلامی فتوحات کی تکمیل زیادہ تر عہدِ فاروقی ہی میں ہوئی۔ فارس، فلسطین، شام، مصر اور برقہ آپ ہی کے دور میں فتح ہوئے اور عربوں کی حکومت کا رقبہ فارس

اور روم کی دونوں سلطنتوں کے رقبے کے برابر ہو گیا۔

نظام حکومت کی تشکیل اور محکمات کی تنظیم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حکومتِ اسلامی کے لئے سیاسی دستور وضع کیا اور اسکی تنظیم فرمائی۔ آپ کی سیاست یہ تھی کہ عربوں کے شہروں میں باہمی میل جول قائم رہے اور قبائل کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ تاکہ یہ سب ایک امت یا ملتِ عربیہ بن جائیں۔ جب عربی حکومت قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر قابض ہونے کی بدولت دولتمند ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے ان اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینا ہی مصلحت سمجھا اور اس تقسیم میں ان کے مرتبے اور استحقاق کا لحاظ رکھا۔ پھر آپ نے آمدنی اور خرچ کے ضبط و نظم کے لئے دفاتر کا وہی نظام رائج کیا جس پر اہل فارس عمل عمل پیرا تھے۔ مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ نہایت منصفانہ برتاؤ کیا جس کی بنیاد بے لاگ عدل پر قائم تھی۔ آپ نے فوجیوں کے نام درج کرنے کے لئے ایک فوجی محکمہ قائم کیا جس میں ان کے وظائف کا اندراج ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ نے محصول اور ٹیکس کے لئے ایک محکمہ کھولا۔ بیت المال میں جو کچھ آتا اور اس میں سے مسلمانوں کو جو کچھ دیا جاتا اس محکمہ میں درج کیا جاتا۔

عہدِ فاروقی میں عربی مملکت بہت وسیع ہو گئی تو آپ نے تمام شہروں کو ایک بڑی انتظامی تقسیم کے ماتحت منقسم فرمایا تاکہ ان پر آسانی سے حکومت کی جا سکے اور آمدنی کے ذرائع پر معقول نگرانی بھی ہو سکے۔ تمام شہروں میں حاکم اور والی مقرر کئے۔ یہ حکام اپنے اختیارات خلیفہ سے اخذ کرتے تھے جو تمام تنفیذی اور عدالتی اختیارات کا جامع تھا۔ عربوں میں سے والیوں کے تقرر کا اختیار بھی خلیفہ ہی کو ہوتا تھا۔ بعد کے خلفائے راشدین اور اموی خلفاء نے آپ کے انہی سیاسی اصولوں پر عمل کیا۔

عمال و حکام کے حالات کی پرسش

حضرت عمرؓ کے پاس جب وفد آتے

خواہ حج کے زمانہ میں خواہ اور اوقات میں تو آپ ان سے ان کے امرا اور حکمران طبقے کے حالات اور عادات کی نسبت استفسار فرماتے۔ حضرت اسود بن ابی یزید راوی ہیں کہ جس وقت کوئی وفد حضرت عمرؓ کے پاس آتا تو آپ اس سے ان کے امیر کے متعلق دریافت فرماتے۔ اگر وہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے تو پوچھتے "کیا وہ بیمار کی مزاج پرسی کرتا ہے"؟ وہ کہتے "جی ہاں" پھر پوچھتے "ضعیف کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا رہتا ہے اور کیا وہ اپنے دروازے پر بھی آکر بیٹھتا ہے"؟ اگر اہلِ وفد ان سوالات میں سے کسی کا جواب نفی کی صورت میں دیتے تو حضرت عمر اس حاکم کو معزول کر دیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ لبسا اوقات مسلمانوں کے گھر خود جایا کرتے اور رعایا کے حالات بنفسِ نفیس معلوم کیا کرتے۔ قرآن پڑھتے ہوئے بازاروں میں گھومتے پھرتے۔ جہاں لوگوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھتے تھے فیصلہ فرما دیتے تھے۔ آپ کا ارادہ یہاں تک تھا کہ اسلامی ملکوں میں خود جائیں اور ان میں گھوم پھر کر رعایا کے صحیح صحیح حالات معلوم کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو پورا ایک سال رعایا میں گزاروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بہت سی ضرورتیں مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دی جاتی ہیں۔ ان کے حکام ان کی ضرورتیں میرے سامنے پیش نہیں کرتے اور لوگ خود میرے پاس پہنچتے نہیں۔ لہٰذا میں خود شام جاؤں گا اور وہاں دو مہینے رہوں گا۔ پھر جزیرہ پہنچوں گا اور دو مہینے رہ کر مصر روانہ ہوں گا۔ یہاں دو مہینے گزار کر کوفے جاوں گا۔ وہاں بھی دو مہینے رہوں گا، پھر بصرہ جاکر دو ماہ ٹھہروں گا۔ بخدا یہ سال کتنا اچھا رہیگا۔!

حضرت عمرؓ خراج جمع کرنے کی نگرانی خود فرماتے تھے۔ عاملوں اور خراج کے حاکموں کے ساتھ سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔ عمال پر نگرانی میں شدت کا یہ حال تھا کہ جب لوگوں کو والی بنانے لگتے تو پہلے ان کے ذاتی اموال شمار کر لیتے۔ اس دولت کے کل یا بعض میں سے جو کچھ زیادہ نکلتا تو اسے بیت المال میں جمع کروا دیتے۔ ہاں

اگر یہ بات ثابت ہو جاتی کہ فاضل رقم کسی عامل کے پاس جائز طریقے سے آئی تھی تو وہ رقم اس کو ملجاتی۔

ایک خطاکار کے گھر میں

ایک رات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاسبانی کی غرض سے شہر میں گشت کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک مکان کے پاس سے گزر ہوا اور ایک ایسی آواز سنی جس سے آپ کو شک ہو گیا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ ایک مرد بیٹھا ہے۔ اُس کے پاس ایک عورت ہے۔ پاس ہی شراب کی مشک رکھی ہے، آپ نے کہا اے دشمنِ خدا کیا تو نے یہ سمجھ لیا کہ تو گناہ کرتا رہیگا اور اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرماتا رہیگا، یہ سنکر اس نے کہا امیر المومنین عجلت نہ کیجئے، اگر مجھ سے ایک خطا ہوئی ہے تو آپ نے تین خطائیں کی ہیں۔ دیکھئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا) تم لوگوں کے عیوب کا کھوج نہ لگایا کرو،، اور آپ نے کھوج لگایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وأتوا البیوت مِنْ ابوابھا" تم گھروں میں دروازوں سے آیا کرو،، اور آپ دیوار پھاند کر آئے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا (اِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا) اگر تم گھروں میں آؤ تو سلام کرو"۔ اور آپ نے سلام بھی نہیں کیا"۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں تمہیں معاف کر دوں تو پھر تو بھلائی اختیار کر لوگے،، اُس نے کہا ہاں، بخدا آیندہ ایسا نہ کروں گا،، آپ نے فرمایا اچھا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

لشکروں کی تنظیم اور روانگی

حضرت عمرؓ نے فوج کے کمانڈروں کے لئے لشکروں کی تنظیم اور روانگی کا پروگرام بنا کر دیا۔ چنانچہ جس وقت حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو بلاد فارس کا فتح کرنے کے لئے بھیجا تو انھیں لکھا "مسلمانوں کو آہستہ لیجانا۔ تیز نہ جانا کہ وہ تھک جائیں اور کسی ایسے مقام پر نہ اُتارنا اور نہ کہیں اتنی دیر لگانا کہ دشمن تمہارے پاس آجائے، اور سفر سے روانگی کی قوت ٹوٹ جائے کیونکہ وہ ایسے دشمن کی طرف جا رہے ہیں جو مقیم۔

ہے اور ہر طرح سے حفاظت میں ہے مولشی بھی اُس کے پاس موجود ہیں تم اپنے ساتھ والوں کے ہمراہ ہر جمعہ کو ایک دن اور ایک رات قیام کرو تاکہ انھیں راحت نصیب ہو دم میں دم آئے اور وہ اپنے ہتھیار وغیرہ رکھ سکیں جب دشمن کی سرزمین میں داخل ہو جاؤ تو ان کے اور اپنے درمیان جاسوسوں کا تانتا باندھ دو۔ ان کے معاملات میں سے کوئی بات تم سے مخفی نہ رہے۔ ایسے وقت میں عربوں میں یا وہاں کے مقامی باشندوں میں سے کوئی شخص تمہارے پاس رہنا چاہیئے جس کی خیر خواہی اور سچائی پر تمہیں اطمینان ہو۔ دشمن کی سرزمین میں پہنچتے وقت تمہیں چاہیے کہ اپنی طرف سے بہت سے ہراول دستے بھیجو اور اپنے اور ان کے درمیان فوجی دستے پھیلاؤ۔

قاضیوں کا تقرر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلامی مملکتوں میں قاضی مقرر کئے اور ان کے لئے ایک دستور وضع کر دیا تاکہ وہ احکام میں اُسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مکتوب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا اس میں لکھا تھا۔ مقدموں کا فیصلہ کرنا ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسی سنت ہے جس پر ہمیشہ سے عمل ہوتا رہا ہے۔ سمجھ لو کہ تمہارے پاس جب لوگ کوئی جھگڑا لے کر آئیں تو اس میں ایسی حق گوئی سود مند نہیں جس کا نفاذ ممکن نہ ہو۔ ثبوت پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور منکر پر قسم واجب ہے۔ مسلمانوں میں صلح جائز ہے مگر ایسی صلح روا نہیں جس سے حرام چیز حلال یا حلال چیز حرام ہو جائے۔ جس مسئلے میں تمہیں کوئی شبہ ہو جائے اور یہ دیکھو کہ اس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول خاموش ہیں تو پھر اسکو خوب سوچو اور اچھی طرح غور کرو۔ اس کے نظائر و امثال دیکھو اور انھی امور پر ان کے نظائر کو قیاس کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاف کا یہ حال تھا کہ آپ نے کسی شخص سے کہا:
"مجھے تم سے محبت نہیں ہے"۔ وہ بولا تو کیا آپ میرے حق میں سے کچھ کمی کر دیں گے؟"
آپ نے فرمایا: "نہیں"۔ اس پر اس شخص نے کہا یہ صورت ہے تو محبت سے عورتوں کے سوا اور کوئی خوش نہ ہو گا (یعنی جب آپ کے محبت کرنے سے حق گزاری میں کوئی کمی نہ ہو گی تو اس کی کوئی پرواہ نہیں)

احتیاط اور دور اندیشی

حضرت عمر کی احتیاط اور دور اندیشی آپ کے دورِ خلافت کی خصوصیات میں سب سے زیادہ نمایاں درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جب کسی چیز کا حکم دیتے یا کسی بات کی ممانعت فرماتے تو اسکی ابتدا اپنے گھر سے کرتے تمام خاندان والوں کو جمع کرتے اور ان سے کہتے: میں نے فلاں باتوں کی ممانعت کی ہے۔ اب لوگوں کی نگاہیں تم پر اس طرح پڑیں گی جس طرح پرندوں کی نگاہیں گوشت پر لگی رہتی ہیں۔ لہٰذا اب تم میں سے کسی کو میں ان باتوں کا مرتکب نہ پاؤں ورنہ خدا کی قسم اُسے دوگنی سزا دوں گا۔"

تواضع اور منکسر المزاجی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت گیری میں اتنے مشہور ہونے کے باوجود متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ سفر شام کے موقع پر آپ نے جو لباس اور وضع اختیار فرمائی وہ آپ کی منکسر المزاجی کی شاندار مثال تھی۔ فارس کا جنرل ہرمزان جو آپ سے ملنے کے لئے مدینہ آیا تھا محض آپ کی معمولی پوشاک اور سادہ وضع کے باعث آپ کو پہچان نہ سکا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود موٹا جھوٹا اور سادہ کپڑا پہنتے تھے اور منکسر المزاج تھے۔ اس لئے آپ کے ماتحت بھی اعمال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے۔

شہادت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فطرۃً حاکم پیدا ہوئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپکی

زندگی کا ہر قدم اپنی خصوصیات میں بے مثل نظر آتا ہے۔ آپ بڑے خدا ترس اور زاہد تھے تنگی سے گزر بسر کرتے تھے اپنے آپ کو اور دوسروں کو برائی سے بچانے کا سختی سے خیال رکھتے تھے۔ آپ کو قرآن سے بڑا لگاؤ رہتا تھا۔ لیکن ایسے امتیازی کارناموں اور اتنی پسندیدہ صفتوں کے باوجود آپ فارس کے ان غلاموں کی عداوت کا نشانہ بن گئے جو محض اس لئے عربوں کے خلاف غصہ اور کینے کے جذبات چھپائے ہوئے تھے کہ عربوں نے ان کے ملکوں کو فتح کرکے ان کی بادشاہت ختم کردی تھی۔ ان لوگوں نے اس کا انتقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے لینے کا عزم کرلیا۔ فارس کے انھیں غلاموں میں سے فیروز نامی ایک غلام نے جو ابو لؤلوہ کے نام سے مشہور تھا آپ کو شہید کردیا۔ یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اس بدبخت نے آپ پر دودھاری خنجر سے چھ وار کئے۔ ان میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا اور اسی وار نے آپ کی جان لی۔ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دس برس اور چھ مہینے ہی ہوئے تھے کہ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر (۶۳) تریسٹھ سال کی تھی۔ اسی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور اسی عمر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور آپ انھیں حضرات کے قریب دفن ہوئے۔

عہدِ فاروقی میں اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوگئی تھیں اسلامی مملکت کا رقبہ بہت وسیع ہوگیا تھا اور مشرق میں حدودِ چین سے لے کر مغرب میں بحر اطلس تک عربوں کے اثر ونفوذ کی راہیں ہموار ہوگئی تھیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۴۷ ق ھ — ۳۵ ھ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں تیسرے خلیفہ ہیں رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور آپ کے معتمد و مونس تھے۔ ان کا نام عثمان بن عفان ابن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی الاموی القرشی ہے اور کنیت ابو عبداللہ، ابوعمرو اور لقب ذوالنورین ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اور یہ سعادت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام اروی بنت کریز بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس تھا۔ اور اروی کی ماں عبدالمطلب کی بیٹی بیضا تھیں جو آنحضرتؐ کی پھوپھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور بیضا دونوں ایک ساتھ پیدا پیدا ہوئے تھے۔

ولادت و تربیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ولادت واقعۂ فیل سے چھ سال بعد ہوئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے پانچویں سال پیدا ہوئے۔ آپ کی تربیت اور پرورش بھی اسی طریقہ پر ہوئی ہے۔ جس طریقہ پر سرداران قریش اور مکہ کے شرفا کی ہوتی تھی۔ آپ نے شرفائے قریش ہی کی طرح تجارت سے بڑی دولت پیدا کرلی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت سے سرفراز فرمایا تاکہ آپ دنیا کو یہ ابدی تعلیم دیں کہ اللہ تعالیٰ کی

ذات ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں - محمد خدا کے سچے رسول ہیں - اللہ تعالےٰ انسان کے اعمال کی نگرانی اور نگہداشت کرتا ہے وہی ہر نیک و بد کو کرنے کے بعد اسکے عمل کے مطابق جزا بھی دیگا اور سزا بھی - محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بت پرستی سے روکا اور حکم الٰہی پر چلنے کی دعوت دی - اس بلند اور جامع دین کو پہلے انھیں لوگوں نے قبول کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریبی تعلق رکھتے تھے اور اس کے بعد بعض اور اکابر قریش مسلمان ہوئے - مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد پہلے جو پانچ اشخاص اسلام لائے وہ حضرت ابوبکر ہی کے ذریعے مسلمان ہوئے انھیں میں حضرت عثمانؓ بھی تھے - اس وقت ان کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ تھی

حضرت عثمانؓ کے فضائل

حضرت عثمان رضؓ جب مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی نیکی اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے بہت محبوب رکھا - انھیں اپنا مقرب اور معتمد بنا لیا اور اس کے بعد اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ سے ان کی شادی کر دی - جب حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا - جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا اگر میرے کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو میں اسکو بھی تم سے بیاہ دیتا - حدیث میں آتا ہے کہ " رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " میں نے پروردگار سے یہ دعا مانگی ہے کہ جس نے مجھ سے رشتہ داری کی یا میں نے جس سے رشتہ کیا وہ دوزخ میں نہ جائے " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عثمان کا جو مرتبہ تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضؓ کو ان دس صحابہ میں شمار فرمایا ہے - جنھیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت سنائی گئی تھی - ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو دنیا میں جنت کی خوشخبری سنائی اور اپنے گھر والوں میں سے شمار فرمایا - ان کے شہید ہونے کی شہادت دی اور ارشاد

فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق ہو گا اور جنت میں میرے رفیق حضرت عثمانؓ ہونگے

حبشہ کی طرف ہجرت

قریش نے جب مسلمانوں کو سخت تکلیفیں پہنچانا شروع کیں تو مسلمانوں نے شاہ حبشہ کے عدل اور نرم برتاو کا شہرہ سُنکر ملک حبشہ کا رخ کیا کیونکہ حضور نے فرمایا تھا اِس ملک کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا اور یہ سچائی کی سرزمین ہے۔ اِس موقعہ پر جو لوگ مکّہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے نکلے ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ نے اسلام کی بلندی اور حق کو فروغ دینے کے لئے تجارتی خسارہ کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مہاجرین کو جب قریش کے ظلم و ستم ترک کر دینے اور حضور سے اچھی طرح پیش آنے کا علم ہوا اور انھیں یہ اندازہ ہو گیا کہ قریش نے اپنی چالوں میں ناکام ہونے کے بعد حضور کو ایذا پہنچانا اور تکلیف دینا چھوڑ دیا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکّہ واپس آ گئے۔

حضرت عثمانؓ کی مالی قربانیاں

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخلص رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت عثمانؓ نے بھی مدینہ ہجرت کی۔ یہاں آکر یہ خدمت رسول میں مصروف ہو گئے اور اپنا مال حضور پر اور اشاعتِ اسلام پہ قربان کرنے لگے۔ مسلمانوں کو بیر رومہ سے پانی لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وہ اس کا پانی مسلمانوں کے ہاتھ بیچا کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ جو بھی بیرِ رومہ کو خریدے اور پھر اپنے ساتھ مسلمانوں کو بھی پانی لینے دے اسکو جنت میں پانی کا ایک گھاٹ ملے گا۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے اور کنوئیں کے متعلق بات چیت کی۔ اس نے پورا کنواں بیچنے سے انکار کر دیا مگر آدھا بیچنے پر راضی ہو گیا۔ آپ نے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور اسکو مسلمانوں

کے لئے وقف کر دیا۔ جب یہودی نے یہ دیکھا تو کہنے لگا تم نے تو میرے کنوئیں کا ستیاناس کر دیا۔ اب باقی نصف بھی تم لے لو۔ حضرت عثمان نے اُسے بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بڑھانے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ہماری مسجد کون بڑھائے گا؟ اُسوقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ فیصلوں کے برابر جگہ خریدی اور اسے مسجد میں اضافہ کیا[۱]۔ اسی طرح آپ اکثر معرکوں میں حضور کے ساتھ شریک رہے اور اللہ کی راہ میں صرف مال ہی خرچ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کی راہ میں اپنا خون بہانے کے لئے بھی آمادہ رہے۔ حضرت عثمان رضؓ کو بدر کی شرکت سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہ تھی لیکن مجبوری تھی، آپ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ سخت بیمار تھیں، ان کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی اور راتوں کو جاگنا پڑتا تھا چنانچہ حضور نے انھیں مدینے میں رہ جانے کی اجازت دی اور اُن سے کہا واپس جاؤ۔ اس لئے حضرت عثمانؓ شرکائے بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ حضرت رقیہ کا انتقال ۲ھ میں عین اُس وقت ہوا جب کہ حضور کو جنگ بدر کی فتح کی خوشخبری سنائی گئی تھی۔

بیعتِ رضوان وغیرہ

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے بہت سے معاملات میں حضرت عثمان رضؓ سے مدد لیتے تھے۔ یہ حضور کے کاتبانِ وحی میں سے تھے۔ جس وقت قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّے میں عمرہ ادا کرنے سے روکا تو ۶ھ میں حضرت عثمان رضؓ ہی کو سفیر بنا کر کفار قریش کے پاس بھیجا۔ جب اُن کے قتل

---

[۱] متن میں صرف یہ الفاظ ہیں: فاشتری عثمان رضی اللہ عنہ موضع خمس سواد۔ اور انھیں کا یہ ترجمہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مسجد میں طولاً بیس گز اور عرضاً تیس گز کا اضافہ کیا تھا (تاریخ اسلام حصہ اول)

ہو جانے کی افواہ پھیلی تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیعت مقام حدیبیہ میں ہوئی جو مکہ سے قریب ہی ایک مشہور مقام ہے۔ اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے اپنے ہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل نہیں ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ "اللہ کے رسول کا ہاتھ عثمانؓ کے حق میں خود ان کے ہاتھ سے بہتر تھا"۔ اسی لئے حضرت عثمان رضؓ اہلِ حدیبیہ میں بھی شمار کئے گئے ہیں۔

جیش العسرت کی امداد

سنہ ۹ھ میں جب مسلمانوں نے جنگ تبوک کی تیاریاں کیں تو حضرت عثمان رضؓ نے دین کی ترویج وترقی کے لئے دل کھول کر مال خرچ کیا۔ جیش العسرۃ کے نام سے جو لشکر مشہور ہے اسے تیار کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑا حصّہ لیا۔ آپ نے نوسو اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انتقال فرمانے تک جن چھ صحابہ سے خوش رہے ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل ہیں۔

جانشینی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرمائی تو آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضؓ کو اپنا معتمد اور کاتب بنایا اور ان سے اہم معاملات میں مشورہ لینے لگے۔ اس کے بعد جب حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمر کو خلیفہ منتخب کیا تو حضرت عثمانؓ کو بلاکر حضرت عمر کی جانشینی کی تحریر یہ

لکھوائی۔ پھر جب زخم کھانے کے بعد حضرت عمرؓ کا آخری وقت آیا اور صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ناگزیر ساعت ان کے کسی کو خلیفہ بنانے سے پہلے نہ آ پہنچے۔ اس لئے انھوں نے حضرت عمرؓ سے اصرار کیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تم ان چند لوگوں کے گروہ کو نہ چھوڑنا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے اور ان کی نسبت فرمایا کہ یہ لوگ اہلِ جنت میں سے ہیں وہ لوگ یہ ہیں: علیؓ بن ابی طالب۔ عثمان بن عفان، سعد ابن ابی وقاص، عبد الرحمٰن ابن عوف، زبیر ابن العوام حواری و ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، طلحہ ابن عبید اللہ، عبد اللہ بن عمرؓ بشرطیکہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو۔

حضرت عثمانؓ کے انتخاب کی تفصیل

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد یہ لوگ المسور بن مخرمہ کے گھر جمع ہوئے۔ ان میں صرف حضرت طلحہ موجود نہ تھے۔ لیکن جلد ہی ان حضرات کے درمیان اس معاملہ میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابو طلحہ انصاری نے ان سے کہا۔ مجھے اس کا ڈر ہے کہ تم لوگ خلافت سے دست بردار ہونے کے بجائے اس پر آپس میں مقابلہ پر اُتر آؤ گے۔ اس وقت حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا۔ تم میں سے کون شخص اس بار سے سبک دوش ہونے اور اسے اپنے سے زیادہ فاضل شخص کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ جب انھیں اس بات کا کسی نے جواب نہیں دیا تو حضرت عبد الرحمٰن نے کہا "میں اپنے آپ کو اس بار سے سبکدوش کرتا ہوں"۔ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے۔ اب حضرت عبد الرحمٰن نے صحابہ، امرائے لشکر، اور روسا، سے مشورہ کرنا شروع کیا کہ ان لوگوں میں سے کس کو خلیفہ منتخب کرنا درست ہو گا۔ اس وقت بعض لوگ حضرت علی کا مشورہ دینے لگے اور بعض نے حضرت عثمان کی نسبت رائے دی۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ سے کہا:

اگر خلافت آپ کے لئے نہ ہوئی تو اس کے لئے آپ کس کو پسند کریں گے ؟ اُنھوں نے کہا: "عثمان کو" پھر یہی سوال حضرت عثمانؓ سے کیا: اُنھوں نے جواب دیا: "علیؓ کو" اس طرح خلافت کا استحقاق حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان محدود ہو گیا۔ اور ان دونوں کے حامیوں کے درمیان اختلاف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اتنے میں عمار بن یاسر اُٹھے اور کہا: اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں اختلاف برپا نہ ہو تو علی کے ہاتھ پر بیعت کر لیجیے۔ مقداد ابن الاسود نے کہا: "عمار نے سچ کہا۔ اگر آپ علیؓ سے بیعت کریں گے تو ہم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (بسر وچشم) کہیں گے پھر عبداللہ بن ابی سرح اُٹھے اور کہا: اگر یہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ قریش میں اختلاف نہ ہو تو آپ عثمانؓ سے بیعت کیجیے۔ اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میں نے غور اور مشورہ کر لیا ہے۔ اس لئے اے لوگو تم اپنے لئے مواخذہ کی کوئی صورت ہرگز نہ پیدا ہونے دو۔ یہ کہہ کر حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے کہا: آپ کو اللہ کے عہد و میثاق پر اور کتاب اللہ پر سنت رسول اور ان کے بعد والے دو خلفاء کی سیرت پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ انھوں نے کہا: امید ہے کہ میں ایسا ہی کروں گا اور اپنے علم و قوت کے اندازہ کے مطابق ان باتوں پر عمل کروں گا۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر ان سے بھی یہی بات کہی جو حضرت علیؓ سے کہی تھی۔ اُنھوں نے کہا "ہاں" اب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ اس طرح حضرت عثمان نے خلافت پائی۔

خطبۂ خلافت

جب بیعت مکمل ہو گئی اور حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے تو اُنھوں نے خطبہ دیا اور اس میں کہا کہ: لوگو! تم ایک عارضی مقام میں ٹھہرے ہوئے ہو اور زندگی کی بقیہ منزلیں طے کر رہے ہو۔ اس لئے جتنے

خیر کے کام کر سکتے ہو انھیں انجام دے کر موت کی طرف بڑھو تم دنیا میں آئے اور یہاں کے صبح و شام دیکھ چکے ہو۔ یاد رکھو فریب دینا دنیا کی سرشت ہے۔ ہشیار رہو کہ زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریبی شیطان تمہیں دھوکہ دے۔ جو لوگ مر گئے ان سے عبرت پکڑو خیر کے کاموں میں لگے رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے غفلت نہیں کرتا۔ کہاں ہیں وہ دنیا والے جنہوں نے دنیا کو پسند کیا، آباد کیا اور اس سے مدتوں فائدہ اٹھایا۔ کیا اس نے انھیں پھینک نہیں دیا۔ اس دنیا کو اسی طرح چھوڑ دو جس طرح اللہ نے اس کی نسبت چاہا ہے۔ اور آخرت کے طلبگار بن جاؤ غور کرو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتا ہے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۤءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا۔ (سورہ کہف ۱۸/۱۴)

(ترجمہ) اور (اے پیغمبر) ان لوگوں سے ایک مثال یہ بھی بیان کر دو کہ دنیا کی زندگی کی مثال پانی کی سی ہے جس کو ہم نے آسمان سے برسایا تو زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی (اس طرح پر کہ پانی کو جذب کر لیا اور خوب پھلی پھولی۔) پھر آخر کار چورا (یعنی بھوسا) یعنی بھوسا ہو کر رہ گئی۔ جسے ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (اے پیغمبر) مال اور اولاد دنیا کی زندگی کے چند روزہ بناؤ سنگھار ہیں اور اعمال نیک (جن کا اثر

دیر تک باقی رہے) تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور توقع (آئندہ) کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں)

حکام کے نام ہدایات

حضرت عثمانؓ نے قائدین فوج، حکام وقت، محصلین زکوٰۃ اور عامۃ المسلمین کو شہر بشہر جو فرامین بھیجے ہیں ان میں انھیں نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی ترغیب دی اور ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور خراج وصول کرنے والوں کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی ہے:

اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ حق ہی قبول فرماتا ہے۔ اپنا حق لو اور دوسروں کا حق دو۔ امانت امانت ہے، اس کی پاسداری ضروری ہے اور تم امانت میں خیانت کرکے پہلے خائن نہ بن جاؤ ورنہ تم اپنے بعد والے خائنوں کے ساتھ بھی شریک گناہ رہو گے۔ وفا کرو وفا۔ کسی یتیم پر ظلم نہ کرو اور اس شخص پر کسی طرح کا ظلم کرو جس کا تمہارے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔ یاد رکھو جو ان کے ساتھ ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے۔

عہد عثمانی کی فتوحات

جو ممالک عہدِ فاروقی میں پوری طرح فتح نہیں ہوئے تھے اسلامی فوجیں عہد عثمانی میں ان پر یلغار کرنے لگیں۔ اسلام کا پرچم لہرایا اور توحید کا جھنڈا بلند ہوا۔ چنانچہ بلادِ آرمینیہ، افریقیہ اور قبرص وغیرہ کی فتح اسی دور دور کی یادگار ہے۔ بلاد فارس میں سے بعض نے سر اُٹھایا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر اپنا اقتدار پھر مضبوطی سے قائم کر لیا۔ طبرستان بھی حضرت عثمان ہی کے

دورِ خلافت میں فتح ہوا آپ نے عبد اللہ بن ابی سرح کو بلاد نوبہ کی طرف لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ جب وہ دنقلہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے بڑا سخت معرکہ ہوا۔ اسی دَور میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کی قیادت عبد اللہ ابن سعد کے سپرد تھی اور رومیوں کی قیادت ان کا بادشاہ قسطنطین ابن ہرقل کر رہا تھا۔ یہ جنگ اسکندریہ قریب بحرِ روم میں ہوئی۔ اس جنگ میں بھی مسلمان فتحیاب ہوئے۔ چونکہ اس معرکہ میں اونچی اونچی بڑی کشتیاں کثرت سے کام میں لائی گئی تھیں اس لئے یہ معرکہ "وقعۃ السواری" کے نام سے مشہور ہوا۔ مشہور ہے کہ اس جنگ میں ایک ہزار کشتیاں استعمال کی گئی تھیں۔ ان میں سے مسلمانوں کے پاس صرف دو سو تھیں۔ اس طرح عہدِ عثمانی میں تمام بحر و بر پر مسلمانوں کا غلبہ مکمل ہو گیا۔

قرآنِ کریم کی ترتیب و تدوین

قرآن کریم جو تمام ممالک میں پڑھا جاتا ہے، اس کی جمع و تدوین کا سہرا حضرت عثمان رضہ ہی کے سر ہے۔ اُنھیں اس کام کی طرف حضرت حذیفہ بن الیمان نے توجہ دلائی تھی جو آذربائیجان کی جنگ میں مسلمانوں کے قائد تھے۔ ان کی یہ بات حضرت عثمان رضہ کے دل میں اُتر گئی۔ اس اہم کام میں تاخیر اور سستی سے جن بُرے نتائج کا اندیشہ ہو سکتا تھا حضرت عثمان رضہ نے ان کی تلافی کے لیے مصحف کی نقلیں کروانے پر فوراً توجہ کی۔ ادھر ام المومنین حضرت حفصہ نے جلد ہی اپنا قرآنِ پاک حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا تاکہ اس کے متعدد نسخے نقل کروا کر مختلف شہروں میں بھیج دیئے جائیں۔ اب اس ضروری کام پر حضرت زید بن ثابت، عبد اللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن الحارث

ابن ہشام مامور ہوئے اور حضرت عثمان نے ان کو یہ ہدایت فرما دی کہ جہاں کہیں اختلاف نظر آئے وہاں قریش کی قرأت لکھدی جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ قرانِ پاک ہر قسم کی ترمیم اور ردوبدل سے محفوظ رہے اسی لئے اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (بے شک ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) (سورۂ حجرات) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سزاوارِ تحسین کارنامہ انجام دے کر مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اگر آپ نے اپنی حکمت اور دوراندیشی سے اس امر کا تدارک نہ کیا ہوتا تو جتنی تبدیل و تحریف دوسری کتب سماوی میں ہوئی ہے قرآن کریم میں اس سے زیادہ ہوتی۔

حضرت عثمانؓ کے فضائل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے خداترس اور پرہیزگار شخص تھے۔ ایک رکعت میں پورا کلام اللہ ختم کرکے ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ ہر سال حج کرتے۔ عہد کے بڑے پابند تھے۔ رازداری کا بڑا پاس رکھتے تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں (ایک بار) رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے بعض رفقاء کو بلاؤ" میں نے عرض کی: حضرت ابوبکرؓ کو؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا: حضرت عمرؓ کو؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کی آپ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ کو؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: حضرت عثمانؓ کو؟ فرمایا: "ہاں"۔ جب وہ آگئے تو آپ نے میری طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ ہٹ جاؤ، میں ہٹ گئی۔ پھر آپ نے ان سے چپکے چپکے کچھ باتیں کہیں اور حضرت عثمان کا رنگ بدلنے لگا۔ اس کے بعد جس دن حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ ہوگیا تو اُن سے پوچھا کہ کیا آپ ان سے نہیں لڑیں گے؟ انھوں نے کہا:

نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا اور میں اس پر قائم رہوں گا۔

حیا و پاس داری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ رات کو جب گھر والے سوتے ہوتے تو یہ کسی کو نہ جگاتے۔ ہاں اگر کسی کو جاگتا پاتے تو اس سے فرما دیتے اور وہ آپ کو وضو کے لئے پانی لا دیتا۔ آپ میں ایک اور ایسی خصلت تھی جس نے آپ کو بارگاہِ رسالت میں دیگر صحابہ سے ممتاز بنا رکھا تھا۔ اور وہ حیا تھی، جس کو محدثین اور سیرت نگار سب نقل کرتے ہیں۔ حضور ارشاد فرماتے تھے: فرشتوں کو بھی حضرت عثمان سے حیا آتی ہے۔ آپ کا دستور تھا کہ کام کاج کا لباس پہنے ہوئے صحابہ کو بے تکلف اپنے پاس بلا لیا کرتے تھے۔ لیکن جس وقت حضرت عثمانؓ کو آنے کی اجازت دیتے تو بڑا پاس و لحاظ کرتے اور فرماتے: ہم ایسے شخص سے کیوں نہ حیا کریں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنے کی اجازت دیتے وقت تکلف برتنے کا سبب یہ بیان فرماتے کہ اگر آپ ایسا نہ کریں تو عثمان آپ کے سامنے شرم کے مارے اپنی حاجت بیان کرنے اور گفتگو کرنے سے شرمائیں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی رائیں حضرت عثمان کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کی خبر ہوئی تو فرمایا: لوگوں نے انھیں قتل کر دیا

خدا کی قسم وہ ان سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والے، ان سب سے زیادہ پرہیز گار اور خدا ترس تھے۔ پھر وہ تو ان دس صحابہ میں سے تھے جنھیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کے یہ اوصاف بیان کئے:

"اللہ تعالیٰ ابوعمر پر رحم فرمائے۔ خدا کی قسم وہ سب سے زیادہ کریم اور نیکوں میں سب سے بہتر تھے۔ شب بیدار اور سحر خیز تھے۔ دوزخ کے ذکر پر بہت روتے تھے۔ ہر نیکی میں آگے اور عطا و بخشش میں سب سے پہلے رہتے۔ بڑے باحیا، باوفا، اور غیور تھے۔ جو ان پر لعنت کرے اس پر قیامت تک لعنت کرنے والوں کی لعنت پڑتی رہے۔"

قد و قامت اور حلیہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک میانہ قد شخص تھے۔ نہ لمبے نہ پست قد، چہرہ حسین، جلد نازک، داڑھی لمبی اور گھنی، رنگ گندمی، بال گھنے، جوڑوں کی ہڈیاں موٹی اور سینہ چوڑا پایا تھا۔ اپنی داڑھی کو زرد رنگا کرتے تھے اور دانتوں کو سونے کے تاروں سے کس رکھا تھا۔

حضرت عثمانؓ جمعہ کے دن نویں ذی الحجہ (یوم الترویہ)[1] سنہ ۳۵ھ کو شہید کئے گئے۔ اس سے پہلے شورش پسندوں نے مدینے میں (۴۹) دن تک آپ کے گھر کا محاصرہ رکھا۔ اس روز یہ لوگ آپ کے گھر میں گھس آئے اور ان میں سے

---

[1] یوم الترویہ۔ آٹھویں ذی الحجہ کیونکہ اس روز منیٰ میں پانی کی قلت ہوتی تھی اور لوگ اس کے بعد سیراب ہوتے تھے۔

ایک نے آپ سے کہا: اے بے وقوف بوڑھے تم کس دین پر ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں ابراہیم کی ملتِ حنیف پر ہوں اور مسلمان ہوں، میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ اس شخص نے کہا: تم نے جھوٹ کہا اور اُن کی بائیں کنپٹی پر وار کرکے اُنھیں قتل کر ڈالا۔ ان کے خون کے قطرے قرآن کریم کی اس آیت پر گرے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ = (عنقریب تمہاری طرف سے اللہ ان سے نمٹ لے گا اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں شہید ہو کر وفات پائی۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ ان کو تربت کو پاکیزہ رکھے اور جنت کو اُن کا ٹھکانا بنائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(سنہ ۱۰ قبل بعثت ــــــ سنہ ۴۰ ھ)

حضرت علی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور آپکی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ عربوں اور عجمیوں میں سب سے پہلے انھیں نے حضور کے ساتھ نماز ادا کی۔ ہر ایک معرکے میں یہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم بردار رہے۔ انھیں نے حضور کو غسل دیا اور قبر میں اتارا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفۂ رسول کے انتخاب کے متعلق جو کچھ ہوتا رہا اس کی مطلق پروا نہیں کی۔

نسب وغیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ ان کی کنیت ابوالحسن تھی۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا جو حضور کے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل حالت اسلام میں وفات پاگئیں،

حضرت علی کی ولادت حضور کی بعثت سے دس سال پہلے ہوئی۔ ان کے باپ ابوطالب بڑے عیال دار تھے۔ جب مکے میں قحط پڑا اور گزارہ مشکل ہوگیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس سے کہا کہ ابوطالب کے بعض بچوں کی کفالت کرکے ان کی معاشی پریشانی کم کی جائے۔ پھر آپ اور حضرت عباس

ابوطالب کے پاس گئے دونوں نے اپنی یہ اعانت پیش کی۔ ابوطالب نے اسے قبول کرلیا۔ اب حضرت عباس نے جعفر کو اور آپ نے علی کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اس طرح حضرت علی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نشوونما پایا اور آپ ہی کی حفاظت و سرپرستی میں پروان چڑھے۔ انھیں آنحضرت کے قرب سے آسودگی حاصل ہوئی اور آپ کی عنایت و شفقت سے بہرہ مند رہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے سب لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ قریب تھے اور آپ انھیں سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

اسلام

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا کہ آپ لوگوں کو جنت کی بشارت دیں۔ ان کی رہبری فرمائیں اور نافرمانی کی صورت میں عذاب سے ڈرائیں تو حضرت علی ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے اس نور الٰہی سے فیض پایا۔ ان کا سینہ اس دعوت کریمہ کی بدولت روشن ہوگیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کا صرف تیرھواں سال تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو اسلام کی دعوت دی اور قوم نے آپ کا ساتھ دینے سے انکار کردیا تو حضرت علی نے نہایت جرأت مندانہ آواز میں کہا :-

"یا رسول اللہ میں حق کی راہ میں آپ کا مددگار بنوں گا"

فضائل خصوصیات

اس طرح حضرت علی پہلے شخص ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائے حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں :" قبل اس کے کہ اس امت کے لوگوں میں سے کوئی اللہ کی عبادت کرے، میں پانچسال تک اس کی عبادت کرتا رہا"

یہ حضور کے ساتھ نماز پڑھنے والے سب سے پہلے شخص ہیں؟[1]

انس بن مالک سے روایت ہے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت پیر کے دن ملی، اور حضرت علی نے منگل کے دن آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

یعقوب بن ابراہیم بن سعدہ نے روایت کی ہے کہ ہم سے یحیٰی بن الاشعث نے اسمٰعیل بن ایاس بن عفیف کندی سے اور انھوں نے اپنے باپ اور دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ۔ انھوں نے کہا:۔ میں سوداگر تھا حج کے لئے گیا ہوا تھا حضرت عباس بن عبد المطلب کے پاس کچھ تجارت کا سامان خریدنے کی غرض سے آیا کیونکہ وہ خود بھی تاجر تھے۔ میں منیٰ میں انکے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب قریب ہی کے خیمے سے نکلے اور سورج کو دیکھنے لگے اور جب زوال ہو گیا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ پھر اسی خیمے سے ایک عورت نکلی اور اسی شخص کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگی اور ان کے بعد ایک لڑکا جو بالغ نظر نہیں آتا تھا اسی خیمہ سے باہر آیا اور ان دونوں کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ میں نے حضرت عباس سے پوچھا:۔ یہ کون ہیں انھوں نے کہا: یہ میرے بھتیجے محمد بن عبد اللہ ہیں:۔ میں نے کہا: یہ عورت کون ہے۔ انھوں نے جواب دیا:۔ ان کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد ہیں، میں نے پوچھا یہ نو عمر کون ہے۔ انھوں نے کہا:۔ یہ علی بن ابی طالب ہیں جو انھیں کے چچیرے بھائی ہیں۔ میں نے کہا: یہ کیا کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا:۔ یہ نماز پڑھ رہے ہیں اور انکا یہ خیال ہے۔ یہ نبی ہیں۔ اور ان کے اس دعوے پر ان کی بیوی اور ان کے چچا زاد بھائی کے سوا کسی نے ان کی پیروی نہیں کی۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ طبع دائرۃ المعارف۔ حیدرآباد دکن ص ۳۳۹ (ادارہ)

عنقریب ان کے لئے قیصر و کسریٰ کے خزانے کھول دیئے جائیں گے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھ درد میں شرکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گھر میں تربیت پائی جس پر عنایت ربانی کا فیضان ہوتا تھا جہاں سے اس مبارک دعوت کی خوشبوئیں پھوٹا کرتی تھیں اور ہدایت محمدی کا نور ضو فگن ہوتا تھا۔ اسی لئے حضرت علی نے پرہیزگاری، خدا ترسی اور تقویٰ کے ماحول میں تربیت حاصل کی اور رنج و راحت فراخی و تنگدستی اور خوشی و غم میں آنحضرتؐ کے شریک رہے جب آپ اسلام کی ترقی اور سرفرازی کو دیکھتے تو خوش ہوتے لیکن جب تبلیغ کی راہ میں قریش کی ایذا رسانی سے حضورؐ کو تکلیف پہنچتی تو رنجیدہ ہوتے۔

ایثار و جانبازی کی بہترین مثال

جب قریش کو اہل یثرب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ کے معاہدے کی خبر ملی اور ان کے درمیان حضورؐ کے قتل کے مشورے ہونے لگے تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر ہجرت کے لئے نکلے۔ اس موقع پر آنحضرت نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ یہ رات آپ کے بستر پر گزاریں۔ حضرت علی نے اس بات کو بدل و جان قبول کیا کہ اپنی جان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کردیں۔ اس طرح انھوں نے اپنے ایثار اور جاں بازی کی بہترین مثال قائم کردی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کے درمیان مواخات

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلامتی سے مدینے پہنچ گئے اور مسلمان لگاتار مدینے کی طرف ہجرت کرنے لگے اس وقت مسلمانوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی۔ پھر آنحضرتؐ نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم فرمایا اور حضرت علی سے ارشاد فرمایا:

"تم دنیا میں بھی میرے بھائی ہو اور آخرت میں بھی" اور اپنے اور ان کے درمیان مواخات قائم کی۔

حضرت فاطمہؓ سے عقد

حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے عزیز تھے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی، جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس سے قبل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی حضرت فاطمہ کا پیام دے چکے تھے مگر آپ نے نرمی کے ساتھ معذرت فرمائی۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت فاطمہ کا پیام آنحضرت کو دیں۔ اس مرحلے کے بعد آپ نے فاطمہؓ سے کہا: "علی تمہارا ذکر کر رہے ہیں" پھر حضرت علی سے فرمایا: "اہلاً و سہلاً" آپ کی یہ بات رضامندی کی علامت تھی۔ عقد ہو گیا اور پانچسو درہم کا مہر بندھا جو تقریباً ساڑھے بارہ اوقیہ کے برابر تھا۔ حضرت فاطمہ کو جہیز میں ایک بنا ہوا پلنگ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک گول تکیہ، پانی رکھنے کا چمڑے کا برتن، ایک مشکیزہ ایک چھلنی ایک رومال اور ایک بڑا پیالہ ملا، بعض خواتین نے پرانے زمانے کی دو چادریں ہدیے میں دی تھیں جن پر چاندی کے حلقے[۱] تھے اور زعفران میں رنگی ہوئی تھیں حضرت علی کا عقد رسول اللہؐ کے مدینے تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد رجب میں ہوا تھا مگر رخصتی ان کے غزوہ بدر سے واپس آنے کے بعد ہوئی۔ اس وقت حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

غزوات میں شرکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرح مکے میں آنحضرتؐ کے

---

[۱] متن (عربی) میں "دملوجات" ہے جس کے معنی ہیں بازوبند یا پہنچی۔ یہاں غالباً وہ حلقے یا کٹوریاں مقصود ہیں جو چادر کے کونے کسنے کے لئے ڈوریوں میں استعمال ہوتے ہیں (ادارہ)

کے فرماں بردار بیٹے کی طرح رہتے تھے اسی طرح مدینے میں آپ کے دست راست بنے رہے ۔ جب بدر میں کفار سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو حضرت علی نے بھی اس میں شرکت کی ۔ اس وقت یہ بیس برس کے تھے اور جوانی و قوت سے بھرپور تھے ، اس معرکے میں رسول اللہ نے جھنڈا انھیں کے سپرد کیا تھا انھوں نے میدان جنگ میں بڑی بہادری دکھائی اختتام جنگ پر صحابہ نے رسول اللہؐ کو تلاش کیا ۔ مگر آپ نہیں ملے ۔ کچھ انتظار کے بعد رفقا ایک دوسرے کو آواز دیکر پوچھنے لگے : کیا تم میں رسول اللہ ہیں ؟ مگر کوئی جواب نہ پایا ۔ اتنے میں آنحضرتؐ آگئے آپ کے ساتھ حضرت علی بھی تھے ۔ صحابہ نے عرض کی : یا رسول اللہ ہم آپ کو کھو بیٹھے تھے ۔ فرمایا :۔ ابو الحسن (علی) کے پیٹ میں درد ہو گیا تھا اس لئے میں ان کے ساتھ پیچھے رہ گیا " اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے کتنی محبت تھی کہ آپ نے محض ان کی خاطر اتنا ایثار فرمایا اور دشمنوں میں جا نکل گھر جانے کے خطرہ پر بھی ان کے ساتھ رہ گئے ۔

حضرت علی تمام غزوات میں شریک رہے جنگ احد اور جنگ خندق میں تو آپ نے شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے آپ ہی ان جنگوں میں علمبردار تھے جان ہتھیلی پر رکھ کر بڑی بے جگری سے لڑے پھر جب خیبر میں جنگ ہو رہی تھی مسلمان یہودیوں سے برسرِ پیکار تھے میدان کارزار خوب گرم تھا مسلمان یہودیوں کے قلعہ کو سر کرنے اور انھیں شکست دینے کی کوشش کر رہے تھے ، اس وقت رسول اللہؐ نے فرمایا :۔ میں اب جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو خدا اور رسول کو بڑا محبوب ہے اور خدا اور رسول اس کو بہت محبوب ہیں ، اس موقع پر مسلمانوں میں باہم خوب مقابلہ ہونے لگا ۔ مگر آپ نے فرمایا :۔ میرے پاس حضرت علی کو لے آؤ ، چنانچہ لوگ انھیں لے آئے حالانکہ ان کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں

آنحضرتؐ نے ان کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن ملا اور پھر جھنڈا ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کے ہاتھ پر فتح دی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ قل تعالوا ندع اَبْنَاءَ نَا وَ اَبْنَاءَ کُمْ وَ نِسَاءَ نَا وَ نِسَاءَ کُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ نازل ہوئی (کہہ دو اے پیغمبر، آؤ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو بلائیں)

رسول اللہ نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور پھر فرمایا:۔ اے اللہ یہ میرے اہل ہیں"۔ حضرت علی نے کفار پر بڑا سخت حملہ کیا اور ان کی کھوپڑیوں پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ اس کی آواز لشکریوں نے بھی سنی۔ دشمن میدان جنگ سے بھاگ اٹھے اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔ جنگ خیبر میں حضرت علی کی شجاعت کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے قلعہ کے دروازے کو اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا جسے بعد میں ستر آدمیوں نے اٹھا کر لگایا۔

یمن میں تبلیغ اسلام

جن اہم اور مشکل امور میں غیر معمولی شجاعت اور دانائی درکار ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے حضرت علی کو منتخب فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت خالد بن الولید کو یمن کی طرف بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت خالد نے چھ ماہ تک وہاں قیام کیا مگر باشندگان یمن نے کوئی بات نہ مانی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو روانہ کیا اور انھیں ہدایت فرمائی خالدؓ کو واپس بھیج دو۔ حضرت علی یمن پہنچے۔ اہل یمن کو آپ کی آمد کی خبر ملی تو سب آپ کے پاس آ کر جمع ہو گئے، آپ فجر کی نماز کے بعد تشریف لائے خدا کی حمد و نعت کے بعد رسول اللہ کا فرمان پڑھ کر سنایا۔ اسی روز سارا ہمدان آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ حضرت علی نے اس کی اطلاع کا خط آنحضرتؐ کو لکھا۔ آپ خط پڑھ کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے۔

پھر سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا، ہمدان پر سلامتی ہو، اس کے بعد یمنی برابر اسلام میں داخل ہوتے رہے رسول اللہ نے ان کے قضیات طے کرنے کے لئے حضرت علی کو فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے عرض کی: میں قضا کی حقیقت سے واقف نہیں۔ آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا:۔

"اے اللہ ان کے قلب کو ہدایت فرما اور ان کی زبان کو درست رکھ"

ثقیف اور ہوازن کا کارنامہ

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک بن عوف اور اس کی مرتد جماعت سے جنگ کے لئے روانہ ہوئے، یہ ہوازن اور ثقیف کے لوگ تھے، ان لوگوں نے مسلمانوں پر نہایت سخت حملہ کیا۔ جس سے مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پھیل گئی۔ مسلمانوں کی کثرت بھی کام نہ آسکی۔ زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان کیلئے تنگ ہوگئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضور نے لوگوں کو آواز دی:۔ لوگو کہاں جاتے ہو۔ میرے پاس آؤ۔ میں ہوں اللہ کا رسول محمد بن عبداللہ"۔ مسلمان یہ آواز سن کر حضور کے پاس جمع ہوگئے اور لڑائی پھر زور شور سے ہونے لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کفار کے علمبردار[۱] کی طرف جھک کر ہاتھ بڑھایا اور اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ ادھر انصار میں سے کسی نے بڑھ کر حملہ کیا اور اس کو ختم کردیا۔ اب مشرکین کی شکست مکمل ہوگئی اور ان کے دلوں میں انتشار پیدا ہوگیا۔ فضل ابزری اور حضرت علی کی غیر معمولی شجاعت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحمند و کامیاب واپس ہوئے۔

---

[۱] متن میں کفار کے علمبردار کے بجائے "صاحب رایت المسلمین" ہے جو غالباً ٹائپ کی غلطی ہے کیونکہ صحیح واقعہ یہی ہے کہ حضرت علی نے مشرکین کے علمبردار پر حملہ کیا تھا۔ (ادارہ)

جنگ تبوک ہونے لگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ اور ان لوگوں پر جن کے آپ کفیل تھے حضرت علی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور ان سے کہا تم میرے واسطے ایسے ہی ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے تھے۔ مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اگر یہاں اس بات کی وضاحت کی جائے کہ آنحضرتؐ کو حضرت علیؓ سے کتنی محبت تھی آپ ان کے لئے کتنا ایثار فرماتے تھے اور آپ نے انھیں کتنا تقرب عطا فرمایا تھا تو بیان بہت طویل ہو جائے گا اس لئے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ خود آپ حضرت علی کے بارے میں فرماتے تھے:۔ علی دنیا اور آخرت میں میرے دوست ہیں: آپ نے اپنی چادر اٹھا کر حضرت علی اور حضرت فاطمہ پر ڈالی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت (اے گھر والو، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کر دے اور تمہیں ہر طرح پاک وصاف رکھے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ تو انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں آکر جمع ہو گئے۔ انھیں کے پیچھے پیچھے مہاجرین بھی یہاں آ گئے۔ اس موقع پر خلافت کے مسئلہ پر دونوں گروہوں میں اختلاف پیدا ہو گیا (اُدھر یہ واقعات ہوتے رہے اِدھر) حضرت علی کی تمام توجہ اس سانحے پر مبذول رہی جو رسول اللہ کے انتقال پر ملال کی صورت میں مسلمانوں پر نازل ہو گیا تھا۔ وہ دن بھر آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں لگے رہے اسکی قطعاً پرواہ نہیں کی کہ حضور کی جانشینی پر سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیا جھگڑا ہو رہا ہے سقیفہ میں حضرت ابو بکر کا انتخاب ہو گیا۔ حضرت علی اپنی بیوی حضرت فاطمہ کی وفات

تک بیعت سے بے تعلق رہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر سے بیعت کی۔ حضرت ابوبکر نے بھی ان کے شروع میں بیعت نہ کرنے پر کوئی خیال نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا۔

دورِ صدیقی وفاروقی میں حضرت علی کا امتیازی اعزاز

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر ایسے شخص سے کیسے محبت نہ کرتے اور اپنا مقرب کیونکر نہ بناتے جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب رکھا اور تقرب سے نوازا۔ پھر حضرت علی جیسا کہ معلوم ہے، بلند مرتبہ اور صائب الرائے صحابہ میں سے تھے حضرت ابوبکر صدیق ان سے اہم معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے

جب حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی تب بھی حضرت علیؓ کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ ان کی شہرت اور بڑھ گئی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں لوگوں کے قضیوں اور مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ ان کا قول تھا:۔ علی ہم میں سب سے اچھے قاضی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مشکل اور اہم امور کے حل کرنے میں حضرت علی سے مدد لیا کرتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ۔ وہ ایسے مشکل مسئلے سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے جس کے حل کرنے میں ابوالحسن (علی) شریک نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ نے ایک زانیہ[1] عورت کے لئے سنگساری کا حکم دیدیا، جس کے بچے کی ولادت کو ابھی چھ ہی مہینے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وحمله وفصاله ثلاثون شهرا (اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے) ساتھ ہی حضرت عمر سے کہا: مجنوں کو اللہ تعالیٰ نے مرفوع القلم قرار دیا ہے

---

[1] یہ زانیہ عورت مجنوں تھی اور مجنوں حدودِ شرعی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں (مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰۔ (ادارہ)

یعنی وہ مکلف نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا:۔ اگر (حضرت) علیؓ اس وقت نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا۔

حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی مسئلہ حل نہ ہوتا تو اس کو حضرت علیؓ کے سپرد کر دیتے تھے اور سائل سے کہہ دیتے کہ مجھے تمہارے لئے اس مسئلہ میں کچھ نہیں ملتا بجز اس کے کہ جو کچھ حضرت علی کہہ دیں درست ہے۔

حضرت عمر کے بعد جانشینی کا مسئلہ

جب حضرت عمرؓ کے خنجر مارا گیا اور صحابہؓ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں آپ بغیر جانشین بنائے دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں تو سب نے آکر آپ سے اس معاملہ پر اصرار کیا:۔ آپ نے چھ صحابہ کا انتخاب فرمایا جن میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی تھے اور وصیت فرما دی کہ خلافت کا مستحق وہی شخص ہوگا جس کا انتخاب عمل میں آئے، آپ کی وفات کے بعد جب صحابہ ایک مقام پر جمع ہوئے تو حضرت عثمان اور حضرت علی میں مقابلہ ہونے لگا یہ سوال چھڑ گیا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں زیادہ مستحق کون ہے؟ کیونکہ اب خلافت تقریباً انھیں دو کے درمیان منحصر ہوگئی تھی۔ اس جماعت میں ان دونوں کا ہمسر کسی کو نہ سمجھا جاتا تھا اگر حضرت علی حضرت عبدالرحمن بن عوف سے یہ نہ کہتے کہ " وہ حضرت ابوبکر و عمر کی سنت پر اسی حد تک چلیں گے جس حد تک ان کا علم ان کی رہبری کرے گا"، تو قریب تھا کہ ان کے حق میں فیصلہ ہو جاتا۔ مگر ان کے اس قول کی وجہ سے حضرت علی کو خلافت ملتے ملتے رہ گئی۔ حالانکہ یہ خاندان بنی ہاشم میں پہلے مسلمان تھے اور اسلام کی نصرت میں اپنے اخلاص اور قربانیوں کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔ پھر رسول اللہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے شوہر تھے۔

یہ امر کہ حضرت علی خود بھی خلافت کی طرف راغب تھے اس واقعے سے ظاہر ہے

کہ جب اصحاب شوریٰ جمع ہوئے تو آپ نے ان سے کہا: "میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ۔ میرے سوا تم میں سے کوئی ایسا تھا جس کے ساتھ خود حضور نے مواخات قائم فرمائی ہو؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں"، آپ نے کہا میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کا بھائی ہوں، میرے سوا جو کوئی ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما

جب خلافت حضرت عثمانؓ کو مل گئی تو حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کا ساتھ دیتے رہے لیکن حضرت عثمان کا میلان ان کے بعض اقربا کی طرف دیکھ کر حضرت علیؓ کی رائے کچھ بدل گئی۔ اسی بنا پر لوگوں میں یہ قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ اب ان کے باہمی تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جس وقت حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا تو بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اس میں حضرت علی کا ہاتھ تھا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان کا بڑا احترام کرتے تھے کیونکہ وہ رسول اللہ کے مقربین میں سب سے زیادہ مقرب تھے اسی لئے جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علی نے اپنے لخت جگر حضرت حسنؓ کو آپ کی طرف سے مدافعت کرنے کے لئے بھیجا۔ پھر ان کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو فرمایا جس نے عثمانؓ کے دین سے بیزاری ظاہر کی وہ خود ایمان سے بیزار ہو گیا، خدا کی قسم میں نے نہ تو ان کے قتل پر کسی طرح کی کوئی معاونت کی اور نہ کسی کو اس کا حکم دیا اور نہ میں اس حرکت سے خوش ہوں۔

بیعت خلافت کی تکمیل

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینے میں حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی اگرچہ

اس وقت صحابہ کی اکثریت دوسرے شہروں میں منتشر تھی اور مدینہ میں صرف چند صحابہ ہی تھے جن کے سردار حضرت طلحہ اور زبیر تھے بعض صحابہ کو آپ کی بیعت میں تردد تھا مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر وغیرہ اسی طرح بعض انصار کا بھی یہی حال تھا جیسے حضرت حسان بن ثابت، مسلمہ بن مخلد اور ابو سعید خدری وغیرہ ۔ کیونکہ ان حضرات کا میلان حضرت عثمان کی طرف تھا۔ بعض صحابہ نے شام کی راہ لی جیسے حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہ ۔ تاہم مدینہ میں بعض صحابہ کو بیعت نہ کرنے، بنی امیہ کی نبیعت سے باز رہنے اور بعض صحابہ کے شام اور بعض کے مکے چلے جانے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اکثریت کے ساتھ مکمل ہو گئی ۔

دارالخلافہ کی منتقلی

جب حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی تو آپ کوفہ منتقل ہو گئے ۔ مگر خلافت ملنے کے بعد بھی خواہشوں سے دوری دنیا سے بے اعتنائی، رضائے الٰہی کے حصول کے لئے آخرت کی طلب وغیرہ جن صفات سے متصف تھے ان میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ آپ نہایت موٹا جھوٹا لباس پہننے لگے ۔ عبداللہ بن ابی الہذیل کہتے ہیں :- میں نے حضرت علی کو دیکھا، ان کے پاس ایک خرجی[۱] تھی۔ ایک موٹی بوسیدہ قمیص پہنے ہوئے تھے ۔ جب اس کی آستین پکڑ کر کھینچتے تو وہ ناخن تک آجاتی اور جب چھوڑ دیتے تو آدھی کہنی تک پہنچ جاتی ۔ ابجر ابن جرموز اپنے باپ سے راوی ہیں کہ انھوں نے کہا: "میں نے حضرت علی کو کوفہ سے روانہ ہوتے وقت دیکھا کہ ان کے بدن پر دو چادریں ہیں۔ ایک کو تہ بند کے طور پر استعمال کر رکھا تھا اور دوسری کو

---

[۱] وعلیہ خرج "،

چادر کی طرح اوڑھے ہوئے تھے۔ تہ بند نصف پنڈلی تک پہنچتا تھا۔ درہ ہاتھ میں لئے کوفے کے بازاروں میں گھوم رہے تھے۔ لوگوں کو خدا سے ڈراتے۔ سچ بولنے، ناپ تول پوری رکھنے اور معاملے میں کھرا رہنے کا حکم دیتے تھے۔

عطیات میں عدل ومساوات

حضرت علی لوگوں میں مساوات قائم رکھتے تھے انھیں یہ پسند نہ تھا کہ بیت المال میں روپیہ ہو اور پھر بھی فقیروں اور محتاجوں پر خرچ نہ کیا جائے۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ کے پاس مال آتا تو آپ اسکو تقسیم ضرور فرما دیتے بیت المال میں جمع کر کے نہ رکھتے تھے البتہ جو مال اسی دن تقسیم سے رہ جاتا اس کو بیت المال میں رکھا جاتا تھا آپ فرمایا کرتے تھے "اے دنیا تو میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے" آپ عطیات اور انعامات کی تقسیم میں عربی وعجمی اور قریب اور دور کا فرق نہیں کرتے تھے۔ فئی یا مال غنیمت میں سے کوئی چیز مخصوص کر کے نہ رکھتے تھے نہ اسے کسی دوست یا رشتہ دار کے لئے خاص طور سے نامزد فرماتے۔ ولایت کے منصب کے لئے دیانت دار اور امین لوگوں کے سوا کسی کی تخصیص نہ تھی۔ کسی کے متعلق خیانت کی کوئی بات سنتے تو اس کو یہ آیت لکھتے تھے "قد جاءتکم موعظة من ربکم۔ اوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءهم ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔

(تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے نصیحت آچکی ہے اس لئے ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو، لوگوں کی چیزوں کو نہ گھٹاؤ اور زمین پر فساد کرتے نہ پھرو)

حکام کو ہدایت

حضرت علی اپنے حکام کو لکھتے تھے کہ ہمارے جو امور تم سے متعلق ہیں ان کی اس وقت تک حفاظت کرو جب تک کوئی ایسا شخص نہ پہنچ جائے جو اس منصب کو تم سے لے لے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرماتے: "اے خدا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کو مخلوق پر

ظلم کرنے اور تیرے حق کو ترک کر دینے کا حکم نہیں دیا ہے۔

فیاضی

حضرت علی کی خلافت کے امتیازات میں سے یہی کافی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت صرف آٹھ سو درہم چھوڑے جو تقسیم سے بچ رہے تھے اور آپ نے ان کو اس لئے رہنے دیا تھا کہ اس سے گھر والوں کے لئے ایک غلام خریدنے کا ارادہ تھا۔

محاسن اخلاق اور شجاعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ پسندیدہ خصائل سے متصف تھے۔ خانوادہ نبوت میں تربیت پائی تھی اس لئے نبوت کے اعلیٰ آداب سے آراستہ اور شریفانہ اخلاق سے پیراستہ تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے لڑکوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی شایان شان جگہ تھی اسی لئے آپ نے مسلمانوں کے بہت سے امور ان کے سپرد کر رکھے تھے حضرت علی بھی ان کاموں کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے اور نہایت خلوص کے ساتھ اسلام کی مدد کرتے تھے۔ اس لئے ان کا مرتبہ اور شہرت بڑھ گئی۔ آپ نے جواں مردی و شجاعت میں بہت نام پایا۔ آپ کی شجاعت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو انھوں اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر حضور کے کپڑے پہنے اور آپ ہی کے بستر پر رات گزاری حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مشرکین اس رات کو رسول اللہ کے قتل کا عزم کر چکے ہیں۔ اسی طرح غزوۂ خیبر میں رسول اللہ کا علمبرداری کے لئے انھیں کو انتخاب فرمانا ان کی شجاعت کی نمایاں دلیل ہے۔

حضرت علی اور بیت المال

حضرت علیؓ مروت اور وفاداری، عہد و پیمان کے احترام و پاسداری اور مسلمانوں کی جان و

مال کی حفاظت کی صفات میں مشہور تھے۔ چنانچہ آپ کے یہی اوصاف اس بیان سے واضح ہوتے ہیں جو امام طبریؒ نے بیت المال کے خازن ابورافع سے نقل کیا ہے۔ ابورافع کہتے ہیں:۔ ایک دن حضرت علیؓ میرے پاس آئے۔ اس وقت میں ان کی لڑکی کا سنگار کر رہا تھا۔ آپ نے صاحبزادی کے جسم پر بیت المال کا موتی دیکھ کر پہچان لیا۔ پوچھا یہ اس کے پاس کہاں سے آئے، بخدا اس کا ہاتھ قلم کرنا میرا فرض ہے جب میں نے انھیں اس پر بہت مصر پایا تو میں نے عرض کیا:۔ اے امیرالمومنین اپنی بھتیجی کو میں نے اس سے آراستہ کر دیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے یہ ان پر کہاں سے قابو پاتی۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔[1]

حضرت عقیل بن ابی طالب کا مطالبہ

الفخری کا بیان ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے جو حضرت علی کے حقیقی بھائی ہیں بیت المال سے کوئی ایسی چیز طلب کی تھی جس پر انھیں حق نہ تھا آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ بھائی اس میں تمہارا جو حق تھا میں نے دے دیا اس کے علاوہ اب تمہارا کوئی حق نہیں۔ ہاں صبر کرو کہ میرا مال اور آجائے میں اس میں سے جو تم اور چاہتے ہو وہ بھی دیدوں گا۔ حضرت عقیل کو یہ جواب ناگوار ہوا اور وہ آپ سے خفا ہو کر حضرت امیر معاویہ کے پاس شام چلے گئے۔ حضرت علی تو خاص اپنی اولاد حسنؓ اور حسینؓ کو بھی حق سے زیادہ دینے کے روادار نہ تھے۔

مسائل دینیہ اور تفسیر وحدیث وغیرہ میں حضرت علی کی اہمیت

لوگ مسائل دینیہ تفسیر قرآن، روایت حدیث مسائل میراث اور مشکل مقدمات میں

---

[1] ابورافع نے یہ موتی اپنی لڑکی کو پہنا رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باز پرس کی تو ابورافع نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ تاریخ اسلام (دار المصنفین اعظم گڑھ) طبع ۱۹۳۹ء ج ۱ ص ۳۷ (ادارہ)

میں حضرت علیؓ کی ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے۔ تم کتاب اللہ کے بارے میں مجھ سے پوچھو۔ خدا کی قسم جو آیت بھی ہو میں اس سے خوب واقف ہوں کہ وہ رات کو اتری ہے یا دن کو۔ پہاڑ پر اتری ہے یا میدان میں۔

فصاحت اور شعر گوئی

حضرت علی فصاحت میں ضرب المثل تھے اسی طرح خلفائے راشدین میں اچھے شاعر تھے۔ سیوطی نے حضرت شعبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بھی شعر کہتے تھے اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ بھی لیکن حضرت علیؓ ان تینوں میں سب سے اچھے شاعر تھے۔

سانحہ شہادت

ادھر تو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اپنے دوستوں کے ہاتھوں سنجیتیوں کا مقابلہ کر رہے تھے جو آپ کی مدد کرنے سے کتراتے تھے اور آپ کے لشکر سے نکل بھاگتے تھے، دوسری طرف امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کے ذریعے مصر پر قابو پا لیا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے لئے خلافت کا بھی دعویٰ کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے اس خطرے کو محسوس کیا اور امیر معاویہ سے لڑنے کے لئے چالیس ہزار جنگجویوں کا لشکر جمع کیا ابھی یہ لشکر کوچ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ عبدالرحمٰن بن ملجم الخارجی نے حضرت علیؓ کو زہریلی تلوار مار کر شہید کر دیا۔ آپ نے ۷، رمضان ۴۰ھ کو وفات پائی آپ کے اس سانحے پر خلفائے راشدین کا دور ختم ہو گیا۔

شہادت کی تفصیلات

اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ تین خارجیوں نے باہم اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت علی، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص تینوں کو ایک ہی دن کے اندر قتل کر دیا جائے تاکہ امت اسلامیہ ان لڑائیوں سے نجات پا سکے جو ان حضرات نے خلافت کے لئے برپا کر رکھی ہیں۔ ان خوارج میں سے ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو شہید کر دیا جس شخص نے

امیر معاویہ کے قتل کا ذمہ لیا تھا وہ انھیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ رہا عمرو بن بکر جس نے عمرو بن العاص کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، یہ مقررہ شب کو تاک میں بیٹھا مگر عمرو بن العاص اپنی بیماری کی تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہیں نکلے اور اپنی طرف سے خارجہ بن حذافہ قاضی مصر کو نماز پڑھانے کے لئے مامور کیا۔ یہ نماز پڑھانے میں مصروف تھے کہ عمرو بن بکر نے انھیں عمرو بن العاص سمجھ کر تلوار سے مار ڈالا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مقتول شخص عمرو بن العاص نہیں ہے تو بولا "میں نے تو عمرو کا ارادہ کیا تھا اللہ نے خارجہ کا"، اس کا یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا۔ اس کے بعد جب اس شخص کو عمرو بن العاص کے سامنے لایا گیا تو رونے لگا۔ لوگوں نے کہا: کیا اس جسارت کے ساتھ موت سے گھبرا کر روتا ہے؟!"۔ اس نے کہا: بخدا نہیں، بلکہ اس کا صدمہ ہے کہ میرے دونوں ساتھی علیؓ اور معاویہ کے قتل میں کامیاب ہوجائیں گے اور میں عمرو بن العاص کے قتل میں کامیاب ہوں گا۔

اسامہ بن زیدؓ

۸ھ تا ۵۵ھ

عہدِ اسلام کے سب سے کمسن قائد

اسلام نے حریت، اخوت اور مساوات کی جو درخشاں مثالیں قائم کی ہیں اور بندہ و آزاد اور کالے و گورے کو جس طرح ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے اس کا ایک ادنےٰ کرشمہ یہ تھا کہ ابتدار اسلام ہی سے موالی یا آزاد کردہ غلام بلند سے بلند مرتبوں پر فائز اور اعلےٰ سے اعلےٰ مناصب پر سرفراز ہوئے۔ انھیں میں اسامہ بن زید بھی تھے جنھیں عمر کے اٹھارہویں سال ہی میں لشکر کی سپہ سالاری تفویض ہوئی۔

زید بن حارثہ اسامہ کے والد زید بن حارثہ احرارِ عرب میں سے تھے ان کا نسب لوی بن کعب تک پہونچتا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی والدہ سُعدی اپنی قوم بنی معن کے یہاں جا رہی تھیں۔ ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ ان پر بنی القین بن جسر کے سواروں نے حملہ کر دیا اور زید کو گرفتار کر کے سوق عکاظ میں لے گئے۔ یہاں انھیں حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد کے لئے چار سو درہم میں خرید لیا۔ اب زید جناب خدیجہ کی خدمت میں رہنے لگے جب انھوں

نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شادی کرلی تو زید کو ان کی خدمت کے لئے دے دیا۔ اس وقت ان کی عمر کا اٹھارہواں برس تھا۔

زید کے والد کو ان کے چھوٹ جانے کا بڑا غم تھا اور یہ کہہ کر انکے لئے رویا کرتے تھے :۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل

أحیٌّ أم أتی دونہ الاجل

(میں زید کے لئے رو رہا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا اسے موت آگئی)

تذکرنیہ الشمس عند طلوعھا

وتعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

(سورج اپنے طلوع ہوتے وقت مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور جب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اس وقت پھر اسے یاد دلا دیتا ہے)

جب قبیلہ کلیب کے لوگوں نے حج کیا تو زید کو دیکھا۔ انھوں نے زید کو پہچان لیا اور زید نے ان کو۔ پھر زید نے ان لوگوں سے کہا: میرے گھر والوں کو مطلع کردو کہ میں

أحن إلی قومی وإن کنت نائیا

بانی قطین البیت عند المشاعر

(میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں، اگرچہ ان سے دور ہوں اسلئے کہ خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب میری سکونت ہے)

زید کے والد بارگاہِ رسالتؐ میں

ان لوگوں نے واپسی کے بعد زید کے والد کو اطلاع دی

اور یہ جس جگہ رہتے تھے اس کا پتہ اور نشان سمجھایا۔ اب وہ مکّے آئے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا۔ وہ مسجد میں ہیں پھر یہ آپؐ کے حضور میں پہنچے اور کہا: اے ابن عبدالمطلب، اے سردار قوم کے بیٹے، آپ اللہ کے حرم والے لوگ ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم اپنے بیٹے کے معاملے میں آپؐ کے پاس آئے ہیں، ہم پر مہربانی فرمایئے اور ان کا زرِ فدیہ قبول کر کے احسان کیجیے جو ہم ابھی ابھی آپکو پیش کیے دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہے کون؟ انھوں نے کہا: زید بن حارثہ؛ فرمایا: اس کے علاوہ تو کوئی بات نہیں؟ اچھا اسے بلا دو اور اسے اس بات کا اختیار دو کہ وہ تمھیں یا مجھے دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔ اگر اس نے تمھیں پسند کیا تو بغیر فدیہ ادا کئے ہوئے وہ تمہارا ہے اور مجھے ترجیح دی تو بخدا میں وہ شخص نہیں ہوں کہ جو آدمی مجھے ترجیح دے اس پر کسی کو ترجیح دوں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ پھر آپؐ نے زید کو بلایا اور کہا: کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور یہ چچا ہیں: اور فرمایا مجھ کو تم جانتے ہو، اور تمہارے لئے میرا ساتھ جیسا رہا ہے اسے دیکھ چکے ہو۔ اب مجھے یا ان دونوں کو جسے چاہو اختیار کر لو۔ حضرت زید نے کہا: میں وہ نہیں کہ آپؐ کے ہوتے ہوئے کسی کو اختیار کر لوں، آپؐ میرے لئے باپ اور چچا کی جگہ ہیں! اس پر لوگوں نے کہا: تمہارا برا ہو زید، کیا تم آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟ انھوں نے کہا: میں نے ان میں کچھ ایسی چیز دیکھی ہے کہ ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو انھیں مقام حجر کے پاس لے گئے اور لوگوں سے

فرمایا: لوگو! گواہ رہو زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا جب زید کے باپ نے یہ بات دیکھی تو ان کا جی خوش ہوگیا اور وہ چلے گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری ملی اور آپؐ اسلام کی جامع اور وسیع تعلیمات کو رائج کرنے لگے جو جنس و قوم کے اختلاف کے باوجود لوگوں میں مساوات قائم کرتی ہے اور ایمان داروں کو بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں رہتا اگر کچھ ہوتا ہے تو وہ صرف حق پرستی میں سبقت کے لحاظ سے ہوتا ہے ورنہ ویسے سب برابر ہی ہوتے ہیں۔

حضرت زید کے مراتب اسامہ کی ولادت

زید سابقین اولین۔ یعنی پہلے پہل اسلام میں داخل ہونے والوں میں سے تھے اس بارے میں یہاں تک مروی ہے کہ سب سے پہلے جو چار اشخاص ایمان لائے ان میں چوتھے زید تھے یہ بدر کے معرکۂ عظیم میں شریک تھے اور کفر پر غلبۂ اسلام کی بشارت مدینے پہنچانے کا کام انھیں کے سپرد ہوا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زید کے ساتھ اپنی محبت و شفقت ظاہر فرمانا چاہی تو انھیں ام ایمن کے ساتھ بیاہ دیا جو آپؐ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ انھیں سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ آپؐ نے اس سے بھی زیادہ خصوصیت زید کے ساتھ یہ برتی کہ ان کی شادی اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش سے کر دی، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس سریہ میں بھی زید کو بھیجا انھیں اس کا امیر یا سپہ سالار ضرور بنایا۔ اگر وہ زندہ رہتے تو انھیں اپنے بعد اپنا جانشین ضرور مقرر فرماتے۔" الزہری راوی ہیں کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض سفروں کے موقع پر زید کو اپنا جانشین بنایا۔ اگر ان حالات میں زید جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے تھے۔ اپنے آقا کی عنایت وشفقت سے سربلند ہوئے اور آپ کا اعتماد حاصل کیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان انھیں زید بن محمدؐ کہنے لگے تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ـــ اُدعوھم لِآبائھم ھو اَقسَطُ عند اللہ (انھیں ان کے اصل باپ کے نام سے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ موزوں ہے) اس کے بعد سے یہ زید بن حارثہ کے نام سے موسوم ہوئے۔

اسامہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں ہی جوان ہوئے۔ ان کے والد زید اور ان کی ماں ام ایمن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موالی میں تھیں اس لیے اسامہ کا دل حضور اکرمؐ کی محبت سے لبریز تھا۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی حضورؐ کے الطاف وعنایات سے سرفراز تھے۔ عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ بن زید مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں اور مجھے امید ہے کہ یہ تمہارے صالحین میں سے ہوں گے۔ اس لئے ان کی نسبت بھلائی کی وصیت کو قبول کرو۔

رومی مہم کیلئے اسامہ کی نامزدگی

جس وقت اسامہ کے والد شہید ہوئے انکی عمر کا پندرھواں سال تھا۔ اس کے بعد یہ اٹھارہ برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے باپ کی یاد کا احترام کرتے ہوئے مناسب تصور فرمایا کہ جھنڈا ان کے سپرد کیا جائے اور انھیں رُومیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا جائے

تاکہ یہ ان سے اپنے باپ کا اور شہدار مسلمین کا انتقام لیں اور ان رومیوں کی گوشمالی کریں جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا مذاق اڑایا، آپ کے قاصدوں پر زیادتی کی اور آپ کے اصحاب کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور انتقال فرمایا۔ اس وقت اسامہ نے مناسب سمجھا کہ اس لشکر کی امارت سے دست بردار ہو جائیں لیکن خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش پوری کرنے کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور انھوں نے اسامہ کو مشارف الشام کی جانب روانہ فرمایا کیونکہ آپ اس طریقے کو ایک جنگی تدبیر اور سیاسی مصلحت تصور فرماتے تھے جس سے دشمنوں کے دلوں میں عربی حکومت کی قوت اور اس کے مرکزی استقلال کا احساس پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس موقع پر عربوں نے کہا: اگر ان لوگوں میں قوت نہ ہوتی تو یہ لشکر ہرگز نہ بھیجتے۔" اس لئے وہ ایسی بہت سی باتوں سے باز رہے جنہیں وہ کرنا چاہتے تھے۔

اسامہ کی امارتِ لشکر پر اعتراض

لیکن بعض صحابہ نے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اسامہ کے امیر لشکر ہونے پر اعتراض کیا کہ ابھی یہ کم عمر ہیں اس کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں حضورؐ کی وفات کے بعد حالات میں اضطراب پیدا ہوا ہے۔" مگر حضرت ابوبکرؓ نے بڑی دور اندیشی سے کہا: جو حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دے چکے ہیں میں اسے روانہ کروں گا۔ اگر مجھے اس بات کا بھی امکان ہو کہ درندے مجھے اٹھا لے جائیں گے تب بھی میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسامہ کا لشکر ضرور بھیجوں گا۔ پھر وہ

بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے اچھلے اور حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا: اے ابن الخطاب تمہاری ماں تم کو روئیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو اسامہ کو حاکم بنائیں اور تم مجھے ان کے معزول کرنے کا حکم دو۔

اس لئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اور ان کے درمیان حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور اس کے دین کی مدد کرنے کے لئے اسامہ کے جھنڈے تلے جلد جلد جمع ہو رہے ہیں اور ان کے لشکر میں شامل ہو رہے ہیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔

اسلامی مساوات کا روح پرور نظارہ

جب یہ لشکر روانہ ہونے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے رخصت کرنے کے لئے پاپیادہ چلے اور اسامہ سوار تھے۔ انھیں دیکھ کر اسامہ نے کہا: اے خلیفۂ رسول اللہ آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں سواری سے اتر پڑوں گا۔" فرمایا۔ بخدا نہ تم اترو نہ میں سوار ہوں گا۔ میں گھڑی بھر کے لئے اپنے قدموں کو اللہ تعالے کی راہ میں غبار آلود کر لوں گا تو میرا کیا بگڑ جائے گا۔ مجاہد کے ہر قدم پر جو وہ بڑھاتا ہے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے اس کے لئے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور اس کی سات سو بدیاں مٹا دی جاتی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر اسامہ کی جتنی تعظیم منظور تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسامہ سے کہا: "تم اگر مناسب سمجھتے ہو کہ مجھے عمر کے ذریعے مدد دو تو انھیں میرے پاس رہنے دو۔" اسامہ نے اجازت دے دی۔ پھر حضرت ابوبکر نے اسامہ کو یہ نصیحتیں کیں: خیانت اور بد عہدی نہ کرنا، مال غنیمت میں بے ایمانی نہ کرنا، کسی کے ہاتھ پاؤں یا ناک کان نہ کاٹنا، کسی پھل دار

درخت کو نہ کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجوروں کے درختوں کو ٹھنڈ نہ بنانا اور نہ انھیں جلانا، بکری، گائے اور اونٹ کو (بے ضرورت) ذبح نہ کرنا۔ تم عنقریب ایسے لوگوں کے پاس سے گزروگے جو صرف اللہ تعالےٰ کی یاد کے لئے عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں۔ جنھوں نے سر کے درمیانی حصے کے بال صاف کر رکھے ہیں اور اس کے آس پاس پٹیاں ایسی ہی چھوڑ دی ہیں۔ تم ان پر تلوار سے حملہ کرو، اب اللہ کا نام لے کر کوچ کرو۔" پھر حضرت اسامہ کو نصیحت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرنا۔"

لڑائی کے آداب کی تلقین

اس طرح مسلمانوں کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے لڑائی کے آداب مقرر فرمائے۔ انھیں کمزوروں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کی، اس بات کی ترغیب دی کہ لوگوں کی جان اور مال کو امان دیں اور ان کے دینی شعائر میں مداخلت نہ کریں۔ اسامہ جیسے ذی شعور اور نوجوان قائد اور پرہیز گار مسلمان میں اس کی صلاحیت تھی کہ کتاب و سنت کی پیش کی ہوئی متفقہ سیاست کو بہترین طریقے پر جاری کریں۔ یہی وہ سیاست تھی جسے اسلام جیسے جامع اور وسیع المشرب دین اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا طور پر ضرب المثل بنا دیا تھا۔ مسلمانوں کے خلفاء اور ان کے نامور قائدین سب اسے عمل میں لانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔۔

کامیاب مراجعت

اسامہ بن زید اس غزوہ میں چالیس دن باہر رہے اس مدت کے بعد کامیاب و فتحمند ہو کر واپس آئے جو

تا کہ مرتدین کی خونریز لڑائیوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مدد دیں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو ان تمام مرحلوں میں کامیابی عطا کی اور اسلام کا غلبہ ودبدبہ پھر پوری طاقت کے ساتھ قائم ہوگیا۔

اسامہ کے وظیفے پر عبداللہ بن عمر کا اعتراض اور اسکا جواب

اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ نے جن لوگوں کا اعزاز واکرام فرمایا تھا انہیں کو حضرت عمرؓ نے بھی عزیز رکھا۔ انھوں نے اسامہ بن زید کے لئے پانچ ہزار درہم اور اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے دو ہزار درہم مقرر کئے۔ اس بات پر عبداللہ بن عمر نے کہا: آپ نے مجھ پر اسامہ کو ترجیح دی حالانکہ میں اتنے غزوات میں شریک ہوا ہوں جتنوں میں وہ نہیں ہوئے: حضرت عمر نے جواب دیا: اسامہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، کو تم سے زیادہ عزیز تھے اور ان کے باپ سے رسول اللہ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبت تھی؛ پھر جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی شہادت پائی تو اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی نہ ان کی کسی لڑائی میں شریک ہوئے۔ جب حضرت علیؓ نے ملامت کی تو کہا: اگر آپ اژدھے کے منہ میں ہاتھ ڈالتے تو میں بھی ضرور آپ کے ساتھ اس کے منہ میں ہاتھ ڈال دیتا لیکن جب میں نے ایک شخص کو جس نے گواہی دی تھی کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ قتل کر دیا تھا اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو کچھ

فرمایا تھا آپ سن ہی چکے ہیں [1]

وفات

اسامہ نے حضرت معاویہ کے آخری عہد یعنی ۵۸ھ میں اور بقول بعض ۵۹ھ میں وفات پائی - یہ مسلمانوں کے لشکر کے پہلے قائد تھے جو اتنی کم عمری میں اس منصب پر فائز ہوئے۔

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو حرقہ کیطرف بھیجا تھا۔ یہاں دشمن سے مقابلہ ہوا اور وہ ہزیمت کھا کر بھاگے اس موقع پر اسامہ اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا جب وہ زد میں آ گیا تو "لا الہ الا اللہ" پکار اٹھا اسکے بعد اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا مگر اسامہ نے نیزوں سے کام لیکر اسکا کام تمام کر دیا واپسی کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا "اسامہ تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا" - انھوں نے عرض کی "اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا" - آپ نے یہ عذر نا قابل قبول تصور فرمایا اور اس کے باوجود اس جملہ کو دہراتے رہے (بخاری ج ۲ کتاب المغازی - باب بعثت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، حالات اسامہ بن زید)

عمار بن یاسرؓ

۵۷ ق ھ — ۳۷ ھ

یہ عالی مرتبہ صحابی اور صہیب بن سنان ایک ہی وقت میں اسلام لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جن ضعیف لوگوں کو قریش نے ستایا اور طرح طرح کے دکھ دیئے انھیں میں یہ بھی شامل ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمار بن یاسر بن عامر بن کنانہ بن قیس المذحجی۔ یہ یمن کے قحطانی عربوں میں بنی عنس سے تعلق رکھتے ہیں۔

ولادت عمار کے والد یاسر اپنے دونوں بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ آئے تھے۔ حارث اور مالک یمن کو لوٹ گئے اور یاسر مکے میں رہ گئے اور ابوحذیفہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے محالفت کر کے ان کی ایک کنیز سے شادی کر لی جو سُمیّہ کے نام سے مشہور تھی۔ اسی بیوی سے عمار پیدا ہوئے۔ اس طرح عمار بنی مخزوم کے حلیف ہیں۔

محالفت حلیف، پناہ لینے والے "جار" اور آزاد کئے ہوئے لوگ موالی میں داخل ہیں۔ جب کوئی شخص کسی جرم کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے قبیلے سے ہٹا دیا جاتا ہے تو وہ دوسرے قبیلے میں

جانتا تھا اس طرح اس کے حقوق قائم ہو جاتے اور خود اس پر چند فرائض عائد ہوتے جن میں سے بعض یہ ہیں؛ کہ پناہ دینے والا پناہ میں آنے والے کی حمایت کرے اور قبیلے میں اس کے رہنے کی جگہ کا پاس رکھے۔ حلیف کے لئے بھی وہی طریقہ جاری تھا جو پناہ لینے والے کے لئے معمول تھا۔ عمار بنی مخزوم سے موالات کی بدولت ان کے حلیف ہو گئے تھے۔ ان کا یہ طریقہ ایسا ہی تھا جیسا کہ فارس کے بہت سے خاندانوں نے اختیار کیا تھا جنہوں نے بلادِ فارس کے عربی اقتدار میں آنے کے بعد اپنے تعلقات عرب خاندانوں سے اس لئے استوار کر لئے تھے کہ عربوں کی حمایت حاصل ہو اور ان کے شرف اور مرتبے سے نفع پہنچے۔

اسلام اسلام ظاہر ہوا تو عمار بن یاسر سابقین اولین کی صف میں آ گئے۔ انھوں نے اور صہیب بن سنان نے ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔ عمار کہتے ہیں: میں دارالارقم کے دروازے پر صہیب بن سنان سے ملا اس وقت حضورِ اکرمؐ اس گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا: تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: اور تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں اور انکی باتیں سنوں۔ صہیب نے کہا: میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ پھر ہم دونوں حضورؐ اکرم کے پاس اندر گئے۔ آپؐ نے ہم پر اسلام پیش فرمایا اور ہم اسلام لے آئے

ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا وہ سات ہیں: رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، بلال، خباب (بن الارت) صہیب، عمار، اور ان کی والدہ سمیّہ؛

اسلام کی راہ میں ایذائیں

عمار ان ضعفائے اسلام میں سے ہیں جن سے مشرکین نے تمسخر کیا، انکی عبادتوں کا مذاق اڑایا اور جنہیں اللہ کی راہ میں دکھ دیئے گئے۔ مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب ریت خوب تپنے لگتی اس وقت عمار بن یاسر، ان کے باپ اور ماں کو نکال کر مقام البطح پر لاتے جو مکے اور منی کے درمیان ایک ہموار زمین کا نام ہے اور یہاں کی شدید گرمی سے انھیں عذاب میں مبتلا کرتے۔ ایسے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کی طرف سے ہوتا تو فرماتے: "اے آلِ یاسر صبر کرو، تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔"

ابو جہل کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی صاحب مرتبہ شخص کے اسلام لانے کا حال سنتا تو اسے ڈانٹتا اور کہتا: "تم نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا حالانکہ تمہارا باپ تم سے بہتر ہے۔" میں تمہاری رائے کو احمقانہ ثابت کر دکھاؤں گا اور تمہارے شرف کو خاک میں ملادوں گا۔" اگر یہ مسلمان کوئی تاجر ہوتا تو کہتا۔ "میں تمہاری تجارت کو بٹہ لگادوں گا اور مال و دولت کو تباہ کر دوں گا۔" اگر کوئی ضعیف شخص ہوتا تو ابو جہل اسکو مارتا۔

اس کے بعد مشرکین عمار کو سزا دینے میں مبالغہ کرنے لگے کبھی سیاہ پتھریلی زمین پر لٹاتے، کبھی ان کے سینے پر پتھر کی بڑی سل رکھ دیتے اور کبھی پانی میں ڈبوتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مشرکین مسلمان کو عذاب دیتے، اسے مارتے اور پیاسا رکھتے، یہاں تک کہ وہ سزا کی شدت سے سیدھا نہ بیٹھ سکتا، پھر اس سے کہتے "اللہ نہیں، لات و عزیٰ تیرے معبود ہیں وہ (مجبوراً) "ہاں" کہہ دیتا۔ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمار بن یاسر کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہے تھے

آپؐ نے ان سے کہا، تمہارا کیا حال ہے؟ کیا کفار نے تمہیں پکڑ کر پانی میں غوطے دیئے ہیں۔ اور تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اگر وہ پھر ایسا کریں تو جیسا پہلے تم کہہ چکے ہو کہہ دینا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر عمار اور انکے والدین کے لئے رقت طاری ہو جاتی تھی۔ جس وقت انہیں عذاب دیا جا رہا ہوتا اور آپؐ ان کی طرف سے گزرتے تو ان پر رحم کھاتے، ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے اور انھیں جنت کی بشارت دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ آلِ یاسر کو بخش دے اور تو بخش ہی چکا ہے"۔

والد اور والدہ کی شہادت

یاسر اس عذاب کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور انتقال کر گئے۔ ان کی بیوی سمیہ سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ ابو جہل کو سخت سست کہہ بیٹھیں۔ اسنے انھیں نیزہ مار دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئیں۔ یہ اسلام میں شہید ہونے والی پہلی عورت تھیں۔ اس طرح اسلام کی نصرت اور عرب میں اسلام کی سربلندی کے لئے جیسے اور مسلمانوں نے طرح طرح کے عذاب اٹھائے آلِ یاسر کو بھی ان کا سامنا کرنا پڑا۔

حبشہ کیطرف ہجرت کا حکم مسجد قبا کی تعمیر

جب مسلمانوں کے حق میں مشرکین کی ایذا رسانی نے بہت شدت اختیار کر لی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں عمار بن یاسر بھی تھے۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود مدینے کیطرف ہجرت فرمائی تو عمار بن یاسر نے آپ سے سبقت کی اور راستے میں مسجد قبا

بنائی۔ ایک روایت میں ہے کہ عمار نے کہا: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمارا ایک مکان بنانا ضروری ہے تاکہ دوپہر کو آرام کے وقت آپؐ کو اس میں سایہ مل سکے اور آپؐ اس میں نماز پڑھیں۔ چنانچہ عمار نے پتھر جمع کئے اور اسلام میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد بنائی جس کا نام مسجد قباؓ ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں شرکت

اسی طرح عمار نے مدینے میں مسجد نبوی کی تعمیر میں شرکت کی۔ اس وقت ہر مسلمان ایک ایک اینٹ لا کر دیتا تھا اور عمار دو دو اینٹیں لاتے تھے۔ عمار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ، ان لوگوں نے مجھے مار ڈالا۔ یہ مجھ پر اتنا بوجھ لاد رہے ہیں جتنا خود نہیں اٹھاتے"۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ اس موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمار کے بال اپنے دستِ مبارک سے صاف کر رہے تھے، ان کے بال گھنگھریالے تھے، اور یہ فرماتے جاتے تھے: افسوس ابن سمیہ یہ لوگ تجھے نہیں ماریں گے۔ تجھے تو باغی جماعت قتل کرے گی"۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

ؔ یہ مسجد خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کرائی تھی۔ قبا میں کلثوم بن الہدم کی ایک افتادہ زمین تھی یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور مزدوروں کے ساتھ خود بھی کام میں شریک رہے (سیرۃ النبیؐ ج ا ص ۱۶۶ طبع چہارم) (ادارہ)

اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو آپؐ نے قبا کے چودہ دن کے قیام میں تعمیر فرمائی۔ (تاریخ اسلام حصہ اول ص ۳۰)

لا یستوی من یعمر المساجدا ... یدأب فیھا قائما وقاعدا

ومن یری عن الغبار حائدا

(ایسا شخص جو مسجد تعمیر کرتا ہے، کھڑے بیٹھے اس مشقت میں لگا رہتا ہے اور وہ شخص جو گرد وغبار سے الگ کھڑا ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے)

عمار بن یاسر بھی اینٹیں اٹھاتے جاتے اور اسی رجز کو پڑھتے جاتے مسجد بناتے وقت عمار یہ بھی گنگناتے تھے۔ نحن المسلمون نبتنی المساجد (ہم مسلمان مسجدیں بناتے ہیں) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے رجز کے بعض حصے دہراویا کرتے اور فرماتے: "المساجد"۔ اسی طرح عمار مدینے کے گرد خندق کھودنے میں بھی شریک تھے اور اس موقع پر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جسم سے مٹی صاف کر رہے تھے۔

عمار بن یاسر ان مہاجرین اولین میں سے ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار اور مال ودولت کو چھوڑ دیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین کے دل سے ہجرت کی شدید تکلیفات کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ان میں اور انصار میں مواخات یا بھائی چارہ قائم فرما دیا۔ اس سلسلے میں عمار بن یاسر حلیف بنی مخزوم کا بھائی چارہ حذیفہ بن الیمان سے کیا۔ جو بنی عبدالاشہل کے حلیف بنی عبس کے بھائی تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر اور ثابت بن قیس بن الشماس کے درمیان مواخات قائم فرمائی جو خطیب رسول بلحرث الخزرجی کے بھائی تھے۔

غزوات وسرّیات میں شرکت

عمار بن یاسر غزوات اور سریات میں شرکت کر چکے تھے اور انھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام معرکوں میں حاضری کا موقع ملا۔ ایک روایت میں

میں ہے کہ یہ بدر، احد اور خندق میں شریک ہوئے اور بیعت الرضوان میں بھی موجود تھے جس میں مسلمانوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی جو مکے سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ بیعت اس خبر کے مشہور ہونے پر کی گئی تھی کہ قریش نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے سورۃ الفتح میں اسی بیعت کی تعریف فرمائی ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبہم، فانزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحا قریباً ومغانم کثیرۃً یاخذونہا وکان اللہ عزیزاً حکیماً:

(اے پیغمبر) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر ضرور) ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان (قلب) عنایت کیا۔ اور (اس کے) بدلے میں انکو سردست (خیبر کی) فتح دی اور (فتح کے علاوہ) بہت سی غنیمتیں جن پر ان لوگوں نے جا قبضہ کیا اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے)

غزوہ ذات الرقاع کا ایک واقعہ

غزوہ ذات الرقاع میں بھی عمار کا بڑا حصہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سنہ ۴ھ میں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ جب اس غزوہ سے واپس ہونے لگے تو ایک مسلمان نے مشرکین میں سے کسی شخص کی عورت کو کنیز بنا لیا۔ آپؐ کے واپس ہونے کے بعد اس کا شوہر جو پہلے موجود نہ تھا آیا۔ اس واقعہ کا علم ہونے پر اس نے قسم کھائی کہ جب تک محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے

کسی کا خون نہ بہالے واپس نہ ہوگا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا۔ آپؐ اس موقع پر ایک جگہ مقیم ہوئے اور فرمایا: آج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا؟ پھر آپؐ نے ایک شخص کو مہاجرین میں سے طلب فرمایا۔ یہ عمار بن یاسر تھے اور ایک شخص کو انصار میں سے بلایا یہ عباد بن بشر تھے۔ ان دونوں نے کہا: "یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں"۔ آپ نے فرمایا تم دونوں غار کے دہانے پر رہو"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے وادی کے ایک غار میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ جب عمار اور عباد غار کے دہانے پر گئے تو عبادہ نے عمار سے کہا: تم میری پاسبانی رات کے کس حصے میں پسند کرتے ہو، اول شب میں یا آخر شب میں؟ عمار نے کہا "رات کے ابتدائی حصے میں"۔ چنانچہ عمار لیٹ کر سو گئے اور عباد کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ وہ شخص (عورت کا شوہر) آیا اور اس نے عباد کے تیر مارا۔ جب عمار نے عباد کے جسم سے خون بہتا دیکھا تو کہا: سبحان اللہ، تم نے اسکے پہلے ہی تیر پر مجھے کیوں نہ جگا دیا؟ عباد نے کہا: میں ایک سورت پڑھنے میں مشغول تھا میں نے نہ چاہا کہ اسے ختم کرنے سے پہلے موقوف کر دوں۔ جب اس نے مجھ پر کئی تیر مارے تو میں نے رکوع کیا اور تمہیں آگاہ کر دیا[1]۔ خدا کی قسم، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے زینؑ کے جس لشتے کی حفاظت کا حکم دیا تھا اگر مجھے اسکے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو سورت کو ختم کرنے سے پہلے میری زندگی کا رشتہ

---

[1] اس شخص نے عباد کے تین تیر مارے پہلے اور دوسرے تیر پر انھوں نے نماز موقوف نہ کی تیسرا تیر لگنے پر انہوں نے رکوع و سجدہ سے فارغ ہو کر سلام پھیرا اور اپنے مہاجر ساتھی کو جگایا (سیرۃ ابن ہشام جلد دوم بیان غزوہ ذات الرقاع) [2] ثغر اً (ادارہ)

(یعنی خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جاتی نماز موقوف نہ کرتا۔

غزوۂ تبوک میں عمار کی خدمات

عمار بن یاسر ان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے سنہ ۹ھ میں مسلمانوں کو رومیوں سے لڑنے کے لئے بلایا اور لشکر کے ساتھ شام کے راستے پر چلے لیکن منافقین نے مسلمانوں کو رومیوں کی لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مسلمانوں میں دہشت پیدا کرنے کے لئے آپس میں کہا: کیا تم بنو اصفر کے بہادروں کی لڑائی ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے عرب آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں"۔ لہذا ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ کل تم رسیوں میں جکڑے ہوئے نظر آؤ گے"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عمار بن یاسر پر اعتماد تھا آپ نے انھیں حکم دیا کہ مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کی رائے معلوم کریں۔ عمار ان کے پاس گئے اور انھیں ان کی اس رائے سے ہٹایا اس کے بعد وہ اس معاملے میں عمار کی سعی کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت کی۔

چونکہ عمار ایمان کے سچے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص رکھتے تھے اور آپ کی دعوت پر مضبوطی سے قائم تھے، اس کے علاوہ دین کی نصرت میں ان کی خوب آزمائش ہو چکی تھی اس لئے آپ کو ان پر بڑا بھروسہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ خالد بن الولید نے عمار کے ساتھ سختی کی۔ عمار شکایت کے لئے آپ کے پاس چلے۔ خالد بھی گئے تو عمار کو شکایت کرتے ہوئے دیکھ کر ان کی نسبت سخت باتیں کہیں۔ آپ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ عمار رو دیئے اور کہا: یا رسول اللہ کیا آپ

انھیں نہیں دیکھتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا: جس نے عمار سے دشمنی کی اللہ اس سے دشمنی کرے گا، جو عمار سے کینہ رکھے گا اللہ اس سے کینہ رکھے گا، خالد کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نکلا تو مجھے عمار کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ پھر میں عمار سے ملا تو وہ مجھ سے رضامند ہو گئے۔

خلفائے راشدین کا عہد

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں بھی عمار نے بڑے کارنامے انجام دیئے معرکہ یمامہ میں نہایت بہادری سے لڑے۔ بعض صحابہ نے انھیں دیکھا کہ ایک چٹان پر سے چلا کر کہہ رہے ہیں: اے گروہ مسلمین کیا تم جنت سے بھاگ رہے ہو، ادھر آؤ ادھر، میں ہوں عمار بن یاسر، میری طرف آؤ۔" اور یہ بات اور زیادہ تعجب خیز ہے کہ جس وقت وہ مسلمانوں کو پکار پکار کر مسلیمۃ الکذاب اور اس کے حامیوں سے لڑنے پر اکسا رہے تھے ان کا کان کٹ کر سر سے لٹک رہا تھا اور وہ اسی حال میں نہایت شدت کے ساتھ جنگ کر رہے تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عمار کے اخلاص اور ان کی کارگزاری سے واقف تھے آپ نے انھیں کوفہ کا والی بنایا اور اہل کوفہ کو لکھا۔

"میں نے عمار کو تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے اور عبداللہ بن مسعود کو وزیر اور معلم مقرر کیا ہے یہ دونوں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نجیب اصحاب میں سے ہیں اس لئے ان دونوں کی پیروی کرو۔"

لیکن اہل کوفہ نے انھیں تنگ کیا اور حضرت عمرؓ سے انکی شکایت

کر دی - آپ نے انھیں معزول کر دیا - کہتے ہیں آپ نے عمار سے فرمایا: کیا تمہیں ہمارا معزول کرنا بُرا معلوم ہوا؟ انھوں نے جواب دیا: آپ یہ کہہ رہے ہیں تو سچ یہ ہے کہ جب آپ نے مجھے عامل بنایا اس وقت بھی مجھے برا معلوم ہوا اور جب معزول کر دیا تب بھی[1]۔"

عمار ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اوائل عہد میں انھیں عمار پر اعتماد تھا۔ جب اسلامی شہروں کے لوگ حضرت عثمان سے سخت شاکی ہوئے تو انھوں نے صحابہ میں سے چار اشخاص کو مامور کیا کہ وہ اس شکایت کی تحقیقات کریں اس سلسلہ میں محمد بن مسلمہ کو فہ بھیجے گئے، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمر کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر روانہ کیا گیا۔

خلیفہ کے نامزد کئے ہوئے یہ لوگ واپس آگئے۔ صرف عمار نہ آئے جنھیں شورش پسندوں نے مصر میں اپنی طرف ملا لیا۔ اس سے پہلے عباس بن عتبہ بن ابی لہب اور عمار کے درمیان بہتان طرازی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، عمار کو تنبیہ کر چکے تھے۔ اس کے احساس نے بھی حضرت

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس موقعہ پر عمار نے جو جواب دیا وہ یہ ہے: میں نہ تو پہلے اپنے تقرر سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۸۳)

مؤلف کی عربی عبارت حسب ذیل ہے (فقد ساءنی حین استعملتنی وساءنی حین عزلتنی)۔

(ادارہ)

عثمان کے خلاف عمار کے اس رویے میں مدودی[1]۔ مورخین کی ایک روایت ہے کہ عمار حضرت عثمان پر نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ جن صحابہ نے حضرت عثمان کو ایک خط لکھ کر اس میں انھیں ملامت کی تھی ان کے گروہ میں یہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ عمار حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور انھیں نے یہ خط ان کے سامنے پیش کیا اور اس کا ایک حصّہ پڑھ کر سنایا حضرت عثمان نے انھیں سخت سست کہا اور ٹھوکر سے مارا۔ عمار اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے اور کمزور تھے[2]۔

شہادت

جب حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اور امیر معاویہ نے ان کے خون کا مطالبہ کیا تو عمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار ہو گئے اور واقعۂ جمل میں شریک ہونے کے بعد معرکۂ صفین میں بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس موقع پر انھوں نے خوب بہادری دکھائی۔ صحابہ اس موقع پر ان کا اتباع اس طرح کرتے تھے گویا عمار انکے

---

[1] مؤلف نے حضرت عثمان کے عمار کو تنبیہ کرنے کی کوئی تفصیل نہیں لکھی اس لئے صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا۔ سند اول تاریخوں میں یہ روایت نظر سے نہیں گزری۔ شورش پسندوں سے عبداللہ بن سبا ء کی جماعت مراد ہے۔ اس جماعت میں سے عبداللہ بن سودا، خالد بن ملیم، سودان بن حمران، اور کنانہ بن بشر عمار سے مل گئے تھے۔ (ادارہ)

[2] حضرت عثمان کے خود ٹھوکر مارنے کی روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے اس لئے حضرت عثمان نے ان کی فہمائش ضرور کی تھی۔ (تاریخ اسلام حصّہ اوّل ص ۲۵۷) + (ادارہ)

سردار ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ عمار کو اس موقعہ پر اپنی موت کا قرب محسوس ہو چکا تھا، ایسے میں انھوں نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص سے کہا: ہاشم کیا تم جنت سے بھاگتے ہو؟ جنت تلوار کے نیچے ہے" آج، میں اپنے دوستوں سے، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ ہمیں لڑتے لڑتے ہجر کے درہ کوہ تک بھی پسپا کردیں تب بھی میں یہی جانوں گا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ غلط راستے پر ہیں۔ (پھر) عمار نے کہا: مجھے گھونٹ بھر دودھ لادو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "دنیا کی چیزوں میں دودھ کا گھونٹ تیرا آخری مشروب ہوگا" (یہ کہہ کر) انھوں نے دودھ پی لیا اور لڑنے لگے یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر چورانوے سال تھی (ایک روایت سے تیرانوے سال کے تھے اور ایک روایت کے مطابق اکیانوے سال کے) جب ان پر (مہلک) وار ہوا تو انھوں نے کہا: مجھے میرے انہی کپڑوں میں دفن کرنا کیونکہ میں بر سرِ پیکار ہوں (یعنی لڑائی کی حالت میں شہید ہو رہا ہوں)، یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۳۷ھ کا ہے۔ انھیں حضرت علی بن ابی طالب رض نے انھیں کے کپڑوں میں دفن کر دیا اور غسل نہیں دیا۔ اہلِ کوفہ راوی ہیں کہ حضرت علیؓ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی شہید کے بارے میں اہلِ کوفہ کا مذہب یہی ہے کہ اسے غسل دیئے بغیر اسکے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

حضرت عمار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے اور اسلام کے سابقین اولین میں شامل تھے۔ یہ روایت حدیث میں مشہور تھے۔ حضرت علی ابن ابی طالب، ابن عباس، ابو موسیٰ، جابر، ابوامامہ

اور ابو الطفیل وغیرہ صحابہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے ۔ تابعین میں ان کے بیٹے محمد اور عمار، ابن المسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، محمد بن الحنفیہ، ابو وائل اور علقمہ وغیرہ نے حضرت عمار سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : میرے بعد جو لوگ ہیں یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ ان کی پیروی کرو اور عمارؓ کی سیرت سے ہدایت حاصل کرو"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ : رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمار کو جن دو چیزوں میں اختیار دیا گیا انھوں نے ہمیشہ ان میں سے صحیح تر کو اختیار کیا"۔

صہیب بن سنان

۳۴ ق ھ تا ۳۸ ھ

اسلام سے پہلے دنیا کی نگاہیں خاتم الانبیاء والمرسلین (حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم) کے ظہور پر لگی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط امراء و ملوک کو بھیجے تھے وہ تمام (بنی نوع انسان) سے اسلام لانے کے مطالبے پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالےٰ سورہ ص میں فرماتا ہے: ان ھو الا ذکرٌ للعٰلمین وَلتعلمُنّ نبأہ بعد حین۔ (یہ قرآن جو میں تم کو سناتا ہوں، دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے اور بس اور کچھ دنوں پیچھے تم (لوگوں) کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی)

سورہ سبا میں فرماتا ہے: وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیرا (اے پیغمبر، ہم نے تو تم کو تمام (دنیا کے) لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔[1]

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے۔ وَمن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یُقبَل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہو تو خدا کے ہاں اس کا وہ دین ہرگز

---

[1] بشیر۔ (خوشخبری دینے والا)۔ نذیر (ڈرنے والا)

قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں ہوگا)

غیر عرب اشخاص میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کے ساتھ حضرت صہیب کا اسلام لانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عربوں کے دل میں فتوحات اور جہاد کی زندگی سے متعلق کسی بات کے خیال میں آنے سے بہت پہلے بھی اسلام عربی قوم تک محدود نہ تھا۔ اس حقیقت کی تائید قرآنِ کریم کی مذکورہ واضح آیات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہوتی ہے جو آپؐ نے بنی کی حیثیت سے بیان فرمائی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تھا: ان بلالاً اوّلُ ثمار الحبشۃ (بلال حبشہ کا سب سے پہلا پھل ہیں (یعنی حبشیوں میں پہلے مسلمان ہیں)) وانّ صہیباً اوّل ثمار الروم (صہیب روم کا سب سے پہلا پھل ہیں۔ (رومیوں میں پہلے مسلمان ہوئے ہیں))

حسب ونسب وغیرہ

صہیب کے والد سنان بن مالک عرب کے احرار میں سے تھے[۱] ان کا نسب زید مناۃ تک پہونچتا ہے۔ سنان اور ان کے بھائی کسرے فارس کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم تھے جن کے مکانات موصل کے نواح میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھے۔ ان کی ماں قبیلہ بنی مالک بن عمرو بن تمیم سے تھیں۔ مگر خود صہیب بچپن میں رومیوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے تھے اس لئے ان کے ملک میں نشو ونما پایا اور ان کی زبان سیکھی۔ (رومی زبان میں بات کرنے

---

[۱] اس سلسلہ میں ایک روایت میں خالد بن عمرو بن عقیل اور ایک روایت میں طفیل بن عامر بن جندلہ بن سعد ابن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس بن زید مناۃ بن النمر ابن قاصد کے نام آئے ہیں۔

کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ) قریب تھا کہ عربی زبان بھول جائیں۔ انکی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی تھی اور وہ اپنے خیالات صحیح عربی عبارت میں ادا نہیں کر سکتے تھے اسی لئے رومی کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عمیرہ تھا۔ رومیوں نے صہیب نام رکھ دیا۔

مکے میں

اس کے بعد صہیب کے دن پھرے۔ انھیں قبیلۂ کلیب کے ایک شخص نے خرید لیا پھر انھیں مکہ میں بیچ دیا۔ یہاں انھیں عبداللہ بن جدعان التیمی نے خریدا جن کے مکان میں قریش نے حلف الفضول نامی معاہدہ کیا تھا جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے پہلے شرکت فرمائی تھی اس معاہدے میں قریش نے قسم کھائی تھی کہ جو شخص بھی قریش میں سے کسی کے ظلم کی فریاد لے کر مکے آئے گا اس کی دادرسی کرینگے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ صہیب روم سے بھاگے اور مکے میں آکر ابن جدعان سے عہد و پیمان کیا۔

اسلام

پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور آپؐ اسلامی تعلیمات کی اشاعت فرمانے لگے جو قوموں کے درمیان ان کی قومیت مختلف ہونے کے باوجود مساوات قائم رکھتی ہے اور مومنین کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ ان میں امارت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ البتہ حق پرستی میں ایک دوسرے پر ضرور فضیلت رکھتے ہیں۔ صہیب ان لوگوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ اور عمار بن یاسر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ارقم ابن ابی الارقم کے مکان دارالارقم میں اسلام لائے تھے جسے آپؐ نے خفیہ دعوتِ اسلامیہ کا مرکز قرار دیا تھا۔ یہ مکان اب بھی مکۂ معظمہ میں

موجود ہے اور کوہ صفا پر واقع ہے۔ حجاج اور باہر سے آنے والے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

حق کی راہ میں آزمائشیں

مسلمان نماز اور اسلامی تبلیغ کو قریش سے چھپاتے تھے۔ مشرکین جب کبھی انھیں نماز کی حالت میں دیکھ لیتے تو ان سے تمسخر کرتے اور ان کی عبادت کا مذاق اڑاتے تھے اور مسلمانوں کی طرح صہیب کو بھی انہی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ بھی ان کمزور اور غریب لوگوں میں شامل تھے جنھیں اللہ کی راہ میں طرح طرح کے عذاب دیئے گئے لیکن ان حالات میں بھی اسلام کے ساتھ صہیب کی وابستگی اور خلوص میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے اصحاب میں سے ضعیف الحال اور کمزور اشخاص آپ کے آس پاس بیٹھ جاتے جن میں خبّاب، عمار، ابو فکیہہ یسار مولی صفوان ابن امیہ بن محرث، صہیب اور ان ہی جیسے دوسرے لوگ شامل ہوتے۔ اس وقت قریش ان سے تمسخر کرتے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یہ لوگ ہیں ان کے ساتھی! کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہدایت دینے اور حق عطا کرنے کا احسان رکھا ہے؟ محمد جو کچھ لائے ہیں اگر وہ کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہمارے مقابلے میں اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور اللہ ہمیں چھوڑ کر اس بات کو انھیں کے لئے مخصوص نہ کر دیتا۔ اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ ان میں صہیب بھی شامل ہیں۔ ولا تطرد الذین یدعون ربھم

بالغداة والعشی یریدون وجهه ما علیك من حسابهم
من شیٔ وما من حسابك علیهم من شیٔ فتطردهم فتکون
من الظالمین۝ وکذلك فتنا بعضهم ببعض لیقولوا اھٰؤلاء
من اللہ علیهم من بیننا، الیس اللہ باعلم بالشاکرین۝
واذا جاءك الذین یؤمنون بآیاتنا فقل سلامٌ علیکم
کتب ربکم علی نفسه الرحمة، انه من عمل منکم
سوءاً بجهالة ثم تاب من بعدہ واصلح فانه
غفورٌ رحیمٌ۔

(اور اے رسول تم اپنے پاس سے ان لوگوں کو نہ ہٹاؤ جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کیا کرتے ہیں اور اسی کی ذات کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔ نہ کچھ انکا حساب تم پر ہے نہ کچھ تمہارا حساب ان پر۔ پھر تم ان کو ہٹاؤ گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور ہم نے اسی طرح لوگوں میں سے بعض کی بعض کے ساتھ آزمائش کی ہے (یعنی غریبوں کو ایمان دیا ہے اور تونگروں کو اس سے محروم رکھا ہے) تاکہ تونگر کہیں کہ۔ کیا ہم (رئیسوں اور شریفوں) کو چھوڑ کر ان (مفلسوں) پر خدا نے احسان کیا ہے کہ انھیں ہدایت بخشی۔ کیا نہیں ہے خدا شکر گزاروں کو خوب جاننے والا۔ اور جب (اے رسول) تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو ان سے کہو "سلام علیکم" (سلام ہو تم پر) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو فرض کر لیا ہے۔ جو کوئی تم میں سے ناواقفیت میں کوئی گناہ کرے گا اور نیک کام کرے گا تو بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے)

صہیب ایسے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے

جب قریش نے آپؐ کے لئے ہر راستہ روک دیا تھا۔ وہ لوگوں کو آپکی دعوت سے روکتے، مسلمانوں کی تحقیر کرتے اور ان کے ساتھ مضحکہ کرتے تھے۔ صہیب کا شمار ان تھوڑے سے لوگوں میں ہے جو (اس زمانے میں) آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی۔

ہجرت جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی مصیبت کا حال دیکھا تو انھیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ خود دعوتِ اسلامی کے پھیلانے میں جدوجہد فرماتے رہے یہاں تک کہ مکہ میں آپ کی زندگی خطرے سے گھر گئی۔ اس وقت آپ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ جہاں کے لوگ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھانے پر آمادہ تھے۔ ابھی آپ یثرب کو جاتے ہوئے قبا ہی میں مقیم تھے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مکّے کے لوگوں کی امانتیں انھیں واپس کرنے کے بعد آپؐ کی خدمت میں پہنچے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ کے ساتھ صہیب نے بھی مدینے کی جانب ہجرت کی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب صہیب نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا: تم ہمارے پاس فقیر و حقیر کی حیثیت سے آئے، ہمارے یہاں تمہارا مال بہت بڑھ گیا اور جس درجے کو پہنچے پہنچے، اب تم اپنی جان اور مال لے کر نکل جانا چاہتے ہو، بخدا یہ نہ ہوگا! صہیب نے ان سے کہا: کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ اگر میں اپنا مال تمہیں دے ڈالوں تو تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں"۔ اب صہیب نے جواب دیا: تو میں نے اپنا مال تمہارے لئے کر دیا۔" جب وقت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: صہیب نفع میں رہے، صہیب نفع میں رہے" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ (لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ دیتے ہیں) - (سورۃ بقر)

دینی خدمات

غرض صہیب اللہ کے دین میں داخل ہوئے تو ان کا اسلام بہت اچھا رہا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ صحابہ میں شامل ہوئے۔ مسلمانوں میں آپ کی صحبت بہت زیادہ میسر ہوئی اور ان کا مرتبہ آپ کے نزدیک بہت بلند تھا۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے تمام معرکوں میں شریک رہ چکے ہیں تیر اندازی میں یہ بڑے ماہر مسلمانوں میں سے تھے۔ خود صہیب راوی ہیں: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جس غزوہ میں بھی تشریف لے گئے ہیں اس میں میں ضرور حاضر رہا۔ جس سریے میں بھی روانہ ہوا میں آپ کے دائیں یا بائیں جانب ضرور موجود رہا جب کبھی لوگوں کو آگے کی طرف خطرہ محسوس ہوا میں ان کے آگے رہا اور جب پیچھے کی جانب اندیشہ ہوا تو ان کے پیچھے کی طرف ہو لیا۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دشمن کے درمیان کبھی نہیں رکھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جوارِ رحمت میں پہنچنے کے بعد صہیب دعوتِ اسلامی کا کام محبت و سرگرمی سے انجام دیتے رہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ رہے۔ بغوی نے زید بن اسلم کے حوالے سے یہ روایت کی ہے کہ زید کے باپ نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

ساتھ چلا اور مقام عالیہ میں صہیب کے پاس پہونچا۔ جب صہیب نے انھیں دیکھا تو کہا: یا ناس، یا ناس۔ حضرت عمر یہ سنکر بولے: یہ لوگوں کو کیوں پکارتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ تو اپنے غلام یحنس کو پکار رہے ہیں حضرت عمر نے صہیب سے کہا: تم میں بجز تین باتوں کے کوئی بات بری نہیں: تم اپنے آپ کو عربی کہتے ہو حالانکہ تمہاری زبان عجمی[1] ہے۔ اور تم اپنا مال فضول خرچ کرتے ہو۔" صہیب نے جواب دیا: مال میں فضول خرچی کا تو یہ حال ہے کہ میں اسے صرف حق بات پر صرف کرتا ہوں، رہی میری کنیت تو یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔ عربوں کیطرف میری نسبت کی صورت یہ ہے کہ بچپن میں مجھے رومیوں نے غلام بنا لیا تھا اس لئے میں نے ان کی زبان سیکھ لی۔

نماز میں مسلمانوں کی امامت

جب ابولؤلؤ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر خنجر سے حملہ کیا تو حضرت عمر رض نے صہیب کو وصیت کی کہ جب تک مسلمان کسی

---

[1] متن میں اس موقع کے الفاظ یہ ہیں ولسانک اعجمی باسم نبتی۔ یہ عبارت بے ربط ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ان کی کنیت پر بھی اعتراض کیا تھا ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ حضرت عمر نے ان سے کہا: تم نے ابو یحییٰ اپنی کنیت قرار دی جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں حضرت صہیب کے جواب سے بھی یہی بات واضح ہے۔ اسراف پر جو اعتراض کیا تھا مولف نے اسکے جواب کا بھی پورا حصہ نقل نہیں کیا ہے صہیب نے کہا: اسراف کے متعلق میرا اساس عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے (تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے) مسند احمد بن حنبل ج ٦ ص ١١ (مہاجرین ج)

خلیفہ پر متفق نہ ہو جائیں لوگوں کو نماز پڑھا دیا کریں۔ اس موقع پر حضرت عمر نے صحابہ میں سے چھ آدمیوں کو مقرر فرمایا تھا جو اہل شوریٰ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے تقرر کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے درمیان سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ حضرت عمر کے وفات پانے اور حضرت عثمان بن عفان کے خلیفہ ہونے تک صہیب، نماز پڑھاتے رہے تاکہ حضرت عمرؓ کی وصیت پوری ہو جائے۔ اس موقع پر صہیب کا مسلمانوں کی امامت پر فائز ہونا اس مرتبہ کی واضح دلیل ہے جو انھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت عمر کی جناب میں حاصل تھا۔ اس کے علاوہ اس سے صہیب کی دینی قدر و منزلت بھی واضح ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ نماز دین کے اہم ارکان میں سے ہے یہاں تک کہ خود خلیفہ مسلمانوں کی امامت کرتا تھا۔

صہیب ان بلند مرتبہ صحابہ میں سے تھے جنہوں نے مدینے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر رہنا اپنے لئے لازم قرار دے لیا تھا آپ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہ چکے تھے اور روایت حدیث میں مشہور تھے ان سے ان کی اولاد میں مسیب، حمزہ، صالح، صیفی، عباد عثمان، اور محمد نے حدیث روایت کی ہے اور ان کے پوتے زیاد بن صیفی نے بھی ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

وفات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صہیب کی عمر بہت ہو چکی تھی اس لئے انھوں نے سکون و راحت کو ترجیح دی اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد کی سیاسی تحریکوں میں حصہ نہیں لیا۔ اس میں کوئی تعجب کا مقام اس لئے نہیں کہ یہ ہجرت

سے تیرہ برس پہلے اسلام لائے تھے۔ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ صہیبؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۳۸ھ میں وفات پائی اور بقول بعض ۳۹ھ میں۔ اس طرح صہیب کو اسلام کے پچاس برس یا اس سے زیادہ میسر آئے اور اس دین کی اشاعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جو حالات پیش آئے تھے ان سے یہ بھی دوچار رہے اور دولت اسلامیہ کی توسیع کا حال دیکھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۵ قھ تا سنہ ۳۵ھ

چونکہ اہلِ فارس اپنے حکام کے ظلم سے رہائی اور فوجی خدمات سے سبکدوشی کے خواہاں تھے اور انھیں امید تھی کہ وہ عربوں کی بدولت مذہبی آزادی سے بہرہ مند ہو سکیں گے اس لئے انھوں نے عربوں کو خوش آمدید کہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اسلام غیر مسلموں کو جن میں یہودی، عیسائی، زرتشتی، صابئی، بت پرست، آتش پرست، اور سنگ پرست شامل ہیں اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اپنے لئے جو دین چاہیں اختیار کر لیں۔ فارس کے شہروں میں بسنے والوں، خصوصاً صناعوں اور پیشہ وروں نے بھی جنہیں حقارت و ذلت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ دینِ اسلام کا خیر مقدم کیا اس لئے کہ یہ مذہب انھیں دینی حریت سے مستفید ہونے کا موقع دیتا تھا جو دوسروں کے ساتھ حقوق میں ان کے مساوی رہنے کی ضامن تھی۔ ان لوگوں نے اسلام تک پہنچنے کی راہ بھی بہت سیدھی سادھی اور آسان پائی تھی کیوں کہ اہل فارس کو اپنے قدیم مذہب کی بہت سی بنیادی تعلیمیں قرآن کریم میں مل سکتی تھیں اگرچہ ان کی شکل و صورت میں بہت زیادہ اختلاف تھا اس کے علاوہ معاشری پہلو نے اکابر فارس خصوصاً وہاں کے دہقانوں

کے دلوں میں جو بڑے زمیندار تھے قبول اسلام کی بڑی رغبت پیدا کر دی تھی اس لئے کہ زمین اگرچہ عرب فاتحوں کے تسلط کی وجہ سے عربوں کی ملک بن گئی تھی تاہم فاتحین نے اسے ایران کے باشندوں کی زراعت کے لئے چھوڑ دیا تھا اور صرف یہ شرط عائد کی تھی کہ مزارعین اپنی پیداوار میں سے جائداد کا محصول جو خراج کے نام سے موسوم ہے ادا کرتے رہیں۔

سلمان کا وطن اور انکی تربیت وغیرہ

حضرت سلمان اہل فارس میں سے تھے اور اصبہان کے "جی" نامی ایک گاؤں کے باشندے تھے۔ ان کے والد اسی گاؤں کے "دہقان" تھے۔ انھیں حضرت سلمان سے بڑی محبت تھی۔ بیٹے کے ساتھ باپ کی محبت، ایثار اور ان کی نسبت فکر و اندیشہ کا یہ عالم تھا کہ وہ انھیں لڑکیوں کی طرح گھر میں بند رکھتے تھے۔ اس کے باوجود اس ناز و نعمت میں پرورش پائے ہوئے نوجوان نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا اور لہو و لعب کی طرف توجہ کرنے کے بجائے اپنے آباو اجداد کے دین "مجوسیت" کے مطالعے اور تحقیق میں منہمک رہے یہاں تک کہ یہ آتش کدہ کے مجاور بن گئے جس کا کام یہ تھا کہ وہ آگ کو ایک گھڑی کے لئے بھی بجھنے نہ دے۔

حضرت سلمان کے والد کے گھر میں ان کا ایک حجرہ تھا۔ ایک دن انھوں نے سلمان سے کہا: "بیٹا تم دیکھتے ہو، میں کن کاموں میں مشغول ہوں، اسلئے اب تم جائداد کی طرف روانہ ہو جاؤ ورنہ یوں بند ہو کر نہ بیٹھو ورنہ تمہاری فکر مجھے ہر جائداد سے غافل بنا دے گی۔

عیسائیوں سے ملاقات اور دین مسیحی کی رغبت

حضرت سلمان یہاں سے چلے تو عیسائیوں کے

ایک گرجے کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ یہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کی نماز انھیں پسند آئی اور ان سے پوچھا کہ تمہارے دین کا اصل مرکز کہاں ہے ان لوگوں نے کہا : شام میں ہے۔ اس کے بعد یہ ان عیسائیوں کے ساتھ رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ جب ان کے والد کو ان کے انتظار میں دیر ہوئی تو انھوں نے ان کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے۔ سلمان واپس آئے تو باپ نے کہا۔ بیٹا میں نے تمہارے لئے قاصد بھیجے ہیں۔ حضرت سلمان نے جواب دیا : میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو گرجے میں عبادت کر رہے تھے ۔ مجھے ان کا یہ حال دیکھ کر تعجب ہوا اور میں نے جان لیا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے"۔ یہ سنکر حضرت سلمان کے والد کو وسوسوں نے گھیر لیا اور انھیں ڈر ہوا کہ ان کا بیٹا دین کے معاملے میں فتنے میں نہ پڑ جائے اس لئے انھوں نے سلمان کو اپنے گھر میں قید کر لیا۔ لیکن سلمان ایک تدبیر کر کے نکل آئے اور انھیں عیسائیوں کے پاس جا پہنچے اور ان سے فرمائش کی کہ جب عیسائی تاجروں کا قافلہ شام سے آئے اور واپس جانے لگے تو خبر کر دیں۔ جس وقت عیسائیوں نے حضرت سلمان کو اطلاع دی کہ قافلے کے کوچ کا وقت قریب ہے تو انھوں نے اپنے پاؤں کی بیڑی اتار پھینکی اور ان لوگوں کے ساتھ چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ملک شام میں جا پہونچے اور وہاں کے ایک اسقف (یا پادری) سے ملے لیکن اس شخص کے طور طریقے حضرت سلمان کو کچھ پسند نہ آئے کیونکہ وہ خیرات اور زکوٰۃ کی رقوم خود اپنے لئے جمع کرتا جاتا تھا، مسکینوں اور محتاجوں کو نہ دیتا تھا اس طرح اس نے سونے سے بھرے ہوئے سات مٹکے جمع کر لئے تھے جب اس اسقف کا انتقال ہوا تو اس کا جانشین ایک اور شخص ہوا۔ یہ دنیا سے

نفرت اور آخرت سے رغبت رکھتا تھا۔ اللہ نے اس اسقف کی محبت حضرت سلمان کے دل میں ڈال دی اور یہ اس کے ساتھ رہنے لگے۔ جب اسکی وفات کا وقت قریب آیا تو سلمان نے ان سے کہا: "مجھے وصیت کیجئے"۔ اسقف نے موصل کے ایک شخص کا ذکر کیا۔ حضرت سلمان اس کے انتقال کے بعد موصل چلے گئے اور وہاں اس شخص سے ملے۔ یہ بڑا زاہد و عابد شخص تھا۔ سلمان اسکے پاس ٹھہر گئے۔ پھر جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس سے بھی وصیت کے لئے درخواست کی۔ اس نے انھیں عموریہ کے ایک شخص کی رہبری کی۔ یہ اس شخص کے پاس رہے اور اس سے بکریاں اور گائیں لیں اس کی وفات کا زمانہ آیا تو حضرت سلمان نے اس سے بھی کچھ وصیت کرنے کے لئے کہا۔ اس نے سلمان سے کہا: "آج کل میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ہمارے جیسے طریقے پر ہے۔ لیکن اب تمہارے لئے ایک نبی کے آنے کا زمانہ قریب آپہنچا ہے جو سچے دین ابراہیم کے ساتھ ان کے مقام ہجرت میں نخلستان کے اندر مبعوث ہوگا اور اس کے اندر ایسی نشانیاں ہوں گی جو چھپ نہیں سکتیں۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ کھائے گا صدقات نہ کھائے گا۔ اگر تم اس ملک میں جا سکو تو چلے جانا"۔

اس واقعے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شام کے بعض بزرگان دین نے ایک نئے نبی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بُصری ملک شام میں گئے اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ اس موقع پر بحیرا نام کے ایک راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سونے اور بیدار ہونے کے حالات دریافت کرنے کے بعد ان کے اندر نبوت کی علامات دیکھیں اور جو

نشانیاں نصاریٰ کی کتابوں میں پڑھی تھیں آپ کے جسم میں موجود پائیں ہرقل شہنشاہِ روم کو علم نجوم میں بڑا دخل تھا اس نے والی ایلیا کو لکھا تھا کہ "میں نے علم نجوم سے دیکھا ہے کہ نبی آخرالزماں ظاہر ہو گئے ہیں"۔ پھر اس نے اس معاملے میں رائے طلب کی تھی۔

اب حضرت سلمان نے شام کے صحرائے قبیلہ کلب کے ایک قافلے کے ساتھ جزیرۂ عرب کو کوچ کیا۔ وادی القریٰ میں لوگوں نے انھیں ایک یہودی شخص کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہ اس کے پاس رہے یہاں تک کہ انھیں بنی قریظہ کے ایک اور یہودی نے خرید لیا اور انھیں مدینے لے آیا۔ یہاں یہ اسکے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینے آنے کی خبر سنی۔

آمد رسولؐ کی خبر اور حضورؐ سے ملاقات

حضرت سلمان کہتے ہیں "میں کھجور کے ایک درخت پر کام میں مصروف تھا کہ اتنے میں میرے آقا کا چچیرا بھائی آیا اور کہنے لگا۔ "اللہ بنی قیلہ (قبیلہ والدہ اوس و خزرج) کو تباہ کرے میں ابھی ان کی طرف سے گزرا تھا میں نے دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو ان کے پاس مکے سے آیا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے"۔ خدا کی قسم جیسے ہی میں نے آقا کے بھائی کی یہ بات سنی میرے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کی وجہ سے وہ درخت کانپنے لگا۔ قریب تھا کہ میں درخت سے گر پڑتا مگر میں تیزی کے ساتھ اتر پڑا۔ اور میں نے کہا "یہ کیسی خبر ہے"۔ میرے آقا نے مجھے ایک گھونسا مارا اور بولا: "تجھے اس سے کیا کام؟ جا اپنا کام کر"۔ میں کام میں لگ گیا یہاں تک کہ مجھے شام ہو گئی۔ اب میں نے کچھ کھجوریں جمع کر لی تھیں۔

میں انھیں لے کر نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچا جو اس وقت اپنے صحابہ کے ساتھ قبا میں تھے۔ میں نے ان سے کہا:" مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک شخص ہیں اور آپ کے دوستوں میں کچھ لوگ حاجت مند ہیں اس لئے میں نے آپ کو ان کھجوروں کا زیادہ حقدار سمجھا۔ پھر میں نے وہ ان کے سامنے رکھ دیں۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے اپنا ہاتھ روک لیا مگر اپنے دوستوں سے فرمایا:"کھاؤ" ان لوگوں نے کھالیں۔ میں نے دل میں کہا:"یہ بھی ایک نشانی ہے"۔ پھر میں پلٹ آیا۔

مزید نشانیوں کی تصدیق

جب حضور رسالت مآب (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینے آئے تو حضرت سلمان نے کچھ کھجوریں جمع کیں اور انھیں لے کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:" مجھے آپ کی بخشش بڑی محبوب معلوم ہوتی ہے اس لئے میں نے آپ کے لئے انھیں ہدیہ کیا ہے یہ صدقہ نہیں ہیں۔" آپ نے دستِ مبارک بڑھایا انھیں کھایا اور آپ کے صحابہ نے بھی کھایا۔ اب میں نے جی میں کہا:"یہ دو نشانیاں ہیں"۔ اس کے بعد میں لوٹ آیا اور پھر آپ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت آپ ایک جنازے کے ساتھ بقیع الغرقد میں موجود تھے اور صحابہ آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا اور مڑ کر آپ کی پشت پر مہرِ نبوت کو دیکھنے لگا۔ آپ میرے ارادے کو جان گئے اور چادر اتار دی۔ میں نے مہرِ نبوت کو دیکھا اسے بوسہ دیا اور رونے لگا۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ میں نے اپنی پورا حال کہہ سنایا تو آپ کو تعجب ہوا اور آپ نے چاہا کہ میری سرگزشت آپ کے اصحاب بھی سنیں۔

پھر میں اپنے غلام ہونے کی وجہ سے آپؐ کے ساتھ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکتا تھا اس لئے آپ نے مجھ سے فرمایا۔" اے سلمان اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لئے مکاتبت[1] کر لو"۔ میں اس معاملے میں برابر اپنے آقا سے کہتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس شرط پر مکاتبت کر لی کہ میں اس کے لئے کھجور کے چھوٹے چھوٹے تین سو پودے لگاؤں اور چالیس اوقیہ سونا ادا کروں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ "کھجوروں کے پودوں میں اپنے بھائی کی مدد کرو"۔ ان لوگوں نے پانچ پانچ اور دس دس پودے لا کر میری مدد کی یہاں تک کہ پودے میرے پاس جمع ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھ سے

---

[1] فقہائے مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ غلام کی مکاتبت مستحب ہے۔ امام احمد بن حنبل ایک روایت میں کہتے ہیں کہ جب غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا طالب ہو تو یہ واجب ہو جاتی ہے۔ غلام کے لئے اس غرض سے تجارت کرنا جائز ہے کہ وہ مکاتبت کی رقوم بالاقساط ادا کر سکے۔ اس کے آقا کا فرض ہے کہ وہ اسے اس بات کی اجازت دے کہ وہ جہاں چاہے اور جو چاہے شغل کرے اور اگر مکاتب اس رقم کی ادائیگی سے قاصر رہے اور جس مال پر اس کی مکاتبت کا تصفیہ ہوا تھا اس میں سے اس کے پاس باقی ہو تو اس صورت میں حنفیہ اسے آزادی کی رغبت دلانے کے لئے اس کے ادا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ فقہا کتابت کے معاملے میں غلام کی حالت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ غلام کے آزاد کرانے کے جتنے مواقع ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس سے اسلام نے فائدہ نہ اٹھایا ہو اور آزاد کرانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت کیا ہو۔ چنانچہ اسلام نے طریقہ تدبیر مقرر کیا جو یہ ہے کہ آقا اس بات کی وصیت کر دیتا ہے کہ میرا فلاں غلام میرے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

فرمایا۔" ان کے لئے زمین کھود و، اور تم ان میں سے کوئی پودا نہ لگانا یہاں تک کہ میں خود اپنے ہاتھ سے لگاؤں"۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر میرے دوستوں نے میری مدد کی یہاں تک کہ میں فارغ ہوگیا۔ میں آنحضرتؐ کے پاس کھجور کا پودا لے جاتا، وہ اسے لگاتے اور اس پر مٹی برابر کر دیتے اس کے بعد وہ چلے گئے۔ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے انھیں حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا! ان پودوں میں سے ایک بھی نہ مرجھایا۔ اب سونا باقی رہ گیا تھا اس کا بھی یہ ہوا کہ ایک دن آپ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کے دوستوں میں سے ایک شخص ایک انڈے کے برابر سونا لے کر آپ کے پاس آیا جو اسے بعض کانوں سے ملا تھا۔ آپ نے فرمایا"بیچارے سلمان فارسی مکاتب کو بلاؤ" پھر مجھ سے فرمایا" اس کو ادا کرو" (تمہارے ذمے مکاتب کی جو رقم ہے اس میں یہ سونا دیدو)۔ میں نے عرض کی: یارسولؐ اللہ میرے ذمے جو کچھ ہے اس سے کیسے ادا ہوگا"؟

حضرت سلمان کے اسلام کی مزید تفصیل

اس طرح حضرت سلمان فارسی اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ ان کا اسلام بہت اچھا رہا اور یہ عالی مرتبہ صحابیوں میں شامل ہوئے انھوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی۔ یہ وہی غزوہ ہے جس کے اثرات دین کی نصرت اور نشر و تبلیغ میں بہت دوررس تھے۔ یہ غزوہ ان واقعات کے بعد ہوا جن میں یہودیوں نے اپنی منافقت اور وعدہ خلافیوں سے اہلِ مدینہ کے لیے زندگی کی ہر چیز خراب کردی تھی اور ان حالات کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں بطورِ سزا مدینے سے نکال دیا تھا۔ یہودیوں نے اس موقع پر عرب کے تمام قبیلوں کو رسول اللہ علیہ وسلم کے خلاف

اکٹھا کر دیا تھا۔ قریش غزوۂ احد سے انتقام لے کر نکلے تھے اور انھیں یہ خیال ہو چلا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو شکست دی ہے ان کے نزدیک اب اتنی ہی بات باقی تھی کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک حملہ اور کر دیں جو ان کا قصہ تمام کر دے چنانچہ انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ مدینے کے اندر اور باہر سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کا محاصرہ کر لیں۔ قبائل کے تمام گروہ مدینۂ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

خندق کھدوانے کے لئے حضرت سلمان کا مشورہ

جب مشرکین کے اس عزم کی اطلاع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو حضرت سلمان فارسی نے انھیں مدینے کی شمالی سمت میں خندق کھدوانے کا مشورہ دیا۔ مدینے کی دوسری سمتیں پہاڑوں، کھجوروں اور عمارتوں کی بدولت محفوظ تھیں اور دشمنوں کے ان تک پہنچنے میں مانع تھیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کے مطابق خندق کھودنے کا حکم دیا تو مہاجرین اور انصار نے حضرت سلمان کی رائے کو بہت پسند کیا۔ اور مہاجرین نے خوش ہو کر کہا: سلمان ہم میں سے ہیں: انصار نے کہا: سلمان ہم میں سے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سلمان ہمارے اہلِ بیت ہیں"۔

جنگی نقطۂ نظر سے اس مشورے کی اہمیت

عرب اس قسم کے جنگی معاملات اور حربی اعمال سے واقف نہ تھے جن سے حضرت سلمان ظہورِ اسلام سے پہلے بلادِ فارس میں واقف رہ چکے تھے۔ قریش نے جب اس خندق کو دیکھا تو دنگ رہ گئے ان میں سے ایک شخص نے کہا: "بخدا عرب تو ایسی چال نہ چل سکتے تھے"۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو جماعتیں قریش کے ساتھ عہد و پیماں کر چکی تھیں ان کے دلوں پر مدت محاصرہ کے طولانی ہونے کا بہت اثر پڑا۔ اسی طرح یہ جماعتیں جن آرزوؤں اور تمناؤں کو اپنے دل میں پرورش کر رہی تھیں اور جن امیدوں کے سنہرے خواب دیکھ رہی تھیں ان میں ان کے ناکام و نامراد رہنے اور حسرت و یاس کے ساتھ واپس ہونے کا بھی بہت بڑا اثر ہوا اور ان میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا۔ اس خندق کی کھدائی کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قریش نے دوبارہ مدینے پر چڑھائی کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ دوسری طرف اس خندق کے کھدنے اور مشرکین پر فتح پانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے کی حفاظت کی طرف سے اتنا اطمینان ہو گیا کہ آپ نے فرمایا: اب ہم ان سے جنگ کریں گے وہ ہم سے نہیں"۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت سلمان نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا تھا اسلام کی تقویت اور اس کی اشاعت پر اسکا بڑا اثر ہوا۔ اس اثر سے قریش کے اندر مقابلے کی روح کمزور پڑ گئی۔ اور دعوت اسلام کا رخ استقلال و ثبات کی طرف ہو گیا۔ اور لے لے فتح پر فتح حاصل ہوتی رہی۔

حضرت سلمان کا اسلام دنیا میں اشاعت اسلام کی بشارت تھا

ہجرت کے پہلے سال میں حضرت سلمان کا اسلام لانا جزیرۃ العرب سے باہر بھی اسلام کے پھیلنے کی بشارت دے رہا تھا اور یہ صورت اس وقت پیش آئی تھی جب عربوں کو اس جزیرے کے سوا کسی اور مقام کی فتح کا خیال تک نہ تھا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو خوب واضح فرمادیا کہ اسلام کی دعوت صرف عربی قوم تک محدود نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے تمام انسانوں کے لئے اپنے عمومی رسالت کے دعوے کی تائید میں فرمایا۔ "حبشہ کے پہلے پھلوں میں بلال، روم کے پہلے پھلوں میں صہیب اور فارس کے پہلے پھلوں میں سلمان ہیں"۔

حضرت سلمان دین کے اندر فہم و تدبر میں بہت مشہور ہوئے جسے اصطلاح میں تَفَقُّہ فی الدین کہتے ہیں۔ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ انھیں آپؐ کی صحبت اور مسلمانوں سے زیادہ میسر ہوئی اور ان کا مرتبہ بارگاہِ رسالتؐ میں بہت بلند تھا

ابن ظبیان سے روایت ہے: ہم ایک غزوہ میں سلمان فارسی کے ساتھ تھے ایک شخص نے ایک پھل توڑا تھا وہ اُدھر سے گزرا اور لے اپنے ساتھیوں میں بانٹنے لگا۔ سلمان کے پاس آیا تو انھوں نے اسے سخت سست کہا، اس نے بھی سلمان کو اسی طرح جواب دیا وہ انھیں جانتا نہ تھا پھر لوگوں نے اس سے کہا کہ "یہ سلمان ہیں"۔ یہ سنکر وہ پلٹا اور ان سے معذرت کرنے لگا۔ پھر اس شخص نے سلمان سے کہا۔ "اے ابو عبداللہ (سلمان) اہل ذمہ (ذمیوں)، کی طرف سے ہمارے لئے کون کون سی باتیں جائز ہیں؟ انھوں نے کہا: تین باتیں: تم اپنی گمراہی سے ہدایت پانے تک اور افلاس سے اپنی تونگری تک ان کا لحاظ رکھو۔ جب تم ان میں سے کسی دوست کے پاس ہو تو ان کا کھانا کھاؤ وہ تمہارا کھانا کھائے، وہ تمہاری سواری پر سوار ہو اور تم اس کی سواری پر بشرطیکہ تم اسے اس سمت سے نہ پھیرو جدھر کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔

حضرت سلمان کی روایت حدیث

حضرت سلمان نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنا پاک صاف ہو سکتا ہو اتنا پاک صاف ہو کر تیل لگائے یا اپنے گھر کی کوئی خوشبو استعمال کرے اور اس نے دو آدمیوں کے درمیان پھوٹ نہ ڈالی ہو اور جب امام نکلے تو اس کی بات سننے کے لئے کان لگا کر بیٹھے تو ایسے شخص کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعے کے درمیان والے گناہ بخش دیئے جائینگے۔

حضرت سلمان اپنے بچپن کے ابتدائی زمانے میں شرافت وخوشحالی اور نازو نعمت سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان کے حالات میں تغیر وتبدل ہوتا رہا۔ وہ مدینے میں ایک نصرانی غلام ہوئے۔ پھر اسلام لائے اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے "ایران کا پہلا پھل" بنے۔ ان کا اسلام اچھا رہا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت بہت اچھی رہی یہاں تک کہ آپؐ نے انھیں اہلِ بیت میں شمار فرمایا۔ پھر جب ان کی عمر زیادہ ہوئی اور مدائن کی امارت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے عہد میں ان کے کندھے کو بوجھل بنا دیا تو دنیا کی طرف سے ان کی بے رغبتی اور زہد میں اور اضافہ ہو گیا اور یہ نوبت پہنچی کہ وہ بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے اور گدھے پر بغیر پالان کے کمبل ڈال کر سوار ہوتے اور جو کی روٹی کھاتے۔ اور اس میں کوئی تعجب نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنے لباس میں نفاست نہ برتتے تھے۔ ان کے عمال بھی انھیں کے نقش قدم پر چلے اور ممالک کی فتوحات اور اموال میں وسعت کے باوجود اس پر سختی

پر قائم رہے۔

حضرت سلمان بڑی عمر والے لوگوں میں تھے۔ بعض لوگوں نے اس بارے میں یہاں تک کہا ہے کہ وہ ڈھائی سو بلکہ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے۔ یہ قول صداقت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے سال پیدائش کا تعین کوئی آسان بات نہیں۔ اسی طرح مورخین اور اہل سیرت نے ان کے سن وفات میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انکی وفات حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت میں ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اسی طرح ایک روایت کی رو سے ان کی وفات حضرت علی کی خلافت میں ۳۶ھ میں ہوئی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا وفات پانا زیادہ قرین صواب ہے۔

اس طرح حضرت سلمان کی زندگی کا آغاز جیسے غیر واضح حالات میں ہوا تھا ویسے ہی حالات میں اس کا اختتام ہوا۔ مورخین نے سلمان کی زندگی کے اس دور سے متعلق جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد گزرا کچھ زیادہ معلومات بہم نہیں پہونچائیں اگرچہ یہ آپ کے ساتھ زیادہ رہے تھے۔ انکا مرتبہ آپ کی نظر میں بلند تھا، تبلیغ اسلام میں شریک تھے اور دینی فہم و تفقہ اور انتظامی صلاحیت کی صفات سے موصوف تھے اس کے باوجود ان سے مورخین کی بے اعتنائی کا یہ حال ہے۔

حضرت سلمان نے اپنے انتقال کے وقت تین بیٹیاں چھوڑیں ان میں سے ایک اصبہان میں اور دو مصر میں مقیم رہیں ؛

نوٹ :۔ علامہ ابن حجر العسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کی عمر سے متعلق بحث کی ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کی عمر اسّی برس سے زیادہ نہیں ہوئی (ج ۴ ص ۱۳۹) (ادارہ

سعد بن عبادۃ الانصاری سردار بنی الخزرج

سنہ تا سنہ ۱۵ھ

نام و نسب و قبیلہ و کنیت وغیرہ

سعد بن عبادۃ بن ولیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ[1] بن ثعلبہ بن طریف ابن الخزرج بن ساعدہ بن کعب بن الخزرج الانصاری الساعدی، قبیلہ خزرج سے منسوب ہیں جو اصل و نژاد میں جنوب کے عربوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کی کنیت ابو ثابت اور بعض کے قول کے مطابق ابو قیس تھی۔

اہل یثرب پر یہودیوں کے ذہنی خیالات کا اثر

اہل یثرب (مدینہ) میں قبیلۂ اوس و خزرج کے لوگ یہودیوں کے ذہنی تصورات سے مانوس تھے۔ ان میں قیامت کے دن مردوں کے اٹھائے جانے اور ان کا حساب و کتاب کئے جانے اور اس کے بعد جنت و دوزخ وغیرہ سے متعلق جو عقیدے رائج تھے۔ اہل یثرب بھی ان سے متاثر تھے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مفہوم سمجھنے کی صلاحیت ان لوگوں میں مکے کے بت پرستوں سے زیادہ تھی۔ یہودیوں نے جس رسول کے معبوث ہونے کی امید دلائی تھی اور جس کے لئے وہ

---

[1] ایک روایت میں ان کا نسب حارثہ بن حزام بن حزیمہ بھی مذکور ہے۔

کہا کرتے تھے کہ جب وہ آئے گا تو یہودی اس کی مدد کریں گے - اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی بدولت برتری حاصل کر لیں گے اس میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں جس درجہ مشابہت تھی۔ یثرب کے لوگوں نے اس کو جان لیا تھا - اسی لئے عربوں میں سے اہل یثرب نے اس رسول کی تصدیق کرنے میں سبقت کی تاکہ یہودی اس کے اتباع میں ان سے پہل نہ کر جائیں اور پھر عاد و ارم کی طرح انھیں قتل نہ کر ڈالیں -

اوس و خزرج کے قبائل نے محسوس کر لیا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ان کے امن و تحفظ کا سامان موجود ہے - آپ قریش کے معزز ترین گھرانے اور ان کے سرداروں میں سے تھے اس کے علاوہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ تھیں جو بنی خزرج کی ایک شاخ بنی النجار سے نسبت رکھتی تھیں - پھر آپ ایک ایسے برگزیدہ نبی تھے جس پر وحی نازل ہوتی تھی اور وہ آپ کی بدولت یہودیوں پر فضل و شرف میں غالب آسکتے تھے - اسی طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی استعداد موجود تھی کہ ان لوگوں کو اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کر سکیں -

ریاست کے لئے اوس وخزرج کی کشمکش

اوس اور خزرج کے درمیان ریاست کے معاملے میں کشمکش چلی آتی تھی - اسی حریفانہ کشاکش کی وجہ سے ان میں کئی لڑائیاں ہو چکی تھیں - جس وقت یوم بعاث[۱] میں بنی خزرج کو شکست ہوئی - اس زمانے

---

[۱] - یہ وہ آخری لڑائی ہے جو اسلام سے پہلے اوس و خزرج کے درمیان ہوئی تھی اس میں اس زور کا معرکہ ہوا تھا - کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے - (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۶۰) (ادارہ)

میں ان کے اندر اسلام قبول کرنے کی استعداد بہت زیادہ پیدا ہو چکی تھی یہ لوگ کسی ایسے حلیف کی تلاش میں تھے جو ان کے اور بنی اوس کے درمیان اتحاد کرا دے یا حریفوں پر غالب آنے میں ان کی مدد کرے۔ جب خزرج کی ایک جماعت یوم بعاث کے بعد والے موسم میں حج کے لئے مکے روانہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منزل عقبہ[1] کے پاس ان سے ملے۔ ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ پھر جب یہ یثرب واپس ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا اور اس کے نتیجے میں انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا نہ رہتا ہو۔

اہل یثرب کے وفود

نبوت کے بارھویں سال یثرب کے لوگوں میں سے بارہ آدمی مکے آئے اور عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ انھوں نے آپ کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری اور زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کوئی بہتان نہ لگائیں گے۔ اور نیک کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گے۔ پھر نبوت کے تیرہویں سال یثرب کے تہتّر شخص آئے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کر کے اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں گے اور ان کے نبی اور سردار ہونے پر ان سے بیعت کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائش کی کہ وہ اپنے درمیان سے بارہ سردار منتخب کر لیں چنانچہ ان لوگوں نے نو سردار خزرج

---

[1] منیٰ کے قریب مکے کے راستے پر ایک منزل کا نام عقبہ ہے۔

میں سے اور تین اوس میں سے انتخاب کئے۔

سعد بن عبادہ بنی ساعدہ کے سردار اور نقیب تھے۔ ان کا شمار ان نقیبوں میں سے تھا۔ جنھیں خود ان کی قوم نے انتخاب کیا تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ ان کے درمیان بڑی شان اور مرتبے کے مالک تھے۔ ان میں اتنی استعداد تھی کہ اپنی قوم کو دعوت اسلام قبول کرنے رسول کی حمایت کرنے اور ان سے دشمنوں کی ایذا رسانی کو دفع کرنے پر آمادہ کر سکیں

سعد بن عبادہ یثرب کے ان لوگوں میں تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بڑی شدت سے اختیار کئے ہوئے تھے۔ ان کی مدد اور خیر مقدم کرنے میں ان کا درجہ اتنا بڑھا ہوا تھا۔ کہ وہ حریصانہ حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا شرف اپنے گھر کے لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی آرزو میں یہ منذر بن عمرو اور بنی ساعدہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہا: یا رسول اللہ، ہماری طرف آئیے، تعداد، استعداد اور حفاظت کی صلاحیت والے لوگوں میں آیئے!" آپ نے فرمایا "اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ (جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی)۔ لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا اور اونٹنی چلتے چلتے بنی مالک بن النجار کے گھر پہنچی اور بنی النجار کے دو یتیم لڑکوں کے احاطے میں بیٹھ گئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے اترے اور ایوب بن خالد بن زید الانصاری کے گھر قیام فرمایا۔

حضرت سعد کی فراخ دلی و فیاضی اگرچہ سعد بن عبادہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف نہ ملا تاہم وہ لوازم تعظیم و تکریم بجا لانے اور حضور سے اپنی محبت و اخلاص ظاہر

کرنے میں انتہائی شوق سے کام لیتے تھے۔ وہ روزانہ حضور کی خدمت میں ایک بڑا پیالہ ثرید یا گوشت سے بھرا ہوا لے جاتے یا آپ جس مکان میں رونق افروز ہوتے وہاں آپ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ سعد بن عبادہ اور ان کے گھر کے لوگ کرم و سخاوت میں ضرب المثل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کی نسبت فرمایا "یہ سخی گھرانے کا شخص ہے"۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش نے جبل ابو قبیس پر رات کے وقت کسی پکارنے والے کو سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے متعلق پکار کر یہ کہتے ہوئے سنا:

فَاِنْ یُسْلِمِ السَّعْدَانِ یُصْبِحْ مُحَمَّدٌ

بِمَکَّۃَ لَا یَخْشیٰ خِلَافَ مُخَالِفٖ

(اگر دو سعد (سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ) مسلمان ہو جائیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکے میں کسی مخالف کی مخالفت سے اندیشہ نہ رہے گا)

قریش یہ سن کر سمجھے کہ اس سے سعد بن زید مناۃ بن تمیم اور قضاعہ کے سعد ہذیم مراد ہیں۔ مگر دوسری ہی رات کو انھوں نے پھر کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا:

ایا سَعْدُ سَعْدِ الاوس کن انت ناصرًا

و یا سعد سَعْدِ الخزرجین الغطارف

اجیبا اِلیٰ داعِی الھُدیٰ وتمنّیا

علی اللّٰہ فی الفردوس مُنْیَۃَ عارف

(اے بنی اوس کے سعد تم مددگار بن جاؤ اور اے فیاض خزرجیوں کے سعد، تم دونوں ہدایت کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور ایک عارف

کی تمنا کی طرح اللہ سے فردوس کی تمنا کرو)

وَاِنَّ ثَوَابَ اللّٰہِ لِلطَّالِبِ الْھُدٰی

جِنَانٌ مِنَ الْفِرْدَوْسِ ذَاتُ زَخَارِفٍ

(بے شبہ طالب ہدایت کے لئے اللہ کا ثواب فردوس کے آراستہ باغ ہیں) یہ سن کر قریش نے کہا: یہاں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ مراد ہیں۔

سعد بن عبادہ کے دوسرے فضائل

سعد بن عبادہ انصار کے رئیسوں اور سرداروں میں سے تھے۔ اور بنی خزرج کے ایسے سردار تھے۔ جن کی نسبت کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ یہ جنگوں میں انصار کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ جہاد میں ان کی خوب آزمائش ہو چکی تھی۔

ابن الکلبی، المدائنی اور الواقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ لیکن ابن اسحٰق نے شرکائے بدر میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

نازک مواقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ پر جس قدر اعتماد فرماتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت یہودیوں میں سے بنی قریظہ کی نسبت حضور کو خبر پہنچی کہ انھوں نے مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا ہے تو آپ نے بنی خزرج کے سردار سعد بن عبادہ، بنی اوس کے سردار سعد بن معاذ اور عبداللہ بن رواحہ کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا تاکہ یہ لوگ ان کے حالات معلوم کر کے آپ کو آگاہ کریں آپ نے انھیں روانہ کرتے وقت فرمایا: تم وہاں جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کی نسبت جو خبر ہمیں پہنچی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہو تو مجھ سے ایسے اشارہ میں بات کرو جسے میں سمجھتا ہوں اور علانیہ کہہ کر لوگوں (مسلمانوں) میں کمزوری نہ پیدا کرو، اور اگر وہ اس معاہدے کو پورا کر رہے ہوں جو

ہمارے اور ان کے درمیاں ہے تو اسے سب پر ظاہر کرو"۔ جب ان لوگوں نے وہاں پہنچنے کے بعد یہودیوں کی طرف سے غداری دیکھی تو پلٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! اے گروہ مسلمانان تمہیں خوش خبری ہو۔

جب مسلمانوں کے اس خوف میں شدت ہوئی کہ بنی قریظہ قریش اور ان کے حلیفوں سے جا ملیں گے جنہوں نے مدینے کا محاصرہ کر رکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ غطفان کے دو سرداروں سے اس شرط پر گفتگو کی کہ اگر یہ قبیلے محاصرہ سے علیحدہ رہیں تو انھیں مدینے کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دیا جائے گا۔ ان دونوں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کے سردار سعد بن معاذ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ سے اس متفقہ عہد کا ذکر کیا۔ دونوں نے کہا: یارسول اللہ، اگر آپ کو خدا کی طرف سے کوئی حکم ہوا ہے تو ایسا کیجئے اور اگر صورت حال اس کے سوا ہے تو خدا کی قسم ہم انھیں تلوار کے سوا کچھ نہ دینگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کوئی حکم تو نہیں دیا گیا ہے، یہ تو صرف ایک رائے ہے جو میں تم دونوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، ان لوگوں کو زمانۂ جاہلیت میں ہم سے اس بات کا حوصلہ کبھی نہ ہوا۔ اب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی بدولت ہدایت عطا کر چکا ہے۔ وہ ہم سے ایسی طمع کیوں کر کر سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے اس جواب سے خوش ہوئے۔

سعد بن عبادہ اور فتح مکہ میں شرکت

اسی طرح سعد بن عبادہ نے فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا جھنڈا عنایت فرمایا۔ یہ اسے لئے ہوئے ابوسفیان کے پاس سے گزرے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ ان سے کہا: آج معرکے کا دن ہے، آج جو بات (جنگ) حرام تھی حلال ہو جائے گی۔ آج کے دن اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے"۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک لشکر میں سے گزرے تو ابوسفیان نے آپ کو آواز دے کر کہا: یارسول اللہ، کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہے؟ سعد کا خیال ہے کہ وہ ہم سے لڑیں گے۔ اس پر حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: یارسول اللہ ہمیں اس کا اطمینان نہیں ہے کہ سعد کی طرف سے قریش پر حملہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان، آج رحمت کا دن ہے، آج اللہ نے قریش کو عزت بخشی ہے، پھر آپ نے جھنڈا سعد سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا۔ وہ جھنڈا لے کر مکے[ل] میں داخل ہوئے

سعد میں اسلامی غیرت بہت زیادہ تھی۔ وہ مشرکین کو روک دینے میں بہت سخت واقع ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: بیشک سعد غیرت مند ہیں۔ اور میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ ہم سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ اس کے احکام کو پورا کیا جائے۔

سعد کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کئی نمایاں مواقع

ل ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے زبیر بن العوام کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی کو امیر بنایا۔

ایسے پیش آچکے ہیں جو ان کی ایمانی صداقت رسول اللہ کے ساتھ خلوص کی شدت اور ان کی دعوت پر سختی سے کاربند ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہوازن کے قیدیوں اور ان سے جیتے ہوئے مال غنیمت کے ساتھ ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا اور انصار نے گمان کیا کہ آپ ان سے بے نیاز ہو گئے ہیں[1] اس وقت حضرت سعد کا خلوص ظاہر ہوا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو حکم دیا کہ انصار کو اکٹھا کر لیں۔ پھر آپ نے ان کے سامنے نہایت

---

[1] ۔اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ہوازن اور ثقیف کا معرکہ شوال ۸ھ میں ہوا تھا۔ اس معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتحیاب ہوئے۔ اور طائف کا محاصرہ چھوڑ کر مقام جعرانہ پر پڑاؤ ڈالا۔ یہیں مال غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی جس میں اموال کے علاوہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی بھی تھے۔ اس موقع پر آپ نے مکے کے اکثر رؤسا کو جنھوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا مگر ابھی تک عقیدے میں مذبذب تھے۔ (قرآن مجید میں انھیں کو مؤلفۃ القلوب کہا ہے) نہایت فیاضانہ انعام دیئے۔ ان کے علاوہ بیتن غیر ملکی نومسلم بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابتک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے۔ اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے۔ آپ نے انصار سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسا کہا تھا۔؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے بو سرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے فرمایا" اے انصار! (اگلے صفحہ پر)

بلیغ تقریر فرمائی جس میں انصار کے ساتھ اپنی قومی محبت اور دوسروں پر ان کی فضیلت واضح کرنے کے بعد ان کے لئے اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے لئے دعا فرمائی۔ یہ تقریر سن کر انصار اور ان کے سردار حضرت سعد رو پڑے اور سب کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی سے خوش ہو گئے۔ اور انھوں نے اسی بات کو بہت بڑی غنیمت خیال کیا۔

سرداری کے معاملے میں اوس و خزرج کی رقابت

سرداری کے معاملے میں جو رقابت اوس اور خزرج کے درمیان حضور کے مدینے کی طرف ہجرت فرمانے سے پہلے سے چلی آ رہی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دب گئی تھی۔ لیکن حضور کی وفات کے بعد یہ رقابت پھر ابھر آئی اور حضرت سعد کو خلافت کی تمنّا نے آگھیرا وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ جہاں انصار جمع ہو گئے تھے۔ بنی خزرج نے سعد بن عبادہ کو اس مہم کے لئے تیار کیا۔ انھوں نے انصار کے درمیان اٹھ کر خطبہ دیا اور کہا: اے گروہ انصار! تمہیں دین کے معاملے میں سبقت اور اسلام میں جو فضیلت حاصل ہے۔ وہ عرب کے کسی قبیلہ کو میسر نہیں اسے ظاہر کر دو کہ تم اس بات میں دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں ترجیح رکھتے ہو۔

بقیہ نوٹ: کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد کو لے کر گھر جاؤ۔ یہ سنکر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد درکار ہیں۔ اس کے بعد آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکے کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ میں نے انھیں جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۴ ص ۵۴۳) (ادارہ)

جب اس اجتماع کی خبر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ تیزی کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سقیفہ میں پہنچے یہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر جو تقریر فرمائی اس میں مہاجرین کے موقف کو جائز بیان کر کے انھیں خلافت کا سب سے زیادہ حق دار قرار دیا اور کہا: اے گروہ انصار، تم وہ لوگ ہو جن کی فضیلت اور اسلام میں ان کی عظیم الشان سبقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے رسول کے لئے تمہارا یار و مددگار ہونا پسند کیا۔ اور تمہاری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مقرر فرمائی۔ تم میں ان کی معزز بیویاں اور ان کے اصحاب ہیں۔ مہاجرین اوّلین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارے برابر کوئی نہیں۔ اس لئے ہم امیر ہیں اور تم وزیر، تمہارے بغیر کوئی مشورہ نہ ہوگا۔ اور تمہیں چھوڑ کر معاملات کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔

انتخاب خلیفہ کا نازک موقع

اس موقع پر عربی جبلّت اور قبائلی خاصہ طبیعت کھل کر سامنے آگیا۔ انصار اس بات سے خائف تھے۔ کہ قریش اور مہاجرین حکومت میں ان کے مقابلے میں ترجیح حاصل نہ کرلیں۔ سب کو اپنے آپس کے حالات سے طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے لاحق تھے۔ ادھر اوس اور خزرج ایک دوسرے سے خوف زدہ تھے۔ اوس کو یہ ڈر تھا کہ کہیں تنہا خزرج ہی نہ خلیفہ بن بیٹھیں اس لئے وہ مہاجرین سے مل گئے۔ پھر حضرت عمر اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ سعد بن عبادہ نے صرف حضرت ابوبکر ہی کی بیعت سے انکار نہیں کیا بلکہ ان کے

بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی بیعت سے بھی علیحدہ رہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے انھوں نے سیاست اور لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پر سکون زندگی کو ترجیح دی اور شام کا سفر اختیار کر کے مقام حوران میں ٹھہر گئے۔

سعد بن عبادہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ آپ سعد سے خود ان کے گھر جا کر ملاقات فرماتے اور ان کی شایان شان قدر فرماتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں سبقت کی تھی اور جہاد میں دوسروں پر ترجیح رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس جیسے بعض اکابر صحابہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

سعد بن عبادہ کی روایت

سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا: ایسا کوئی شخص نہ ہوگا جس نے قرآن سیکھ کر بھلا دیا ہو۔ اور وہ اپنے رب سے کوڑھی ہونے کی حالت میں نہ ملے۔ اور ایک کوئی امیر نہ ہوگا جو قیامت کے دن بیڑیاں پہنے ہوئے نہ آئے۔ پھر انصاف ہی اس کو رہا کرائے گا۔

وفات

سعد بن عبادہ نے ہجرت کے پندرھویں سال وفات پائی۔ یہ واقعہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۱۴ھ میں اور بقول بعض سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنے غسل خانے میں مردہ پائے گئے۔ ان کا جسم سبز ہو گیا تھا۔ لوگوں کو ان کے انتقال کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ بعض لڑکوں نے کسی کہنے والے کو ایک کنوئیں سے یہ کہتے ہوئے سنا:

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ

(ہم نے خزرجیوں کے سردار سعد بن عبادہ کو مار ڈالا)

ورمیناہ بسہمین فلم نخط فوادہ

(ہم نے اس پر دو تیر مارے اور ہمارا نشانہ ان کے دل سے نہ چوکا)

جب یہ بات لڑکوں نے سنی تو گھبرا گئے اور انھوں نے اس دن کو یاد رکھا۔ اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ یہ وہی دن تھا جس میں سعد نے شام میں وفات پائی تھی۔ کہتے ہیں، ان کا مزار اس مقام پر ہے جسے المنیحہ کہا جاتا ہے۔ یہ غوطۂ دمشق کا ایک گاؤں ہے۔ مسلمان اس مقام پر حضرت سعد بن عبادہ کے مرقد کی زیارت کے لئے ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔

سعد بن معاذ سردار اوس

(۱۰)

سابقہ مقالے میں ایک عالی مرتبہ صحابی سعد بن عبادہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ جو بنی خزرج کے سردار تھے۔ اور اسلام میں ان کے اثرات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت و رفاقتِ اسلام پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ایک اور جلیل المرتبت صحابی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو ناموروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ یہ حضرت سعد بن معاذ ہیں جو اوس کے سردار تھے۔ اور ان انصار میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنے شہر مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ اور آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جن کے اثرات دعوت اسلام کی نشر و اشاعت میں بہت زیادہ قابل لحاظ رہے ہیں۔

نسب وغیرہ سعد بن معاذ بن النعمان بن امرئ القیس بن زید بن عبد الاشہل ابن جشم بن الحارث بن الخزرج بن النبیت قبیلۂ اوس سے منسوب ہیں جس نے سدّ مآرب کے ٹوٹ جانے پر ملک یمن سے ہجرت کی تھی۔ سعد بن معاذ کی والدہ کبشہ بنت رافع ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و انصار میں شامل ہیں۔

مدینے کے عربوں میں اوس و خزرج کے قبائل میں اسلام کو قبول کرنے

اور نبوت رسول پر ایمان لانے کی صلاحیت قریش کے بت پرستوں سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ اس لئے کہ یہ لوگ ان خیالات و افکار سے بہت مانوس تھے جو بنی قریظہ و بنی النضیر کے اہل کتاب میں رائج تھے۔ اسی لئے مدینے کے عربوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں عجلت کی تاکہ یہ یہودی اس معاملے میں ان سے سبقت نہ کر جائیں۔

جب جنگ بعاث میں بنی خزرج کو شکست ہوئی تو ان ایک جماعت حج کے لئے روانہ ہوئی۔ جن میں ان کے چھ سردار شامل تھے۔ یہ لوگ کسی ایسے حلیف کی تلاش میں تھے۔ جو ان کے اور بنی اوس کے درمیان اتحاد کرا دے یا انھیں اوس پر غالب کرا دے۔ اس زمانہ میں یہ دونوں قبیلے اپنی اپنی جگہ اس کے خواہش مند تھے کہ سرداری کا منصب ان ہی میں رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے پاس خزرج کی اس جماعت سے ملاقات کی اور ان لوگوں نے آپ کی دعوت پر کان دھرے اور اسے قبول کیا۔

تعلیم اسلام کے لئے حضرت مصعب کی روانگی

جب اس کے بعد والا موسم آیا تو یثرب والوں میں سے بارہ آدمی مکہ پہنچے۔ یہ بھی عقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسی رات کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کا نام "بیعت النساء" عقبہ کی پہلی بیعت رکھا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو اہل مدینہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ جو حال ہی میں حبشہ سے لوٹ کر آئے تھے۔ انھیں مدینے اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں۔ اور مسجد میں ان کی امامت کا فرض انجام دیں۔ ہجرت کے تیرھویں سال مصعب حج کے بعد مقام عقبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اس کے بعد اسعد بن زرارہ کے گھر کو اپنی قیام گاہ

بنایا۔ حضرت مصعب مسلمانوں کو نماز اور قرآن پڑھانے کے لئے کبھی اس مکان میں جمع کرتے اور کبھی بنی ظفر کے گھر میں جو یثرب (مدینہ) کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا۔ یہ خاندان بنی عبد الاشہل کے گھرانے کے ساتھ اسی گھر میں مقیم تھا۔

سعد بن معاذ کی آمد

اس زمانے میں سعد بن معاذ (اسعد بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی) اور اُسید بن حُضَیر دو شخص بنی عبد الاشہل کے سردار تھے ایکدن مصعب اسعد بن زرارہ کے ساتھ بنی ظفر کے گھر میں بیٹھے تھے۔ اور دونوں ان لوگوں کو جو حال ہی میں اسلام لائے تھے۔ اسلامی تعلیمات سمجھانے میں مشغول تھے۔ اتنے میں سعد بن معاذ ان کے پاس پہنچے تاکہ ان کی حالت اور کیفیت سے واقفیت حاصل کریں اور اُسید بن حضیر سے کہا: تمہارا باپ نہ رہے، ان دونوں آدمیوں کے پاس جاؤ جو ہمارے گھر ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنانے آئے ہیں، انھیں ڈانٹو اور ہمارے یہاں آنے سے منع کرو، اگر اسعد بن زرارہ میرے عزیز نہ ہوتے جیسا کہ تم جانتے ہو تو میں تمہارے لئے بہت تھا۔ اس موقع پر اُسید نے اپنا حربہ اٹھالیا اور اسعد اور مصعب کی طرف چلے پھر انھیں پکار کر کہا: ہمارے یہاں کون سی بات تمہیں لے کر آئی ہے، کیا تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہو؟ اگر تم دونوں کے دل میں کوئی حاجت خلش پیدا کر رہی ہو، تو بہتر ہے ہم سے جدا ہو جاؤ"۔ مصعب نے نرمی کے ساتھ جواب دیا: کیا تم بیٹھ کر ہماری بات سن سکتے ہو؟ ہم جو کچھ کہتے ہیں اگر اس کو پسند کرو تو قبول کر لینا اور اس سے نفرت کرو تو باز رہنا"۔ اب اُسید نے اپنا حربہ زمین میں گاڑ دیا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سننے لگے۔ مصعب انھیں اسلام کے بنیادی قواعد سمجھانے اور قرآن مجید کی بعض آیتیں سنانے لگے۔ اُسید تھوڑی ہی دیر بعد اسلام کی محبت میں مبتلا ہو گئے اور پکار اٹھے: اگر تم کسی

کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ مصعب نے کہا: غسل کرو، اپنے کپڑے پاک کرو، پھر یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اُسید نے اس ہدایت پر فوراً عمل کیا۔ اسلام کی شہادت کو دہرایا پھر کہا: "میرے پیچھے ایک شخص ہے"۔ اس لفظ سے سعد بن معاذ کی طرف اشارہ تھا۔" اگر وہ تمہاری پیروی کرے تو اس کی قوم میں سے کوئی اُسے قبول کرنے سے باز نہ رہے گا، میں اسے ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں"

سعد کا قبول اسلام

اب اُسید بن حضیر چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ سعد بن معاذ اسعد بن زرارہ پر برہمی ظاہر کرتے ہوئے آپہنچے کہ انھوں نے اسلام کے مبلغوں کی تائید کی۔ مصعب نے ان سے یہ توقع کی کہ وہ جب تک اس دین پر نظر نہ کرلیں اس کے خلاف فیصلہ نہ کریں۔ اس وقت سعد بن معاذ مصعب کی بات سننے کے لئے تیار ہوئے۔ جیسے ہی ان کی بات نے سعد پر اثر کیا اور ان کے دل کو اطمینان بخشا وہ دین میں داخل ہو گئے۔ اور پھر نامور مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ اس کے بعد سعد بن معاذ جوش و حمیت سے بھرے ہوئے اپنی قوم میں پہنچے اور ان سے کہا: اے بنی عبدالاشہل، تم اپنے درمیان مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ انھوں نے کہا: اپنا سردار، رائے میں ہم سب سے بہتر، اور سرداری میں ہم سب سے محفوظ تر"۔ پھر سعد نے اپنی یہ بات کہی جو ان سے منقول ہے: جب تک تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے۔ اس دن کے بعد سے عبدالاشہل کی تمام قوم اسلام لے آئی اور بہت جلد اوس اور خزرج سب کی سرداری سعد بن معاذ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اہل یثرب میں سے بکثرت لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ مدینے کا کوئی گھر ایسا نہ رہا۔ جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ

سعد بن معاذ اسلام میں سب سے زیادہ بابرکت تھے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔

سعد بن معاذ کا اپنی قوم میں جو مرتبہ تھا۔ اور وہ ان کے درمیان دین کی ترویج واشاعت میں جتنا اچھا اثر رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان کی ایمانی قوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ان کے سچے اعتقاد کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان امور میں کسی تعجب کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ وہ بنی عبدالاشہل ہی نہیں بلکہ انصار کے متفقہ سردار تھے۔ انھیں عقل و رائے میں ان سب پر فضیلت تھی۔ وہ اسلام کی نصرت رسول اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور ان کی طرف سے موذیوں کی اذیت دفع کرنے میں ان سب سے افضل تھے۔ اگر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال شاعر کے اس قول کا مصداق ہوگیا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ :

فَاِنْ یُّسْلِمِ السَّعْدَانِ یُصْبِحْ مُحَمَّدٌ
بِمَکَّۃَ لَا یَخْشٰی خِلَافَ مُخَالِفٖ

(اگر دو سعد (سعد بن عبادہ و سعد بن معاذ) اسلام لے آئیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکّے میں کسی مخالف کی مخالفت سے اندیشہ نہ رہے گا۔)

غزوات میں شرکت

سعد بن معاذ کی آزمائش جہاد میں خوب ہوئی تھی۔ یہ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق میں شریک ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہوئے اور انھیں قریش کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے لوگوں سے مشورہ فرمایا۔ مقداد نے کہا: بہتر ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے بھی آپ کے ارادے کی تائید کی۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ انصار تائید کریں کیونکہ وہ بہت تھے اس لئے سعد بن معاذ نے کہا: یارسول اللہ معلوم ہوتا ہے آپ کا مقصود ہم لوگ ہیں؟ فرمایا۔ "ہاں" اس وقت سعد نے کہا: ہم آپ پہ ایمان لاچکے ہیں، آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہم نے اس کی گواہی دی ہے کہ آپ خدا کا جو پیغام لائے ہیں برحق ہے، ہم نے آپ کا حکم سننے اور ماننے کے لئے آپ سے عہد وپیمان کئے ہیں اس لئے یارسول اللہ آپ جہاں چاہیں چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں اس سمندر کے سامنے بھی لے جا کر کھڑا کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی جا گھسیں گے، ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا، ہمیں اس بات میں بھی کوئی کراہت نہ ہوگی کہ آپ کل ہی ہمیں ہمارے دشمن کے مقابلے پر کھڑا کر دیں۔ ہم لوگ جنگ میں صابر وثابت قدم رہتے ہیں اور مقابلے کے وقت کھرے اور سچے ثابت ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ ہم میں آپ کو ایسی باتیں دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اس لئے اللہ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے کر روانہ ہو جائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کی اس بات سے اور ان کی بہادری سے خوش ہوئے۔

سعد بن معاذ غزوہ بدر میں

غزوہ بدر میں حضرت سعد انصار کے چند آدمیوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس وقت اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں مشرکین یکایک آپ کو نہ آگھیریں۔ اس لئے سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں بہت اہتمام سے کام لے رہے تھے اور جد وجہد کے آثار ان کے چہرے سے نمایاں تھے۔ رسول اللہ نے سعد سے کہا: بخدا اے سعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قوم جو کچھ کر رہی ہے۔ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ انھوں نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ، یہ پہلا واقعہ ہے

جس میں اللہ نے اہل شرک کے ساتھ سابقہ ڈالا ہے اس لئے میرے نزدیک لوگوں کا جان دینے میں سرگرمی دکھانا زندہ رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ گویا سعد بن معاذ کو یہ بات محبوب تھی کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور مشرکین کا خاتمہ کرنے کیلئے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔

اسی طرح سعد بن معاذ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خندق میں بھی شرکت کی جو غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔ اس ضمن میں حضور نے حرج شدت کے اوقات میں سعد بن معاذ پر جس قدر اعتماد فرمایا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے سعد بن معاذ کو جو اس وقت اوس کے سردار تھے اور سعد بن عبادہ کو جو خزرج کے سردار تھے۔ اور عبد اللہ بن رواحہ کو یہودیوں میں بنی قریظہ کی طرف ان کی خبریں لانے کیلئے بھیجا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور کو خبر ملی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے جو معاہدات کر رکھے ہیں انھیں توڑ دیا جائے جب سعد اور ان کے ساتھ والے بنی قریظہ کے یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے تو انھوں نے کہا: ان لوگوں نے ویسا ہی غدر کیا ہے جیسا کہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے اہل رجیع کے ساتھ کیا تھا۔ [1]

جب مسلمانوں کا یہ خوف بہت بڑھ گیا کہ بنو قریظہ قریش اور ان کے حلیفوں میں مل جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ غطفان

---

[1] یعنی اصحاب الرجیع ایسا غدر - اصحاب الرجیع وہ ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد لے کر آئے۔ اور فرمائش کی کہ ان کے یہاں چند لوگ اسلام سکھلانے کے لیے روانہ فرما دیئے جائیں۔ آپ نے چھ آدمی ان کے یہاں بھیجدیئے یہ واقعہ ۳ھ میں غزوۂ احزاب سے پہلے پیش آیا۔ رجیع بنی حیان کے پانی کا مقام اس نام سے موسوم ہے جو اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔

کے سرداروں سے صلح کا معاہدہ کرلیں اور انھیں اس شرط پر کہ وہ مدینے کے محاصرے سے باز رہیں گے۔ مدینے کی ایک تہائی پیداوار دی جائے" اس وقت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے کہا: یا رسول اللہ کیا یہ ایسی بات ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں تاکہ ہم اس پر عمل کریں؟ یا یہ کوئی ایسی بات ہے جس کا خدا نے آپ کو حکم دیا ہے۔ اور اس کی تعمیل ہمارے لئے ناگزیر ہے یا آپ اس کام کو ہمارے فائدہ کے لئے کر رہے ہیں؟ فرمایا: نہیں بلکہ میں خود تمہارے لئے اس کام کو کر رہا ہوں، بخدا میں یہ صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ عرب ایک ہی کمان سے تم پر تیر چلا رہے ہیں۔ اور ہر طرف سے تمہارے خلاف شدت پر تل گئے ہیں۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا۔ کہ جس حد تک ممکن ہو تمہارے خلاف ان کا زور توڑ دوں"۔ یہ سن کر سعد بن معاذ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ ہم اور یہ قوم اللہ کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، ہم اللہ کی نہ عبادت کرتے تھے نہ اسے جانتے تھے۔ اس وقت یہ لوگ مدینے کے ایک پھل کی بھی تمنا بجز مہمانی یا بیع کی صورت کے نہ رکھتے تھے۔ اب کہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت عطا کی اور اس کی راہ بتائی، آپ سے اور اسلام سے ہمیں سربلندی بخشی ہم انھیں اپنے اموال دیں؟

خدا کی قسم ہمیں اس کی حاجت نہیں، ہم انھیں تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے"۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھا تم جانو اور وہ جانیں" پھر سعد بن معاذ نے وہ عہد والی دستاویز لے کر اس میں جو کچھ لکھا تھا۔ اسے مٹا دیا اور کہا: اب انھیں ہمارے خلاف کوشش کرنے دو"

سعد بن معاذ نے جنگ احزاب میں نہایت بہادرانہ جہاد کیا۔ یہ وہ غزوہ ہے

جس میں قریش، غطفان اور یہودیوں میں سے بنو قریظہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ جس وقت مشرکین خندق میں زبردستی راستہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت سعد نے ایک تیر پھینکا۔ جنگ خندق والے دن سعد کی والدہ، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قلعہ بنی حارثہ میں موجود تھیں۔ یہ واقعہ عورتوں کے لیے حکم حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس وقت سعد زرہ پہنے ہوئے گزرے اس کا کچھ حصہ سکڑا ہوا تھا اس میں سے ان کا بازو نکلا ہوا تھا۔ اور ان کے ہاتھ میں حربہ تھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے:

لَبِثْ قَلِیلاً یَلْحَقُ الْهَیجَا حَمَلُ لا باس بالموتِ اذا حانَ الاَجَلُ

(ذرا ٹھہر! حمل[1]) میدان جنگ میں آپہنچے۔ جب وقت آگیا تو موت کا کوئی ڈر نہیں۔ سعد کی والدہ نے کہا: بیٹا لڑائی میں شامل ہو جا تو نے دیر کر دی ہے حضرت عائشہ بولیں: اے سعد کی والدہ بخدا میں چاہتی ہوں کہ سعد کی زرہ جیسی اب ہے اس زیادہ کشادہ ہوتی اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد عاصم بن عمرو بن قتادہ حبان بن العرقہ[2] نے جو بنی عامر بن لوی میں سے تھا۔ ان پر ایک تیر مارا اور ان سے کہا: لو یہ میری طرف سے، میں ہوں ابن العرقہ سعد نے کہا: اللہ دوزخ میں تیرے چہرے کو عرق آلود کرے[3] اور اے اللہ اگر تو نے قریش کی جنگ

---

[1] ایک شخص کا نام [2] العرقہ کی کنیت ام فاطمہ بیان کی گئی ہے۔ اس کے جسم سے خوشبو آتی تھی اس لیے "عرقہ" نام پڑ گیا۔ [3] اس تیر کے لگنے سے سعد بن معاذ کی رگ ہفت اندام کٹ گئی (طبقات ج ۳ قسم ۱ ص ۵۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا خدا اس کا چہرہ دوزخ میں عرق آلود کرے (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۱۴)

ابھی باقی رکھ چھوڑی ہے۔ تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ جن لوگوں نے تیرے رسول کو ستایا، اسے جھٹلایا اور نکالا ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا مجھے بہت زیادہ پسند ہے اور اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے تو میرے لئے شہادت مقرر فرما اور جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ کے معاملے میں ٹھنڈی نہ ہو جائیں مجھے موت نہ دے۔

لیکن غزوہ خندق میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی اور اس مدت محاصرہ میں جتنا طول ہوا۔ اس کی بدولت اگرچہ سعد اپنی تکلیفات کو بھول گئے تھے تاہم ان امور نے یہودیوں کے خلاف سعد کی عداوت اور غیظ و غضب کو بہت بھڑکا دیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بدعہدی کی تھی۔ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کو اکسایا تھا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ یہودیوں کو سزا دینے اور مدینے سے نکال دینے کے سوا کوئی صورت اختیار نہ فرمائیں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے وقت مدینے پہنچے تو حضرت بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں یہ منادی کر دیں: "جو شخص مطیع و فرمانبردار ہو وہ عصر کی نماز سوائے بنی قریظہ کے کہیں نہ پڑھے"۔ مسلمان ایک دوسرے کے پیچھے ہو لئے۔ حضرت علی بن ابی طالب جھنڈا لیکر نکلے۔ جو اپنی حالت پر تھا ہنوز لپیٹا نہیں گیا تھا۔

بنی قریظہ کی نسبت حضرت سعد کا فیصلہ

جب بنو قریظہ نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ موت کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ جو غداری و بدعہدی کی تھی اس سے بیزاری ظاہر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کے طالب ہوئے۔ آپ نے ان کی یہ بات نہ مانی اور پچیس (۲۵) دن تک شدت کے

ساتھ محاصرہ قائم رکھا یہاں تک کہ وہ آپ کے حکم پر قلعے سے اُتر آئے اور اوس سے جو ان کے حلیف تھے درخواست کی کہ وہ انھیں رہائی دلانے میں واسطہ بنیں جس طرح خزرج اپنے حلیف بنی قینقاع کی رہائی کے لئے درمیان میں پڑے تھے۔ چنانچہ اوس نے سبقت کی اور کہا: "یا رسول اللہ یہ لوگ ہمارے حلیف تھے"۔ آپ نے فرمایا: اے گروہ اوس کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم ہی میں کا ایک شخص ان کے درمیان فیصلہ کرے"۔ انھوں نے کہا "جی ہاں پسند ہے"۔ فرمایا: تو یہ کام سعد بن معاذ کے سپرد ہے جس وقت سعد کو بلایا گیا تو وہ زخمی تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا: اے ابو عمرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے حلیفوں کا معاملہ تمہارے سپرد فرمایا ہے، اس لئے تمہیں ان کا فیصلہ کرنا چاہیئے سعد نے دونوں فریقوں سے خدا کی قسم کھلوا کر عہد لیا کہ ان کے بارے میں حَکَم جو فیصلہ کرے گا اسی کو اس فیصلہ کا اختیار ہوگا۔ بنی قریظہ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو قبول فرمایا تو سعد نے کہا "اب میں حکم دیتا ہوں کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اموال تقسیم کر دیئے جائیں، عورتوں اور لونڈیوں کو کنیز بنا لیا جائے تاکہ مسلمان ان سے خدمت لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا "تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق ان کا فیصلہ کیا ہے"

آخری ساعتیں

سعد کے زخم کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور سعد کی والدہ اور تمام مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سعد کے لئے مسجد میں خیمہ لگا دیا جائے تاکہ وہ آپ سے قریب رہیں۔ آپ روز حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور تمام مسلمانوں کے ساتھ سعد کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب سعد نے بنی قریظہ

کے متعلق فیصلہ کیا تو ان زخم پھٹ گیا۔ اور اس کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ پر بہہ آیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا "ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ایسا نہ کہو" حضرت عمر نے کہا: إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ اور سعد کی روح پرواز کر گئی۔ انھوں نے غزوہ خندق کے ایک ماہ بعد حالت شہادت میں وفات پائی۔ یہ واقعہ ۱۵ھ میں پیش آیا۔ جب وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے جنازے سے لوٹے آپ کے آنسو داڑھی پر بہہ کر آرہے تھے اور آپ اسے پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت سعد کے مراتب

سعد کے مراتب اسلام میں بہت بلند تھے۔ کہا گیا ہے کہ سعد بن معاذ کی موت پر اللہ کا عرش ہل گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترے جنہوں نے پہلے کبھی زمین پر پاؤں نہ رکھا تھا۔ؔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قبر کے فشار (بھینچنے) سے کسی کو نجات ہوتی تو بے شک سعد بن معاذ اس کی نجات پالیتے۔

سعد کی روائت

سعد بن معاذ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا: تین چیزیں ایسی ہیں۔ جن کے اعتبار سے میں صحیح معنوں میں مرد ہوں۔ ان کے سوا اور باتوں میں عام مردوں کی طرح ہوں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنی اسے یہی جانا

ؔ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے ساتھ تھے۔ فرمایا کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں۔ لاش بالکل ہلکی ہو گئی تھی۔ منافقین نے مضحکہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان کا جنازہ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۶۳۳ بحوالہ سیر الصحابہ ج ۲ ص ۱۶) (ادارہ)

کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہے۔ میں جب بھی نماز کی حالت میں رہا جب تک میں نے اسے ادا نہ کر لیا میرا دل کبھی کسی اور بات میں مشغول نہ ہوا۔ میں جب بھی کسی جنازے میں شریک ہوا ہوں میں نے ہی اپنے آپ سے باتیں کی ہیں۔ نفس کی باتوں سے واسطہ نہیں رکھا (یعنی میرے دل میں نفسانی وسوسے پیدا نہیں ہوئے) یہاں تک کہ میں اس جنازے سے واپس آگیا۔ سعید بن المسیّب کا قول ہے: یہ وہ فضیلتیں ہیں جنہیں میں نبی کے سوا کسی میں گمان نہیں کرتا تھا۔

سعد بن ابی وقاص

(۵ اق ھ تا ۵۵ ھ)

حضرت سعد بن ابی وقاص جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا شمار اسلام کے بہادر مجاہدین میں ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکے جنتی ہونے کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خدا کی راہ میں خون بہایا اور سب سے پہلے اس راہ میں تیر چلایا اور یہی وہ شخص ہیں جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ یہ میرے ماموں ہیں۔ جس شخص کے ماموں ہوں اسے چاہئے کہ مجھے دیکھے کہ (ماموں سے کتنی محبت کرتا ہوں)۔

نسب و قرابت

حضرت سعد کا نسب یہ ہے :۔ سعد ابن مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن فہر بن النضر بن کنانۃ القرشی۔ یہ حضرت آمنہ (والدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے چچیرے بھائی ہیں۔ ان کا اور حضرت آمنہ کا نسب عبد مناف سے جا ملتا ہے۔ اس طرح یہ نسباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان ابن امیہ بن عبد شمس ہیں۔ ایک قول کی بنا پر ان کا نسب حمنہ بنت

ابی سفیان بن امیہ ہے۔ اس طریقے سے حضرت سعد کی ذات میں دو شریف گھرانے جمع تھے۔ ایک ہاشم کا گھرانا دوسرے عبد شمس کا گھرانا۔ ان دونوں خاندانوں کی شان اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں بہت بلند ہے۔

قبول اسلام

حضرت سعد نے مکّے کے گھرانوں میں اس نجیب خاندان میں شریف والدین کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور جس طرح اشراف واکابر اور عقل وشعور والے سردار نشو ونما پاتے ہیں اسی طرح یہ بھی پروان چڑھے۔ جب رسالت محمدیہ کا آفتاب جگمگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے میں مبشر ونذیر (خوش خبری دینے والے اور خدا کے عذاب سے ڈرانے والے) کی حیثیت سے تبلیغ شروع فرمائی اس وقت حضرت سعد عمر کے ساتویں سال میں تھے۔ انھوں نے حضور کی دعوت کو لبیک کہا اور اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ حضرت سعد سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا: "میں نے اسلام لانے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں ایک تاریکی میں ہوں اور مجھے کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔ یکایک میرے لئے ایک چاند روشن ہوا اور میں نے اس کی پیروی کی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوا جیسے میں اس چاند کی طرف سبقت کرنے والوں کو دیکھ رہا ہوں۔ زید بن حارثہ علی بن ابی طالب اور ابو بکر کی طرف دیکھ رہا ہوں، اور جیسے ان سے پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں تک کب پہنچے اور انھوں نے کہا: اسی وقت۔ اور مجھے اطلاع پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اس لئے میں "شعب اجیاد" میں ان سے ملا۔ وہ اس وقت عصر کی نماز پڑھ چکے تھے پھر میں اسلام لایا۔ اور اسلام لانے میں ان لوگوں کے سوا کسی نے مجھ سے سبقت نہیں کی۔ اس طرح حضرت سعد کا شمار ان لوگوں میں ہے جو جوانوں میں پہلے مسلمان ہوئے۔

دین میں استقلال اور حمیت

حضرت سعد نے اپنے نئے دین کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دل میں اس کی بڑی عظمت کرتے رہے۔ اس کی تائید اس واقع سے ہوتی ہے کہ جب یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنی والدہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا۔

"اے سعد، یہ نیا دین کیا ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ تمھیں یہ دین چھوڑنا پڑے گا ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور اسی حال میں مرجاؤں گی اور لوگ میری وجہ سے تمھیں شرمندہ کریں گے"، حضرت سعد نے جو اپنی ماں پر سب سے زیادہ مہربان تھے کہا: امی جان ایسا نہ کیجئے گا، کیونکہ میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت سعد کا بیان ہے کہ میری والدہ ایک دن ایک رات اسی حال میں رہیں، انھوں نے کھانا نہ کھایا اور صبح ہوئی تو وہ دبلی ہوچکی تھیں۔ پھر میں نے کہا "خدا کی قسم"، اگر آپ کے ہزار جانیں ہوں اور ایک ایک کرکے یہ جانیں چلی جائیں تو بھی میں اس دین کو کسی وجہ سے نہ چھوڑوں گا"، جب انھوں نے یہ صورت دیکھی تو کھایا پیا ——— اور اس واقع سے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (وَاِن جاھدٰک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفاً۔ (اگر وہ دونوں (والدین) تم پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تم ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہراؤ جس کے (معبود ہونے کی) کوئی (صحیح) دلیل تمہارے پاس نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا۔ (سورۂ لقمان آیت ۱۵)

دین کے معاملے میں حضرت سعد کی پختگی اور عقیدہ کی مضبوطی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اس راہ میں جان قربان کردینے کے لئے بھی خوشی سے تیار رہتے۔ اور دین کی حمایت اور عقیدے کے دفاع کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر

لذت محسوس کرتے تھے۔ ان حالات میں اگر حضرت سعد حمیت اور دینی جوش میں اور صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عہد اسلام کی ابتداء میں جب نماز پڑھتے تھے تو دروں میں چلے جاتے تھے اور نماز قوم سے چھپا کر ادا کرتے۔ ایک دفعہ حضرت سعد چند اصحاب رسول کے ساتھ مکے کے ایک درّے میں موجود تھے۔ یکایک مشرکوں کا ایک گروہ ان کے سامنے آپہنچا اور ان سے لڑنے اور ان کی دین کی برائی کرنے لگا یہاں تک کہ لڑائی کی ٹھان لی۔ اس وقت مسلمان بھی لڑے اور حضرت سعد نے مشرکین کے ایک شخص کو اونٹ کے تالو کی ہڈی مار کر اس کا سر توڑ دیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

غزوات میں شرکت

جنگ احد میں جب مسلمانوں کے دین کی آزمائش ہوئی تو اس موقع پر حضرت سعد کی بہادری نہایت نمایاں صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہ ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور انھوں نے بڑے استقلال کا ثبوت دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ "ہم واقعہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑ رہے تھے اور ہمارے ساتھ انگور اور ببول کے پتوں کے سوا کوئی کھانا نہ تھا اس روز جنگ میں سعد کی بہادری کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پکار کر کہا "اے طاقتور لڑکے میرے باپ اور ماں تجھ پر قربان، تیر چلا۔ حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے اپنے باپ اور ماں دونوں کا ذکر اکٹھا نہیں کیا۔ یہ سعادت صرف سعد بن ابی وقاص کو حاصل ہوئی۔

حضرت سعد غزوہ بدر اور غزوہ خندق میں بھی اسی طرح شریک ہوئے تھے جس طرح وہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک

ہو چکے تھے۔ یہ ان دس صحابیوں میں سے تھے جن کی نسبت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت ان سے راضی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے سایۂ رحمت میں جگہ پائی اور آپ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ پھر حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد خلافت کی بیعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مکمل ہوئی۔ اس زمانے میں اسلامی لشکر ایرانیوں اور رومیوں کے ملکوں میں داخل ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں ایک لشکر عراق کے اطراف حضرت خالد بن الولید کی سرکردگی میں روانہ کیا تھا۔ ان کے ساتھ مثنی بن حارثہ بھی تھے۔ حضرت خالد ایرانیوں پر غالب ہوئے اور حیرہ وانبار پر تسلط حاصل کر لیا۔ لیکن عربوں کو تھوڑی ہی مدت بعد ایرانیوں کی اس کثیر التعداد فوج کے مقابلے میں پسپا ہونا پڑا جو یزدجرد ثالث آخری بادشاہ آل ساسان نے رستم کی قیادت میں تیار کی تھی۔ مسلمان صحرا کے اطراف میں پلٹے اور مسلمانوں کی کوششیں رائیگاں ہوتی نظر آنے لگیں۔

پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور ملک فارس میں بے چینی بڑھی تو مثنی بن حارثہ نے انھیں وہاں کے حالات اور کمسنی کے باوجود یزدجرد کے تخت نشین ہونے کے واقعات سے باخبر کیا اور اس بات پر ابھارا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ادھر سعد نامی سنہ ۱۵ھ میں رومیوں کو اجنادین میں شکست دے کر ان کی طرف سے مطمئن ہو چکے تھے اس لئے آپ نے اپنی توجہ عراق سے لڑنے پر مبذول کی اور لوگوں کو عراقیوں سے لڑنے کی دعوت دی۔ ان کو سمجھایا کہ یہ علاقہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ لشکروں کی سپہ سالاری کا فرض خود انجام دیں لیکن بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی شخص کو اس مہم پر بھیجنا اور اس کے جانے کے بعد خود خلیفہ کا مدد روانہ کرنا مناسب ہوگا۔ یہ بات

سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور کہا:۔ لوگو میں تمہارے ساتھ چلنے کا عزم کر رہا تھا۔ مگر تم میں سے ہوشمند اور دانا اشخاص نے مجھے اس ارادہ سے ہٹا دیا اور مشورہ دیا کہ میں خود ٹھہروں اور صحابہ میں سے کسی شخص کو بھیجدوں جو لڑائی کے معاملات کا والی و مختار بنے۔

زمانہ جنگ احد کے بہادر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی حضرت سعد بن وقاص کو اس مقصد کے لئے محفوظ کئے ہوئے تھا کہ وہ عرب کی عزت اور اسلام کی عظمت و شرافت کو چار چاند لگائیں۔ اس لئے انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لئے انتخاب کر کے عراق میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کا امیر بنا دیا۔ اب حضرت سعد بن وقاص نے ان علاقوں میں جو حجاز اور کوفے کے درمیان واقع تھے آنا جانا اور گشت کرنا شروع کر دیا۔ یہ خبریں سنا کرتے اور ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ کے قاصد اور ان کے خطوط آتے رہتے جن میں وہ اپنی رائیں لکھتے۔ اور انھیں لشکروں کے ذریعے مدد پہنچاتے۔ پھر قادسیہ کے قریب حضرت سعد اور رستم کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقام عراق کا دروازہ تھا۔ رستم کی فوج میں تیس ہزار جنگجو تھے اس کے مقابلے میں حضرت سعد کا لشکر سات اور آٹھ ہزار سپاہیوں کے درمیان تھا۔ فارس کے لوگ عربوں کے تیروں کا مذاق اڑاتے تھے اور انھیں تکلوں سے تشبیہ دیتے تھے۔

فوجی نقل و حرکت شروع کرنے سے پہلے حضرت سعد نے رستم کے پاس ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

۔ اللہ نے ہماری طرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ ہم نے اس کی تبلیغ کو لبیک کہا اور اس کی پیروی کی سعادت حاصل کی اس نبی نے ہمیں ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا جو ہمارے دین کی مخالفت کریں۔ ہاں تمہیں خدائے واحد کی

عبادت کرنے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی طرف بلاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اسے مان لو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کریگی"

رستم نے جواب میں کہا:۔

سورج اور چاند کی قسم ہے کل چاشت کا وقت بھی ختم نہ ہونے پائے گا کہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے"

یہ سن کر حضرت سعد کے قاصد نے کہا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (اللہ کے سوا کسی میں طاقت ہے نہ قوت) گویا اس نے رستم کا مذاق اڑایا جو اس وقت اپنی قوت پر مغرور ہو گیا تھا۔ اور مقدرات نے اس کے لئے پردۂ غیب میں جو کچھ چھپا رکھا تھا اس کی ذرا پروا نہ کی۔

حضرت سعد اس معرکے میں گھس پڑے اور اس سے کامیاب و فتحمند ہو کر نکلے۔ انھوں نے اہل فارس کو مصیبت میں ڈال دیا، کسریٰ کی ایک بیٹی کو قید کر لیا اور رستم کی فوجوں میں سے ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہی الفلالیج، النہرین، بابل اور نہر الملک و کوثی وغیرہ کے دہقانوں نے اسلام قبول کیا۔

پھر حضرت سعد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری بھیجی تو امیر المومنین نے انھیں لکھا۔

"اپنی جگہ ٹھہرو۔ اور ان کا پیچھا نہ کرو۔ اس فتح پر قناعت کرو۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک ہجرت گاہ اور شہر بناؤ جس میں وہ رہیں۔ اور میرے، اور ان کے درمیان سمندر حائل نہ کرو"، اس لئے حضرت سعد نے کوفے کی حد بندی کی اور حضرت سلمان الفارسی اور حذیفہ بن الیمان کو روانہ کیا کہ یہ دونوں ان کے لئے ایک ایسا مقام تلاش کریں جس میں یہ شرائط بکثرت پائی جاتی ہوں۔ ان دونوں حضرات نے حیرہ کے

قریب فرات کا ایک مغربی مقام پسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس انتخاب پر صاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سعد محرم ۱۷ھ میں اپنے لشکر کے ساتھ کوفے میں اترے۔ خیموں میں عربی سپاہ کے جمع ہونے کا یہ پہلا موقع تھا اس کے بعد انھوں نے بانس کے گھر بنائے۔ مگر جیسے ہی ان گھروں میں آگ لگی حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مکانات کچی اینٹوں سے بنائے جائیں۔ ابوالہیاج بن مالک الاسدی نے اس نئے شہر میں سڑکوں اور گلیوں کی حد بندی کی اور اس میں ایک جامع مسجد بنائی، اس کے سامنے کے حصے میں سنگ مرمر کے ستونوں والا ایک سائبان بنایا عربوں نے اس مسجد کو شہر کے وسط میں رکھا جہاں سے راستے اور گزر گاہیں نکل آئیں۔ انہی راستوں کے آخر میں سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) کا گھر بنایا گیا اور اس کے اندر بیت المال رکھا گیا۔ اب کوفہ عراق کا پایۂ تخت اور اسلامی ملکوں میں علم اور سیاست اور جنگی امور کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

پھر حضرت سعد ملک عراق کے اندر گھسے اور دو ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد شہر مدائن پایۂ تخت بلاد فارس پر غلبہ پایا۔ عربوں کو یہاں سے بکثرت مال غنیمت ملا، جس میں کسریٰ کی بساط[1] بھی شامل ہے۔ یزدجرد حلوان کی طرف بھاگا اور اپنے ساتھ اپنے اموال بھی لے گیا۔ حضرت سعد کو یہ سب باتیں اس کمال اور مہارت کی بدولت میسر آئیں جو انھیں حد بندی اور جنگی امور کے انصرام میں حاصل تھی، اسی کی وجہ سے فتح کی تکمیل عربوں کے لئے ایک آسان مہم بن گئی

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ کا زمانۂ وفات قریب آیا تو انھوں نے شوریٰ کے لئے بن چھ آدمیوں کو مقرر کیا ان میں سے ایک حضرت سعد بھی تھے۔

---

[1] غالباً کسریٰ کی بساط سے وہ عجیب و غریب فرش مراد ہے جس کو اہل ایران بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ ملاحظہ ہو الفاروق ج اس ۱۹۰۔"

آپ نے اس موقع پر کہا: اگر خلافت سعد کے حصے میں آئے تو بہتر ہے ورنہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انھیں عامل بنائیں. کیونکہ میں نے انھیں کسی کوتاہی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، جب بیعت خلافت حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھ پر مکمل ہوئی تو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے ضمن میں لوگوں کو حضرت سعد کے اخلاص اور ان کی فضیلت کا اچھی طرح علم ہوا۔ حضرت عثمان نے انھیں کوفے کا والی مقرر کر دیا اور عراق کے معاملات میں ان کو آزادانہ اختیارات دیدیئے کیونکہ اس کی فتح مکمل کرنے کے بعد اس کے حالات پر ان کی نظر بہت گہری ہو گئی تھی اور وہ وہاں کے نظم ونسق پر بہت زیادہ قابو رکھتے تھے.

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور عالم اسلام میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی. اس موقع پر حضرت سعد نے ان گروہوں سے جو باہم لڑ جھگڑ رہے تھے علیحدگی اختیار کی اور خانہ نشین ہو گئے اس لئے کہ یہ نزاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان تھا اور ان کو اندیشہ تھا کہ وہ جس فریق کا بھی ساتھ دیں گے اس کا دوسرا حریف برہم ہو گا۔ اس لئے حضرت سعد نے چاہا کہ ان سب کی دوستی کا پاس رکھیں. انھوں نے خلافت کی طرف سے منھ موڑا اور نماز روزے میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے. پھر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب حضرت سعد بن وقاص کے بیٹے عمر اور ان کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ نے چاہا کہ حضرت سعد اپنے لئے خلافت کی دعوت دیں تو انھوں نے انکار کیا اور اس مہم سے باز رہے. پھر حضرت معاویہ نے خلافت کی طمع کی اور حضرت سعد کو لکھا کہ وہ خون عثمان کا مطالبہ کرنے میں مدد کریں. حضرت سعد نے انھیں جواب میں یہ اشعار لکھے :-

مُعاوِیَ داؤکَ الدّاءُ العیاءُ — ولیس لما تجئ بہ دواءُ

(اے معاویہ تمہاری بیماری تھکا دینے والی ہے اور تم جس مرض کو لے کر آئے ہو اسکی کوئی دوا نہیں)

اَیدُعونی ابوحسن عَلیٌّ — فلمْ اَرْدُدْ علیہ مایشاءُ

(کیا مجھے ابوالحسن علیؓ نے بلایا تو جو کچھ وہ چاہتے ہیں اسے میں نے ان پر رد نہیں کر دیا)

وَقلتُ لہ اعطنی سیفاً قصیراً — تمیز بہ العداوۃ والولاءُ

(میں نے ان سے کہا: مجھے ایک چھوٹی تلوار دیدو جو عداوت اور دوستی میں تمیز کرتی ہو)

اَتطمَعُ فی الذی اَعیا علیاً — علی ماقد طمعت بہ العفاءُ

(کیا تم اس بات کی طمع کرتے ہو جس نے علی کو تھکا دیا۔ تم نے جس بات کی طمع کی ہے اسمیں بربادی ہے)

لَیومٌ منہ خیرٌ منک حیّاً — ومیتاً انت للمرءِ الفداءُ

(ان کا ایک دن بھی تمہاری زندگی و موت سے بہتر ہے اور تم کو تو اس شخص کے لئے فدا ہو جانا چاہئے)

اخلاق و فضائل حضرت سعد کے سوانح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اپنی ذات میں کیسے شریفانہ اخلاق اور کتنے بلند اوصاف جمع کر رکھے تھے، وہ پاکیزہ اصل، روشن دل، قوی القلب، جری و بہادر، بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور بہت زیادہ عبادت کرنے والے شخص تھے، وہ جب جنگ میں حصّہ لیتے تھے تو دشمن کے ساتھ شدّت اختیار کرتے اور دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے، ان کے یہ پسندیدہ خصائل ان تمام غزوات میں ظاہر ہوئے ہیں جن میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حصّہ لے چکے تھے۔ اسی طرح یہ اوصاف ان خونریز اور خطرناک معرکوں میں بھی نمایاں ہوئے جن میں مسلمان گھس چکے ہیں۔ بے شبہ سعد بن ابی وقاص بہت سے شریفانہ اخلاق و محاسن اوصاف کے جامع تھے۔

ابوالمنہال نے کہا ہے:۔ حضرت عمر بن الخطاب نے عمرو بن معدیکرب سے

حضرت سعد بن ابی وقاص کے حالات پوچھے تو انھوں نے کہا:۔

دل کے منتواضع ہیں۔ وضع ولباس میں عرب ہیں اور اپنی کچھار کے اندر شیر ہیں قضیوں میں انصاف کرتے ہیں۔ برابر، برابر تقسیم کرتے ہیں سریوں میں دور تک چلے جاتے ہیں (نڈر ہیں جان کی پروا نہیں کرتے) ہم پر مہربان ماں کی طرح شفقت کرتے ہیں اور چیونٹی کی طرح ہمارا حق ہمیں پہنچاتے ہیں ــ میری جان کی قسم فاتح قائدین کی یہی وہ خصلیتں ہیں جن کی بدولت تاریخ نے مدتیں گزرنے کے باوجود ان کے ذکر کو غیر فانی بنا دیا ہے " حضرت سعد اپنی سپاہ پر ماں کی طرح مہربانی کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے دل مٹھی میں لے لیتے اور وہ حضرت سعد سے محبت کرنے لگتے جب وہ محبت کرتے تو ان سے خلوص برتتے اور خلوص سے پیش آتے تو ان کے لئے خدا کی طرف سے فتح ونصرت لکھی جاتی۔ وہ چھوٹے اور بڑے اور عربی اور عجمی کے درمیان کوئی فرق نہ کرتے۔ ان کے نزدیک کنگھی کے دندانوں کی طرح سب برابر تھے ؎

من تفوق فی القتال وفنی فیہ   نال الغنم الاکبر والشرف الاعظم

(جو شخص لڑائی میں فائق ہوتا ہے اور اس میں فنا ہوجاتا ہے وہ بڑی غنیمت اور شرف حاصل کرتا ہے)

وفات پھر اللہ کی مرضی یہ ہوئی کہ یہ پاکیزہ و لطیف کردار ختم ہوجائے۔ سعد بن ابی وقاص کی وفات قریب آپہنچی اس وقت انھوں نے اپنے ایک اونی جبّے کے بوسیدہ ٹکڑے منگوائے اور کہا:۔ مجھے ان کے اندر کفنانا۔ میں نے انھی کو پہن کر جنگ بدر میں مشرکین سے مقابلہ کیا تھا اور میں انھیں اسی غرض سے چھپاتا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر (۷۲) سال تھی۔

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

وفات ۲۱ھ

اب قارئین کو ایک ایسے بزرگ کی سیرت سے آگاہ کیا جاتا ہے جو عربوں اور مسلمانوں کے نہایت مشہور بہادروں اور اسلامی فتوحات کے عظیم ترین قائدین میں سے ہیں اور جنھوں نے اللہ کی راہ اور اس کے دین کی نصرت کے لئے جہاد کرنا شروع کیا تو جب تک اپنے پروردگار کے حضور میں نہ پہنچ گئے تمام عمر جہاد کرتے رہے۔ یہ بزرگ ہیں حضرت سیف اللہ خالد بن الولید۔

نسب اور خاندان وغیرہ

حضرت خالد جاہلیت اور اسلام کے اشراف قریش میں سے تھے ان کے والد ولید ابن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھے اور ماں کا نام لبابۃ الصغریٰ بنت الحارث ابن حزن الہلالیہ ہے جو حضرت میمونہ بنت الحارث زوجۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں ان کی ماں کی دوسری بہن لبابۃ الکبریٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں اس طرح حضرت خالد عرب کے شریف ترین خاندانوں سے تھے، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے چچا حضرت عباس سے خاندانی نسبت تھی اور بنی مخزوم اور بنی ہلال سے بھی۔

حضرت خالد نے مکے میں اشراف کے لڑکوں کی طرح نشو و نما پایا۔ کہ

حجاز کی تجارتی و ادبی تحریکوں کا مرکز تھا جہاں عرب ہر طرف اور ہر گوشے سے حج کے دنوں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اس طریقے سے وہ اجتماعی آداب ایک دوسرے کو منتقل کرتے۔ حماسی (رزمیہ اور جوشیلے) اشعار سناتے اور اپنی نسبی و اصلی عظمت اور خاندانی شرافت کے حالات بیان کرتے۔ اس قسم کے یہ تمام مظاہر ان کے لڑکوں اور بچوں میں عجیب و نادر طبعی خصوصیات اور شریفانہ خصائل پیدا کرتے اور ان کو بڑے بڑے کارنامے انجام دینے اور اعلیٰ مقاصد کی طرف بڑھنے پر اکساتے رہتے۔

غرض حضرت خالد نے قریش کے ترقی یافتہ اور اونچے گھرانوں کے نوجوانوں کی طرح تربیت پائی، انھوں نے شہ سواری سیکھی اور شجاعت و دلاوری میں شہرت پائی۔ ان کی قوم نے ان کی کارگزاری اور ذاتی اوصاف و کمالات کی قدر کی انھوں نے "قبہ" کی نگرانی ان کے سپرد کی۔ یہ لوگ اس نام کا ایک خیمہ لگا کر اس میں لشکر کی تیاری کا سامان جمع کیا کرتے تھے اسی طرح قریش نے اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال اور سواروں کی قیادت کا فرض بھی حضرت خالد کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس طرح یہ لڑائیوں میں قریش کے سواروں کے سردار رہا کرتے تھے۔

جب اسلام ظاہر ہوا اور قریش کے جوان اور بوڑھے اسلام کے نہایت سخت دشمن بن گئے اس زمانے میں خالد ان لوگوں میں شامل تھے جو اس دین سے علانیہ عداوت رکھتے تھے۔ جب غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ جب تک لڑائی ختم ہونے کا اعلان نہ ہو جائے اپنی اپنی جگہ ثابت قدم رہیں اور مقررہ مقامات سے نہ ہٹیں اور مسلمانوں نے بارگاہ رسالت کی اس ہدایت کے خلاف کیا تو خالد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ پہاڑ کے تیر اندازوں سے خالی ہونے کے منتظر رہے جیسے ہی موقع آیا انھوں نے

مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور ان کی پیٹھ پر نیزوں سے وار کرنے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کی جیت شکست سے بدل گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آئے اور مسلمانوں نے اس موقع سے نہایت مفید سبق حاصل کیا جو ان کی آئندہ زندگی میں بہت دور رس اثرات کا حامل رہا۔ ہنوز حضرت خالد اسلام کی عداوت میں اسی طرح سرگرم تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے چھٹے سال عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے جس سے مراد غیر موسم حج میں کعبۂ مکرمہ کی زیارت کرنا ہے۔ اس وقت قریش کے لوگ آپ کو مکّے میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر سواران مشرکین کے سردار خالد ہی تھے۔ اس وقت قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس سال آپ بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں اور آئندہ سال اپنے صحابہ کے ساتھ آکر مکّے میں داخل ہوں۔ قریش اس موقع پر مکّے سے نکل جائیں گے آپ صحابہ کے ہمراہ مکے میں تین دن مقیم رہیں گے اور اس زمانے میں ان کے ساتھ میانوں میں رکھی ہوئی تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔

حقائق کا احساس

یہ معاہدہ درحقیقت مسلمانوں کی کامیابی تھی۔ قریش نے محسوس کر لیا تھا کہ اسلام لامحالہ غالب ہو کر رہے گا۔ ادھر مسلمان اس وعدے پر یقین کئے ہوئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح مکّہ کی نسبت کیا تھا۔ خالد نے جان لیا کہ مسلمانوں کو بار بار فتح ہو رہی ہے اسلام تمام عربی شہروں میں اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے، قریش کے سردار قتل کئے جا چکے ہیں اور ان کے ذی شعور لوگ مر چکے ہیں اور یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ عنقریب اسلام کو نتیجے میں فتح ہوگی اور مکّے کا سقوط بہت قریب ہے۔

حضرت خالد کا اعلانِ اسلام

ان وجوہ سے حضرت خالد نے عجلت کی اور وقت کے گزرنے سے پہلے اسے پا لیا۔ انھوں نے اسلام میں داخل ہونے کی نیت کر لی اور قریش میں کھڑے ہو کر کہنے لگے:۔ یہ بات ہر صاحب عقل پر روشن ہو گئی ہے کہ محمدؐ جادوگر اور شاعر نہیں ہیں۔ ان کا کلام رب العالمین کے کلام میں سے ہے اس لئے ہر سمجھ دار شخص کا فرض ہے کہ وہ ان کا اتباع کرے۔ عکرمہ بن ابی جہل نے یہ بات سنی تو سٹ پٹا گیا اور بولا:۔ بے شبہ تم بے دین ہو گئے ہو اے خالد" حضرت خالد نے کہا:۔ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ اسلام لے آیا ہوں۔ عکرمہ نے کہا:۔ اگر قریش کے لئے زیادہ حق بات یہی تھی کہ وہ ایسی باتیں نہ کہیں تو بے شبہ تمہارے لئے بھی یہی بات ٹھیک تھی۔ حضرت خالد نے کہا کیوں؟" عکرمہ نے جواب دیا اس لئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس وقت تمہارے باپ کو زخمی کیا تو ان کی عزت پر بٹہ لگا دیا، تمہارے چچا اور چچیرے بھائی کو بدر میں قتل کیا بخدا میں تو مسلمان نہ ہوں گا نہ اے خالد تمہاری ایسی بات کہوں گا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قریش اس سے لڑنے کا ارادہ کر رہے ہیں؟ حضرت خالد نے جواب دیا" یہ تو جاہلیت کا معاملہ اور اسی قسم کی حمیّت ہے، لیکن جب حق مجھ پر واضح ہو گیا تو خدا کی قسم میں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت خالد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھوڑے بھیجے اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بھی ان تک پہنچا دیا۔

حضرت خالد اور حضرت عمرو بن العاص کی ملاقات

اُدھر حضرت عمرو بن العاص مدینہ منورہ کے قصد سے مکہ سے آ رہے تھے راستے میں حضرت خالد سے ملاقات ہوئی انھوں نے خالد سے پوچھا:۔ اے ابو سلیمان کدھر؟ حضرت خالد نے کہا:۔ یقیناً یہ مذہب ثابت قدم رہا۔ اور یہ شخص واقعی نبی ہے۔ بخدا میں تو مسلمان ہونے جا رہا ہوں اور تمہارا کب تک ارادہ ہے؟ حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا:۔ خدا کی

قسم ہیں خود اسی لئے آ رہا ہوں کہ اسلام لاؤں۔ پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ پہل حضرت خالد نے کی، اسلام لائے اور بیعت کی۔ پھر حضرت عمرو بن العاص حضور کے قریب گئے، مسلمان ہوئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔

حضرت خالد کی رومی مہم

حضرت خالد جس طرح اسلام لانے سے پہلے نامور مشرکین میں سے تھے اسی طرح مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے مشاہیر میں شامل ہوئے اور اس دولت سے مالامال ہونے کے بعد انھیں ہمیشہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد حاصل رہا۔ اسی اعتماد کے باعث، آپ گھوڑوں کی باگ ڈور حضرت خالد کے سپرد فرما دیتے تھے اور اسی لئے عربوں اور رومیوں کی جنگ میں حضرت خالد ہی سپ سواروں کے آگے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسانیوں کے پاس جو حدود شام میں رہنے والے عرب تھے اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک قاصد روانہ فرمایا تھا جسے انھوں نے قتل کر ڈالا۔ پھر آپ نے ہجرت کے آٹھویں سال تین ہزار جنگجویوں کا ایک لشکر اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں غسانیوں کی جانب بھیجا۔ ہرقل شہنشاہ روم کی فوجوں نے مقام موتہ پر اس لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس معرکے میں حضرت زید نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے یہاں تک کہ اللہ راہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد اس لشکر کی سرداری حضرت عبد اللہ بن ابی رواحہ کے سپرد ہوئی۔ انھیں بھی شہادت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب ان کے جانشین بنے۔ یہ بھی ان سے جا ملے۔ اب حضرت خالد بن الولید نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور جہاد میں شجاعت کی داد دی۔ وہ خود کہتے ہیں: اس روز میرے ہاتھ میں سات تلواریں ٹوٹیں۔ ان میں سے صرف چوڑی یمانی تلوار ثابت رہی۔

سیف اللہ کا خطاب

اس لڑائی میں جو قائدین شہید ہوئے ان کی شہادت کی خبر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے ملی، آپ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں کو خطبہ دیتے ہوئے حضرت زید اور ان کے جانشینوں کی شہادت سے آگاہ کیا اور فرمایا:۔ اس کے بعد جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن الولید نے لیا اور اللہ نے اسے فتح عطا کی۔ اسی بنا پر حضرت خالد "سیف اللہ" کے نام سے موسوم ہوئے۔

مکے پر چڑھائی میں حضرت خالد کا حصہ

جب اہل مکہ نے اس معاہدہ صلح کو توڑ دیا جو ۶ھ میں ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے کو لوٹ لیا تو اس قبیلے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لی۔ اس لئے مسلمان ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار سپاہ کے ہمراہ مکے روانہ ہوئے اس مہم میں حضرت خالد مسلمانوں کے دائیں بازو کی کمان کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ مکے میں اس کے نچلے علاقے سے داخل ہوں۔ اس موقع پر حضرت خالد نے خوب بہادری دکھائی۔ یہاں تک کہ ان کے لشکر میں سے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔

سیف اللہ کی مختلف مہمیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت خالد سے کام لیا کرتے تھے، آپ نے انھیں بنی جذیمہ کے پاس روانہ فرمایا جو بنی عامر بن لوی کے قبیلے سے تھے۔ اسی طرح غزوہ حنین (۸ھ) میں حضرت خالد مقدمۃ الجیش کے سردار تھے۔ یہ اس غزوہ میں زخمی ہوئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت فرمائی اور ان کے زخم پر پھونک ماری تو وہ اچھا ہو گیا۔ اسی طرح حضور نے انھیں اکیدر بن عبدالملک والی دومۃ الجندل کی جانب بھیجا۔ انھوں نے اسے قید کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر کیا۔ آپ نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اس شخص سے مصالحت فرمالی۔ پھر انھیں ہجرت کے دسویں سال بنی الحارث

بن کعب کے یہاں بھیجا یہ سب حضرت خالد کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

بارگاہ رسالت سے مضبوط تعلق

اس طرح خالد کا اسلام بہت اچھا رہا۔ انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا تعلق نہایت مضبوط رکھا۔ اس باب میں یہاں تک کہا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمرہ میں اپنے بال منڈوائے لوگ آپ کے بال لینے کے لئے سبقت کرنے لگے۔ حضرت خالد نے بھی پیشانی کے بال حاصل کرنے میں سبقت کی۔ اور انھیں محفوظ کر کے ایک ٹوپی اپنے لئے مخصوص کر لی۔ جس میں حضور کی پیشانی کے یہ بال آگے کی جانب حفاظت کے ساتھ جما دئیے۔ یہ اپنی لڑائیوں میں ان بالوں سے برکت حاصل کرتے تھے، وہ جس معرکے میں گھستے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول برکت کے لئے اور فتح ونصرت کے نیک شگون کے طور پر اس ٹوپی کو ضرور پہنتے۔

فتنہ ارتداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور مرتدین سے لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن کی وجہ سے عربی اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا عربوں میں پھوٹ پڑ گئی اور دین کی عمارت میں جنبش کے آثار نظر آنے لگے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے عرب کے جن سادات واشراف اور صاحبان عقل ودانش سے مدد لی۔ حضرت خالد بن الولید ان میں سب سے پیش پیش تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں کو مسیلمۃ الکذاب سے لڑنے کے لئے یمامہ کی سمت روانہ کیا حضرت خالد نے لڑائی کے موقع پر مسیلمہ کو مقابلے کیلئے للکارا تاکہ اس فتنے کی جڑ کٹ جائے اور اس کی آگ فرو ہو سکے۔ لیکن مسیلمہ حضرت خالد کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور پیٹھ دکھا کر بھاگا۔ مسلمانوں نے اس کے

ساتھیوں پر حملہ کر کے انھیں شکست دی۔ اس طرح حضرت ابوبکر نے طُلیحہ بن خویلد سے لڑنے کے لئے بھی حضرت خالد ہی کو بھیجا طلیحہ وہی شخص ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسے بھی حضرت خالد نے شکست دی اور جب اس سے لڑ کر فارغ ہوئے تو مالک بن نویرہ کی طرف روانہ ہوئے اور اسے بھی ہزیمت دے کر قتل کیا۔

مالک بن نویرہ[۱] کو حضرت خالد نے قتل کیا تو لوگوں نے ان سے اختلاف کیا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے اس کام کو ناپسند کیا یہانتک کہ جو امور شام میں مسلمانوں کے لشکر سے حضرت خالد کے معزول کئے جانے کا باعث ہوئے، ان میں یہ واقعہ اہم اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱؎ مالک بن نویرہ بھی انھیں لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ حضرت خالد کی فوجیں پہنچیں تو یہ لوگ مقابلے کی تاب نہ لائے اور مالک کے حکم سے منتشر ہو گئے۔ پھر حضرت خالد کے فوجی دستوں نے انھیں گرفتار کر کے پیش کیا، اور یہ سب حضرت خالد کے حکم سے قتل کر دیئے گئے ان میں مالک بھی شامل تھا۔ بنے اختلاف یہ بھی کہ حضرت خالد کی فوج کے بعض لوگوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے جب مسلمانوں کی اذان سنی تو انھوں نے بھی اذان دی (گویا اس طرح اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا) اس لئے مسلمان ان کا خون کرنے سے باز رہے، اور انھوں نے کہا اب ان لوگوں کا قتل جائز نہیں۔ ان حضرات میں جو اس خیال حامی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو قتادہ بھی شامل تھے۔ ابو قتادہ نے جب دیکھا کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے شادی کر لی تو انھیں یہ بات اور زیادہ کھلی۔ وہ لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت ابوبکر سے اپنے اختلاف کا حال بیان کر کے خالد کی شکایت کی۔ مگر آپ نے ابو قتادہ کے اس اقدام کو غلط قرار دے کر ان کو سختی کے ساتھ حضرت خالد ہی کے پاس واپس کر دیا۔ حضرت ابوبکر کا یہ عمل جنگی سیاست کے نقطۂ نظر سے بہت درست اور موزوں تھا۔ اس کے بعد جب حضرت خالد حضرت ابوبکر کے پاس لوٹے تو مالک کے معاملے میں اپنی فرو گذاشت کی معافی چاہی۔ (ادارہ)

ابھی حضرت ابوبکر مرتدین کی لڑائیوں سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے ملکوں کی فتوحات اور اسلام کی اشاعت کے لئے اسلامی فوجیں روانہ کر دیں چنانچہ ایک لشکر حضرت خالد بن الولید کی قیادت میں عراق کے اطراف میں بھیجا۔ ان کے ساتھ مثنیٰ بن حارثۃ الشیبانی بھی تھے۔ اس کے نتیجے میں ان عربی قبائل نے جو دریائے فرات کے جنوبی علاقوں میں رہتے تھے اطاعت قبول کر لی حضرت خالد اہلِ فارس پر غالب آئے اور حیرہ اور انبار پر فتح پائی۔ اب انھیں فتح پر فتح ہو رہی تھی کہ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خط اس مضمون کا پہنچا کہ "کوچ کرتے رہو یہاں تک کہ یرموک میں مسلمانوں کے لشکر سے جا ملو۔ کیونکہ یہ لوگ فکرمند ہو گئے ہیں اور غم میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔ اے ابو سلیمان، اللہ تمہارے اقدام اور نیت کو مبارک رکھے۔ تم اس کام کو پورا کرو۔ اللہ تمہارے لئے اسے پورا کرے۔ تمہارے دل میں خود پسندی نہ آنے پائے، ورنہ خسارے میں رہو گے اور رسوا ہو گے۔ اور خبردار کسی عمل پر فخر نہ کرنا کیونکہ بے شبہ احسان جتانا اللہ ہی کے لئے زیبا ہے اور وہی ثواب و جزا کا مالک ہے"

جس زمانے میں مسلمانوں کو عراق میں پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں، شام سے خبریں آئیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح میں رومیوں کی مدافعت کی قوت نہیں رہی اس لئے حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کی مدد حاصل کی اور انھیں شام کے اسلامی عساکر کی کمک کے لئے روانہ کر دیا۔ حضرت خالد عراق میں مثنیٰ بن حارثہ کو مسلمانوں کے لشکر کا سردار بنا کر دلاور بہادروں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور کوچ کرتے ہوئے بصریٰ پہنچے۔ اس وقت حضرت عبیدہ نے شرحبیل بن حسنہ کو بصریٰ بھیجا تھا اور انھوں نے اپنے اعداء دینیوں کو شکست دینے کی قوت نہ پائی۔ اس موقع پر صرف حضرت خالد ہی کی آمد سے

مسلمانوں کو نجات ملی جنھوں نے اس شہر پر اس کے والی "رومانوس" کی اعانت سے قبضہ کیا۔ یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے مسلمانوں کو قلعے کی سرنگ کے ذریعے شہر میں داخل ہونے کا راستہ بتا کر شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔

مگر حضرت خالد اس موقع پر شام کی طرف بادل ناخواستہ روانہ ہوئے تھے اور ان کے دل میں یہ خیال جم گیا تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت ابوبکر پر زور ڈال کر انھیں عراق سے دور کرایا ہے تاکہ اس ملک کی فتح ان کے ہاتھوں مکمل نہ ہو۔ جس وقت حضرت ابوبکر کا مذکورہ بالا مکتوب انھیں ملا تو انھوں نے کہا "یہ الاعیثر ابن ام شملہ (اس سے ان کی مراد عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے) کا کام ہے۔ انھوں نے مجھ پر حسد کیا کہ عراق میرے ہاتھوں فتح نہ ہو جائے۔

اب حضرت خالد نے معرکہ یرموک میں حصہ لیا جس میں مسلمانوں کے چاروں لشکر شریک ہوئے تھے یہ لشکر رومی فوجوں سے لڑنے کے لئے چالیس ہزار مجاہدین سے ترتیب دیا گیا تھا۔ رومیوں کی فوجوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار سپاہیوں سے زیادہ تھی۔ اس وقت حضرت خالد نے دیکھا کہ مسلمان رومیوں سے اپنی جماعتوں کا سہارا لئے ہوئے لڑ رہے تھے انھوں نے لشکر کو اس طرح مرتب کیا کہ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو قلب میں رکھا۔ عمرو بن العاص کو دایاں بازو اور یزید ابن ابی سفیان کو بایاں بازو سپرد کیا۔ اس کے بعد جنگ نہایت شدت سے ہونے لگی۔ اس معرکے میں حضرت خالد نے اپنے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس امید کو غلط نہ ہونے دیا جو انھوں نے ان الفاظ میں ظاہر کی تھی۔ "خدا کی قسم میں خالد بن الولید کے ہاتھوں رومیوں سے ان کے شیطانی وسوسے بھلوا دوں گا۔"

جن دنوں عرب یرموک میں رومیوں سے لڑنے میں مصروف تھے انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ کی وفات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اطلاع

ملی۔ حضرت عمر حضرت خالد کے اس موقف کا ذکر کرتے رہتے تھے جو انھوں نے مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلے میں اختیار کیا تھا اس لئے حضرت عمر نے حضرت خالد کو قیادت سے معزول کردیا اور ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ کو مقرر کردیا، مگر حضرت ابوعبیدہ کو اس بات سے شرم محسوس ہوئی کہ اس وقت حضرت خالد خلیفۃ المسلمین کا یہ خط پڑھیں۔ یہانتک کہ دمشق فتح ہوگیا صلح حضرت خالد ہی کے ہاتھوں عمل میں آئی اور صلح نامہ انھیں کے نام سے لکھا گیا۔

لیکن حضرت خالد ایسے شخص نہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ سے سرکشی کرتے یا ان کے حکم سے روگرداں ہوتے۔ وہ مسلمانوں کے اتحاد پر حریص تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اللہ کی رضاجوئی اور دین کی نصرت کے لئے جہاد میں متحد رہیں۔ انھوں نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو کہا "میں وہ شخص نہیں ہوں کہ امیرالمومنین کے حکم کی نافرمانی کروں، اس کے بعد بھی وہ حضرت ابوعبیدہ کی قیادت میں اسلام کے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑتے رہے۔

مگر حضرت خالد کو قیادت سے معزول کرنے میں بعض مسلمانوں کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے مختلف تھی۔ چنانچہ ابوعمرو بن حفص بن المغیرہ نے حضرت عمر سے کہا "آپ نے اس عامل کو معزول کردیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ اس جھنڈے کو گرادیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند فرمایا تھا" حضرت عمر نے اس کے جواب میں کہا "تم قرابت میں قریب ہو، کمسن ہو اور اپنے ابن عم پر غضبناک ہو"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد کو اس لئے معزول کیا تھا کہ انھیں اندیشہ تھا کہیں لوگ ان کی وجہ سے فتنے میں نہ پڑجائیں۔ حضرت عمرؓ

نے عزم کر لیا تھا کہ جب خالد حج سے واپس آئیں تو انھیں والی بنا دیں۔ اگر حضرت خالد کو ۲۱ھ میں موت نہ آلیتی تو وہ ایسا ہی کرتے حضرت خالد کی وفات کے متعلق ایک روایت تو یہ ہے کہ ان کا انتقال حمص میں ہوا اور ایک روایت میں ان کا مقام وفات مدینہ منورہ بیان کیا گیا ہے [۱]

جب حضرت خالد کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے کہا، میں نے جہاں جہاں گمان ہو سکتا تھا شہادت طلب کی، مگر میرے لئے اس کے سوا مقدر میں کچھ نہ تھا کہ اپنے بستر پر مروں۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے (یعنی مسلمان ہونے) کے بعد اس رات کے ہوتے ہوئے جو میں نے ڈھال لگائے ہوئے اس حال میں گزاری کہ آسمان صبح تک پانی برساتا رہا یہاں تک کہ کفار کا نقشہ بدل گیا۔ مجھے کسی اور عمل کی تمنا نہیں۔

پھر کہا۔ "جب میں مر جاؤں تو میرے اسلحہ اور گھوڑے کا خیال رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں تیاری کے لئے دے دینا۔

ان کا جنازہ نکلا تو امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ یکایک حضرت خالد کی والدہ کو ان کا نوحہ کرتے اور یہ کہتے ہوئے سنا ؎

---

[۱] فتنے سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے کے مسلمان عام طور سے اور مجاہدین خاص طور سے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ فتوحات جو ہو رہی ہیں یہ سب حضرت خالد ہی کی وجہ سے ہیں فتح صرف اللہ کی طرف سے اور حق کی وجہ سے ہوتی ہے۔

خالد بن الولید کی معزولی کے اسباب میں ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اخراجات کے حسابات باقاعدہ دربار خلافت میں نہیں بھیجتے تھے دیوہ معزولی کے لئے دیکھئے الفاروق جلد ۱ صہ ۱۵۹۔

اَنْتَ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ اَلْفٍ مِنَ الْقَوْ
مِ اِذَا مَا کَفَتْ وُجُوْہُ الرِّجَالِ

(جس وقت بڑے بڑے مرد گوشے میں جا بیٹھتے تھے تم اس وقت قوم کے ایک لاکھ آدمیوں سے بہتر ہوتے تھے)

یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے کہا:-

تم نے سچ کہا بخدا، وہ بے شبہ ایسے ہی تھے۔ ولید کے گھرانے کی عورتوں کو چاہئے کہ "خالد پر اس وقت تک آنسو بہاتی رہیں جب تک دھاڑیں مار مار کر رونا نہ آئے۔

حضرت عمرو بن العاص

(وفات سنہ ۴۳ھ)

اب حضرت عمرو بن العاص کا ذکر کیا جاتا ہے جو عربوں اور مسلمانوں کے نہایت مشہور بہادروں اور اسلامی فتوحات کے عظیم المرتبت قائدوں میں سے تھے۔

عمرو بن العاص بنی سہم میں سے تھے جو قریش کے اصحاب حکومت شمار ہوتے تھے، یہ مکہ جیسے مقام میں شرفا کی اولاد کے ساتھ پروان چڑھے اور مکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں حجاز کی تجارتی وادبی تحریکات کا مرکز تھا جہاں ہر سمت سے عرب آآکر جمع ہوتے ایک دوسرے سے اجتماعی اطوار وآداب کا تبادلہ کرتے، باہم رزمیہ اشعار سناتے اس قسم کے مظاہروں سے ان کے بچوں اور لڑکوں میں عجیب طبعی خصوصیات شریفانہ خصائل اور ذہنی بیداری کے اوصاف خوب رچ جاتے تھے۔

اگرچہ قریش کے اندر لکھنے پڑھنے کا مستقل رواج نہ تھا اس کے باوجود عمرو بن العاص نے ایک پڑھے لکھے شخص کی حیثیت سے نشو ونما پایا۔ انھوں نے جب سے ہوش سنبھالا تجارت کا بے حد شوق تھا۔ تجارت کی بدولت ان کی شائستگی ودانشمندی میں بڑا اضافہ ہوا۔

عمرو بن العاص ان عربوں میں سے تھے جنکی نگاہوں نے بت پرستی کا عروج

و زوال دیکھا تھا۔ قریش میں یہ بھی اسلام دشمنی میں بہت سخت تھے۔ قریش نے اپنا جو وفد نجاشی کے یہاں اس غرض سے بھیجا تھا کہ مکے سے قریش کے جو لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے ہیں انھیں واپس لے آئے اس وفد کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا ان میں اپنے نئے دین کے ساتھ بڑا خلوص پیدا ہو گیا تھا۔ عمرو بن العاص کا ایمان بڑا قوی ایمان تھا۔

جب عمرو بن العاص اسلام لائے تو مسلمانوں کو بڑا رشک ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شجاعت اور زیرکی سے بھی بہت خوش تھے آپ نے انھیں سریہ ذات السلاسل کی قیادت سپرد فرمائی جس کے ارکان میں حضرت ابوبکر الصدیق حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابو عبیدۃ الجراح جیسے بڑے بڑے چیدہ مسلمان شامل تھے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہذیل کا سواع، نامی بت منہدم کرنے کے لئے جو سریہ روانہ فرمایا تھا اس کی قیادت بھی انھیں کے سپرد فرمائی۔ اس کے علاوہ عمان میں انھیں صدقہ کا والی مقرر فرمایا جہاں کے لوگ پہلے مجوسی تھے اور اب اسلام لا چکے تھے انھوں نے اس مقام پر اسلام کے ستون قائم کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے تک یہ عمان میں صدقات کے حاکم رہے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت خلافت کے بعد جب مرتدین کی شدید لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں جن کی بدولت مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہونے کو تھی اس وقت حضرت ابوبکر نے جن شرفائے عرب سے مدد لی ان میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے۔ اسی طرح انھوں نے بنی قضاعہ کو مطیع بنانے انھیں زکوٰۃ

ادا کرنے پر مجبور کرنے اور اسلام کی طرف لوٹانے میں بھی بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں۔

ابھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مرتدین کی لڑائیوں سے پوری طرح فارغ نہ ہوئے تھے کہ انھوں نے عراق اور شام کے شہر فتح کرنے کے لئے لشکر روانہ کر دیئے۔ اس موقع پر جو لشکر فتح فلسطین کے لئے بھیجا گیا اس کا قائد حضرت عمرو بن العاص کو بنایا۔ ان مہموں میں عمرو بن العاص جتنے معرکوں میں شریک ہوئے ان سب میں انھیں رومیوں کے مقابلے میں پے درپے فتح حاصل ہوتی رہی۔

شام و فلسطین کی لڑائیوں میں حضرت عمرو بن العاص کی ان نمایاں فتوحات نے خلیفتہ المسلمین حضرت عمر بن الخطاب پر واضح کر دیا تھا کہ ان میں کس قدر شجاعت ہے اور احتیاط و تدبر کی کتنی صفات پائی جاتی ہیں اس لئے حضرت عمر نے فتح مصر کی مہم خطرناک مشکلات کے باوجود عمرو بن العاص کے سپرد فرمائی، یہ ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو رومیوں کے زیر اقتدار قوموں کی نفسیات کو سمجھ سکتے تھے۔

اس میں کوئی تعجب کا مقام نہیں اس لئے کہ انھوں نے مصر کی فتح کو شام و فلسطین کے ملکوں میں قدم جمانے کا وسیلہ سمجھ لیا تھا۔ ان وجوہ سے مصر سے بھی رومیوں کا تسلط ختم کرنا اسی طرح ضروری تھا جس طرح شام و فلسطین میں اسے ختم کیا جا چکا تھا۔ اس کے علاوہ مصر کی دولت نے بھی عربوں کو اس کی فتح پر اکسایا۔ عمرو بن العاص زمانۂ جاہلیت میں مصر کی سیاحت کے وقت وہاں کے تمول سے واقف ہو چکے تھے اس لئے انھوں نے سوچا کہ اگر یہ ملک فتح ہو گیا تو عرب و اسلام کی مصلحت کے لئے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ ادھر قبطی قوم رومیوں سے اس لئے نفرت کرتی تھی کہ رومی ان پر محاصل کا

بوجھ لادتے رہتے تھے۔ قبطیوں کے دینی عقائد سے اختلاف وانکار کرتے تھے رومیوں نے انھیں شہریت کے حقوق سے بھی محروم کر رکھا تھا۔

جیسے ہی حضرت عمرو بن العاص کی فوجوں نے جو چار ہزار سے زیادہ نہ تھیں صحرا کو عبور کر کے قلعہ بابلیون کی طرف کوچ کیا اور دریائے نیل میں طغیانی کے زمانہ میں قلعہ کا محاصرہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی حضرت عمر نے چار ہزار مجاہدین کی کمک روانہ کر دی جن کی قیادت چار مشہور صحابیوں کے تفویض تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت زبیر بن العوام، مقداد بن الاسود، عبادہ بن الصامت اور مسلمہ بن مخلدؓ۔

پھر حضرت عمرو بن العاص نے قلعہ بابلیون فتح کر لیا اور اسکندریہ کی طرف روانہ ہوئے جو اس زمانہ میں ملک مصر کا دارالسلطنت تھا اور دنیا کے تمام شہروں میں سب سے زیادہ دولت مند، خوشحال اور تجارت و ثروت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ انھوں نے اسکندریہ سے رومیوں کو نکال کر اس ملک سے ان کا تسلط زائل کیا۔ عمرو بن العاص کی دوربین نگاہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ برقہ کو فتح کر کے مصر کی مغربی حدود کو محفوظ بنانا بہت ضروری ہے۔ وہ اس فتح کو مصر کی قدرتی توسیع[1] خیال کرتے تھے۔ اسی طرح انھوں نے عرب کا اقتدار ملک نوبہ تک وسیع کر دیا تھا تاکہ مصر کی حدود جنوب کی طرف سے محفوظ ہو جائیں اور اس طرح سے ملک کی اصلاح کا کام اطمینان سے انجام دیا جا سکے۔

اب شہر اسکندریہ میں مصر کا پایہ تخت بننے کی ویسی صلاحیت نہ رہی تھی جیسی سکندر کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ کیونکہ عرب ایک بحری قوم نہ تھے[2]۔

---

[1] امتداداً طبیعیا لمصر۔

[2] مولف کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے اسلئے کہ عرب اپنی جہازرانی میں بہت مشہور رہے ہیں۔ ادارہ

اس لئے ایک نیا پایہ تخت خشکی کے قطع پر اختیار کرنا ناگزیر تھا جہاں سے بلادعرب کے ساتھ روابط قائم رکھنا آسان ہو۔ اس غرض سے عمرو بن العاص کی نگاہ انتخاب فسطاط پر پڑی جو دریائے نیل اور پہاڑ اور کھیتوں سے قریب تھا۔ انھوں نے حصن بابلیون کے شمال میں اسلامی مصر کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کی۔ یہی وہ پرانی مسجد ہے جو آج کل جامع عمرو کے نام سے مشہور ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں جامع عمرو مصر کی سیاسی و اجتماعی تحریکوں کا مرکز بن گئی۔ یہ عمارت ایک عام مجلس سے مشابہہ تھی جس میں مسلمان جمع ہوا کرتے اور علمائے تفسیر و حدیث اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے،

اسی طرح عمرو بن العاص نے اس خلیج کو پھر سے کھدوایا جو دریائے نیل کو بحر احمر سے ملاتی تھی بعد میں یہ خلیج امیر المومنین عمر بن الخطاب سے منسوب ہو کر خلیج امیر المومنین کے نام سے مشہور ہوئی اس کے بعد جب المعز لدین اللہ الفاطمی کے قائد جوہر الصقلی کے ہاتھوں چوتھی صدی ہجری میں شہر قاہرہ کی بنیاد پڑی تو یہی خلیج خلیج قاہرہ کہلائی۔

عمرو بن العاص نے اپنی توجہ لشکر کی تنظیم پر بھی مبذول کی۔ اس کے لئے ایک وزارت قائم کی جو سپاہ کے معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس وقت سپاہ کی تعداد حصن بابلیون فتح کرنے کے بعد (۱۶۰۰۰ر۲۱) سے زیادہ نہ تھی۔ عمرو کے فرائض ولایت عام تھے، وہ محکمۂ قضا و نماز، خراج، سپاہ و پولیس سب کی نگرانی کرتے تھے۔ انھوں نے قضا کا محکمہ شریعت اسلامیہ کے احکام کے موافق منظم کیا تھا۔ ملک مصر کو اضلاع[۵۱] میں تقسیم کیا اور ہر ضلع میں ایک قبطی حاکم عدالت مقرر کیا جو غیر مسلموں کے دینی و شہری تنازعے ان کی شریعتوں کے مطابق

---

[۵۱] الکوز۔

فیصل کیا کرتا تھا۔ لیکن جب کبھی کسی عربی اور قبطی کے درمیان جھگڑا پڑتا تو داخواہ ایک ایسی مجلس میں حاضر ہوتے جو فریقین کے قاضیوں سے ترتیب دی جاتی تھی اس بات میں کسی تعجب کی ضرورت اس لئے نہیں کہ دینی معاملات میں سہولت پہنچانا اور مسلمانوں اور ذمیوں میں سے غیر مسلموں کے درمیان مساوات قائم رکھنا دین اسلامی کے اہم بنیادی اصول ہیں۔

قبطیوں کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص کا معاملہ ان کے نرم سلوک پر دلالت کرتا ہے یہ بات اس لئے بھی ان سے بعید نہیں معلوم ہوتی کہ قبطیوں نے انھیں مدد دی تھی اور فتح کی مہم کو ان کے لئے آسان بنا دیا تھا اس لئے عمرو بن العاص ان سے محبت کرتے ان کے درمیان عدل قائم رکھتے اور ان کے شہروں کی آبادکاری کا خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی پسندیدہ سیاست سے مصریوں کے دلوں میں عموماً اور قبطیوں کے دلوں میں خصوصاً گھر بنا لیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص فصاحت میں بہت مشہور تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو بات کرنے میں تتلاتے دیکھتے تو کہتے: "اس شخص کا اور عمرو بن العاص کا پروردگار ایک ہے"

عمرو بن العاص نے جو خط حضرت عمر کو لکھا تھا اس میں مصر کی تعریف کے ساتھ اس سیاست کی بھی تشریح کی تھی جس پر چلنے کا عزم انھوں نے کیا تھا۔ اس خط سے عمرو بن العاص کی بلاغت کا اندازہ واضح ہو جاتا ہے۔ خط کے اقتباس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے امیر المومنین آپ کو معلوم ہو کہ مصر کی زمین خاکستری رنگ کی اور اس کے درخت ہرے ہیں۔ طول میں اس کی مسافت ایک ماہ کی ہے اور عرض میں دس دن کی۔ اسے ایک خاکی رنگ کا پہاڑ اور خاک آلود ریت اپنے دامن میں لئے ہوئے

ہے اس کے وسط میں دریائے نیل نے اپنی جگہ بنا رکھی ہے جس کے صبح وشام مبارک اور بابرکت ہیں۔ اس میں بیشی وکمی اسی طرح جاری ہے جس طرح سورج اور چاند میں بیشی وکمی ہوتی ہے۔ اس کے مقررہ اوقات ہیں جو اس سے خوشحالی برساتے ہیں اور اس میں مکھیاں بکثرت ہوتی ہیں زمین کے چشمے اور نالے اسے بڑھاتے اور پھیلاتے ہیں"۔

اسی طرح وہ اپنی بلیغ اور حکیمانہ باتوں میں بھی بہت مشہور ہوئے ان کے اقوال عہد بہ عہد نقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ ان میں بعض یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

"عقلمند وہ نہیں ہے جو شر سے خیر کو پہچانتا ہے بلکہ وہ ہے جو دو برائیوں میں سے بہتر برائی کو پہچانے۔

عمرو بن العاص کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ دن انھوں نے حضرت معاویہ سے کہا:۔

شریف جب بھوکا ہوتا ہے تو حملہ کرتا ہے۔ کمینہ جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو حملہ کرتا ہے اس لئے شریف کی ضرورت پوری کرو۔ اور کمینے کو دفع کرو"

حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن العاص سے کہا:۔ لوگوں میں سب سے بلیغ کون ہے؟

انھوں نے جواب دیا:۔ جس کی رائے اس کی خواہش رد کرنے والی ہو۔

پھر پوچھا:۔ اور سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ کہا:۔

جو اپنی دنیا کو اپنے دین کی مصلحت میں صرف کرے۔

پوچھا:۔ اور سب سے بہادر کون ہے؟ کہا:۔ جو اپنی جہالت کو اپنے حلم سے دفع کرے۔

عمرو بن العاص کے درخشاں اقوال میں سے بعض یہ ہیں:۔

"ایک ہزار شرفا کی موت سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا ایک سفلے کے بڑھ جانے

سے پہنچ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے انھیں ایک خچر پر بیٹھا دیکھا جس منہ کے بال بڑھاپے سے کھچڑی ہو گئے تھے کسی نے کہا:۔

آپ اس خچر پر سوار ہوتے ہیں حالانکہ آپ مصر کے امیر ہیں؟ — انھوں نے جواب دیا:۔

میری سواری کا جانور جب تک مجھے سوار کرے اس کے لئے کوئی غم کی بات نہیں، میری بیوی جب تک میرے ساتھ اچھی طرح بسر کرے اس کے لئے اور میرا دوست جب تک میرے راز کا تحفظ کرے اس کے لئے کسی فکر کی بات نہیں ملال کی باتیں تو جو ملے اخلاق سے ہوتی ہیں۔

ان کا قول ہے "جب میں اپنا راز اپنے دوست پر فاش کر دوں اور وہ اسے ظاہر کر دے تو یہ اس کے لئے روا ہے۔ اس پر لوگوں نے کہا:۔ "یہ کیسے؟ کہا:۔ میں ہی اس راز کے محفوظ رکھنے کا زیادہ حقدار تھا۔

عمرو بن العاص عرب کے مشہور سیاست دانوں[1] میں سے تھے۔ واقعہ صفین میں جب حضرت علی بن ابی طالب کا لشکر فتح حاصل کرنے ہی والا تھا اس وقت عمرو بن العاص نے جو حیلہ ایجاد کیا، جس طرح نیزوں کی انیوں پر قرآن اٹھوایا حضرت علی کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جو اثرات پیدا کئے اور اپنی تدبیر سے ابوموسیٰ الاشعری پر جس طرح غلبہ پایا یہ سب واقعات عمرو بن العاص کے مذکورہ بالا وصف کی دلیل ہیں، خارجیوں کی اس جماعت کا قیام جو نہ صرف حضرت علی کی حکومت پر راضی ہوئے نہ حضرت معاویہ کی حکومت پر۔ اور شیعوں کے گروہ کا اپنی واضح شکل میں ظاہر

---

[1] دُہاۃ۔ ادارہ

ہونا، امیر معاویہ کا کامیاب ہونا اور خلافت کا ان کی طرف منتقل ہو جانا۔ بھی صرف عمرو بن العاص کی سیاست کا نتیجہ تھا۔

حضرت عمرو بن العاص بڑے خوش طبع اور حاضر جواب تھے، ایک دن حضرت معاویہ نے ان کی برجستہ گوئی کا امتحان لینا چاہا، اس موقع پر عمرو بن العاص نے ان سے کہا:۔

آپ کے پاس جو لوگ ہیں انھیں مجلس سے باہر کر دیجئے، معاویہ نے ان لوگوں کو رخصت کر دیا۔ عمرو بن العاص نے کہا:۔

اے امیر المومنین:۔ میں آپ سے کان میں بات کہوں گا۔ معاویہ نے اپنا سر ان کے قریب کر دیا۔ عمرو بن العاص نے کہا:۔

اس گھر میں ہمارے پاس ہے کون کہ میں آپ سے کان میں بات کروں؟

عمرو بن العاص کا انتقال عید الفطر کے دن ۴۳ھ میں ہوا۔ کتاب الحیوان الکبری میں روایت ہے کہ جب عمرو بن العاص کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان سے ان کے بیٹے نے کہا:۔ اباجان آپ ہم سے کہا کرتے تھے:۔

"کاش کہ میں کسی عقلمند اور ہوشیار شخص سے اس کی موت کے وقت ملتا تاکہ وہ جو کچھ دیکھتا بیان کرتا۔ ایسے شخص آپ ہیں، اس لئے موت کا حال مجھ سے کہئے۔ انھوں نے کہا:۔

اے بیٹے بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان نے زمین کو ڈھانپ لیا ہے۔ اور جیسے میں ایک سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں گویا ایک کانٹا میرے پاؤں سے سر تک کھینچا جا رہا ہے۔

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی   فی رؤس الجبال ارعی الوعولا

(کاش جو کچھ میرے لئے ظاہر ہوا ہے اس سے پہلے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہاڑی بکرے چرا تا رہتا)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۸ ق ھ تا سنہ ۳۶ ھ

نام و نسب اور خاندانی حالات

زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ ان کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں اس طرح یہ ایک طرف تو آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں دوسری طرف حضرت خدیجہ بنت خویلد زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کے لڑکے ہیں۔ ان کی والدہ نے ان کی کنیت ابو الطاہر اپنے بھائی زبیر بن عبد المطلب کی کنیت پر رکھی تھی مگر حضرت زبیر کی کنیت ابو عبد اللہ مشہور ہوئی۔

جب اسلام ظاہر ہوا تو حضرت زبیر ان لوگوں کے ہراول میں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کی سچائی کا اقرار کیا۔ یہ حضرت ابوبکر کے مسلمان ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسلام لائے۔ اس دین میں داخل ہونے والوں میں ان کا نمبر پانچواں تھا۔ ابھی یہ لڑکپن ہی کی منزل میں تھے کہ اللہ نے انھیں ہدایت عطا کی۔ اس ضمن میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ جس وقت یہ مسلمان ہوئے ہیں ان کی عمر پندرہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ ؎ (نوٹ دوسرے صفحے پر)

جب ان کے والد عوام کا انتقال ہوا اس وقت یہ چھوٹے تھے اور ان کی دیکھ بھال ان کے ماموں نوفل بن خویلد کیا کرتے تھے ان کی والدہ حضرت صفیہ ان کی تربیت پر بہت توجہ کرتی تھیں اور انھیں صحیح راہ پر رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتیں بلکہ جب یہ چھوٹے تھے ان کے ساتھ سختی کرتیں اور مارتیں، اس بات پر ان کے بھائی نوفل نے بہن کو ڈانٹا۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ اس طرح وہ اپنے بیٹے کے دل میں نفرت و عداوت پیدا کر دیں گی۔ حضرت صفیہ نے اس وقت بھائی کو جو جواب دیا اس سے بیٹے کے ساتھ ان کی محبت اور مصلحت اندیشی ٹپک رہی ہے انھوں نے رجز کے طور پر یہ شعر پڑھے ۔ ؎

من قال انی ابغضہ فقد کذب　　　وانما اضربہ لکی یلب

(جس نے یہ کہا کہ میں اس سے دشمنی کرتی ہوں۔ جھوٹ کہا۔ میں تو اسے اس لئے مارتی ہوں کہ وہ ہوشیار ہو جائے)

ویھزم الجیش ویاتی بالسلب　　　ولا یکن لمالہ خباء مخب

یاکل فی البیت من تمر وحب

(اور اس لئے مارتی ہوں کہ (وہ بہادر بن کر) لشکر کو شکست دے اور مال غنیمت لائے اور اس مال کو کوئی چھپانے والا چھپا نہ سکے اور گھر میں کھجور و دانہ کھائے)

ان حالات میں اگر حضرت زبیر نے سن شعور ہی سے قوت، ہیبت اور حق کو ترجیح دینے اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرنے کی صفات پیدا کر لی تھیں تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ یہ جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے نئے دین کے آداب سیکھے اور اس طرح سیکھے کہ

---

۵۱ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ سولہ برس کے تھے، بقول بعض بارہ برس اور ایک روایت کی بنا پر آٹھ سال کے تھے (مؤلف)

اس راہ میں جتنے صدموں اور تکلیفوں سے واسطہ پڑا ان میں سے کسی کی پروانہ کی۔ یہانتک کہ بیان کیا گیا ہے ان کا چچا انھیں چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور پھر ان پر دھواں کرتا تاکہ یہ اپنے دین سے پھر کر کفر کی طرف پلٹ آئیں. لیکن حضرت زبیر نے اس دین کو شدت سے پکڑے رہنے کے سوا کوئی بات نہ مانی جوان کا نہایت پختہ عقیدہ بن کر دل کی گہرائیوں میں جم چکا تھا۔ انھوں نے مشرکین کے ہاتھوں جوجو اذیتیں اٹھانی تھیں اٹھائیں اور مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مواخات

جب حضرت زبیر مکّے واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا تو ان میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود میں مواخات قائم کی۔ حضرت زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مخلص اور قوی الایمان صحابیوں میں سے تھے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یثرب کی جانب ہجرت کرنے میں سبقت کرتے ہیں اور مہاجرین میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں یہ بھی ان کے ساتھ اس شرف سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اہل یثرب بہت جلد حضور کے نہایت مضبوط اور راسخ العقیدہ انصار بن گئے تھے اس لئے جیسے ہی مہاجرین مدینے میں ٹھکانے سے بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تاکہ جو لوگ اپنا گھر بار اور مال و دولت مکّے میں چھوڑ آئے تھے ان کے دل سے ہجرت کا صدمہ کم ہو سکے۔ اس موقعہ پر آپ نے اور لوگوں کے علاوہ حضرت زبیر بن العوام اور مسلمہ بن سلامہ بن وقش کے درمیان مواخات قائم فرمائی اور یہ مواخات اس درجے پر پہنچ گئی کہ مواخات کرنے والے اس رشتے کو ایک سے دوسرے

تک وراثۃً منتقل کرنے لگے یہانتک کہ سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔ والذین آمنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولٰئک منکم واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔

لوگ جو ہجرت کے بعد ایمان لائے، ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ تمہارے ہی شمار میں ہیں اور ان میں سے جو رحمی قرابت والے (یعنی رشتہ دار) ہیں وہ کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حق دار ہیں۔

رسالت پناہ کیلئے جانبازی کا جذبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر جیسے عظیم المرتبہ صحابی کی شایان شان قدر کی۔ آپ ان کے اسلام کی طرف سبقت کرنے، آپ کی دعوت پر صدق دل سے ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کا حال خوب جانتے تھے۔ اسی طرح جہاد میں بھی ان کی اچھی طرح آزمائش کا حال آپ پر روشن تھا۔ کہتے ہیں سب سے پہلے اللہ کی راہ میں حضرت زبیر نے تلوار کھینچی۔ جب مسلمان مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضرت زبیر کو اطلاع ملی کہ کافروں نے حضور کو پکڑ لیا۔ یہ سنتے ہی وہ اپنی تلوار سے لوگوں کی صفیں چیرنے لگے اس وقت حضور مکے کے بالائی حصے میں تھے۔ آپ نے زبیر سے کہا: "اے زبیر تمہیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا:۔ مجھے یہ خبر دی گئی کہ آپ پکڑ لئے گئے ہیں" اس وقت آپ نے نماز پڑھی اور حضرت زبیر کے لئے اور ان کی تلوار کے لئے دعا فرمائی۔

غزوات میں شرکت

حضرت زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شرکت کی اس بارہ میں یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ آپ کی تمام جنگوں میں حاضر رہے ہیں۔ یہ جب جنگ بدر میں لڑ رہے تھے اس وقت زرد عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(آج) فرشتے بھی زبیر کی ہیئت میں اترے ہیں۔ جس وقت یہودیوں نے مسلمانوں سے جو عہد کیا تھا توڑ دیا حضور نے حضرت زبیر کو ان کی خبر لانے کے لئے بھیجا یہودیوں میں بنی قریظہ نے یہ حرکت قریش اور ان کے حلیفوں کے آنے کے بعد کی تھی اور ۵ھ میں مدینہ پر حملہ کر دیا اور خندق کو عبور کرنے کی کوشش کی۔

اسی طرح حضرت زبیر صلح حدیبیہ میں بھی موجود تھے۔ جن مسلمانوں نے بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت اور جنگ میں ان کی آزمائش، اور جہاد میں ان کے اخلاص کو اتنا پسند فرمایا کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:۔

جو لوگ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں سے کوئی دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔

تموّل اور خیر و برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار رحمت میں جگہ پانے کے بعد حضرت زبیر نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ مدینے ہی میں رہے اور حج کے سوا کسی موقع پر یہاں سے کہیں نہ گئے۔ یہ تجارتی مشاغل میں منہمک رہے جن سے ان پر مال و دولت کی بارش ہوتی رہی۔ ان کو گھر میں جیسی تربیت میسر آئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کی بدولت جو فیوض حاصل کئے تھے اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کے فضائل و آداب سے جو جو کمالات ان میں پیدا ہوئے تھے ان کے تموّل اور خیر و برکت میں ان سب باتوں کا بڑا دور رس اثر تھا۔ ایک دن کسی نے ان سے کہا:۔

آپ نے تجارت میں جو خیر و برکت پائی کس چیز سے پائی؟ انھوں نے جواب دیا:۔
اس بات سے کہ میں نے عیب کی ہوئی چیز نہیں خریدی اور کسی نفع کو رد نہیں کیا۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے۔ اسے برکت دیتا ہے۔

عہدِ فاروقی کا جہاد

لیکن حضرت زبیر کو جس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے بلایا تو انھوں نے اپنے تمول کی ذرا پروا نہ کی۔ حضرت عمر جنگ میں ان کی شجاعت و مہارت سے واقف تھے۔ جب عمرو بن العاص نے ان سے مدد طلب کی تو انھوں نے چار ہزار آدمی کمک میں روانہ کئے جن میں چار قائدین تھے اور عمرو بن العاص کو لکھا:۔

میں تمہیں چار ہزار اشخاص مدد کے لئے بھیج رہا ہوں جن میں چار آدمی مشہور صحابہ میں سے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ایک ہزار کے برابر ہے، یہ چاروں صحابی:۔ زبیر بن العوام، عبادۃ ابن الصامت، مقداد بن الاسود اور مسلمہ بن مخلد ہیں۔

جب مسلمانوں نے حصن بابلیون کے محاصرہ میں شدّت کی اس وقت حضرت زبیر کی بہادری خوب نمایاں ہوئی۔ انھوں نے اس موقع پر کلمۂ دین کی سربلندی کے لئے ایثار و قربانی کی نہایت اچھی مثالیں قائم کیں ــــ وہ دیکھتے جنگ ایک نازک موقع پر پہنچ گئی ہے اور حضرت زبیر یہ کہہ کر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں: یا فتح و ظفر ہے یا شکست و رسوائی ــ پھر اپنی جان کو اسلام پر فدا کرنے کے لئے کہتے ہیں:۔ میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کی نذر کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کی بدولت مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد وہ قلعے کے ایک طرف سیڑھی لگا کر چڑھتے ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں: "جب میری تکبیر سنو تو سب مل کر اس کے جواب میں تکبیر کہو"، اہل قلعہ کو غفلت کی حالت میں دیکھ کر حضرت زبیر قلعے کی چوٹی پر تکبیر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ مسلمان سیڑھی پر حملہ کرنے لگتے ہیں تو حضرت عمرو بن العاص اس ڈر سے کہ کہیں سیڑھی نہ ٹوٹ جائے انھیں منع کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت زبیر پھر تکبیر کہتے ہیں اور باہر سے مسلمان تکبیر کا جواب دیتے ہیں۔

اب اہل قلعہ کو اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ عرب سارے کے سارے گھس آئے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ بھاگ اٹھتے ہیں اور حضرت زبیر اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے قلعے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہیں اور اسے کھول دیتے ہیں ۔" اس طرح اس بہادر سپاہی اور مسلمان مجاہد نے شہر اسکندریہ کی فتح کا راستہ ہموار کر دیا جو اس زمانے میں ملک مصر کا پایۂ تخت تھا۔

ان حالات میں اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام کو اپنا حواری بنایا اور انھیں عشرۂ مبشرہ میں شمار فرمایا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اسی طرح جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے لئے چھ اشخاص انتخاب کئے تاکہ وہ ان کی وفات کے بعد اپنے درمیان سے کسی کو خلیفہ بنالیں اور ان چھ میں حضرت زبیر کو بھی رکھا تو یہ بھی کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ آپ نے حضرات صحابہ سے کہا:۔

تم لوگوں کا فرض ہے کہ اس گروہ کی پیروی لازمی جانو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساختہ رحلت تک راضی رہے اور جن کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اہل جنت ہیں

انتخاب خلیفہ کا موقع

(جب خلیفہ کا انتخاب ہونے لگا تو) ان چھ اشخاص میں سے جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے حامی تھے ان کے درمیان حریفانہ کشمکش پیدا ہوئی مگر حضرت زبیر نے ان دونوں کے حامیوں میں سے کسی کی جانب بھی اپنا میلان ظاہر نہیں کیا، بلکہ گوشۂ عافیت کو ترجیح دی اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے آپ کو خلافت کے دعویٰ سے نکال لیا تو انھوں نے عبدالرحمٰن ہی کی تائید کی۔ پھر جب خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹی تو حضرت علی نے بہت چاہا کہ اس شکر رنجی کے باوجود ایک زمانے تک ان کے اور حضرت زبیر کے درمیان

رہ چکی تھی حضرت زبیر کو ترجیح دیں اور انھیں اپنا مقرب بنائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست میں جو معارضہ درپیش ہوا اس میں حضرت زبیر نے کوئی شدت نہیں برتی بلکہ صحابہ نے اپنی تنقید اور نصیحت کا جو پہلو اختیار کیا اس میں یہ بھی ان کے شریک رہے۔ انھوں نے اس ہنگامہ میں وہ رویہ اختیار نہیں کیا جو مدینے اور دوسرے شہروں کے لوگوں نے قتل عثمان کے فتنے میں شریک ہو کر اختیار کیا تھا۔ اور جس کا نتیجہ بالآخر حضرت عثمان کی شہادت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے اس موقف کا لحاظ رکھا اور جس وقت لوگوں نے ان سے کہا :- حضرت زبیر کو خلیفہ بنا دیجئے تو انھوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند تھے اور آپ ان سے بہت محبت کرتے تھے "

مگر ان حالات کے باوجود ہم یہ نہیں جانتے کہ وہی زبیر جنھوں نے گوشۂ عافیت کو ترجیح دی اور ان باتوں میں منہمک نہیں ہوئے جن میں بعض مسلمان مشغول ہو گئے تھے، حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ سے کیسے جا ملے! بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح طلحہ ولایت یمن کی خواہش میں حضرت عائشہ سے مل گئے تھے زبیر ولایت عراق کے خواہاں تھے اور اسی غرض سے وہ ان دونوں کی صف میں شامل ہوئے۔ ان دونوں کو جس بات کی خواہش تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری نہ کی اس لئے انھیں آپ پر غصہ آیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جھجکنے لگے اس کے بعد دونوں نے حضرت علی سے بغاوت کرنے کا عزم کر لیا اب انھوں نے عمرہ ادا کرنے کے لئے حضرت علی سے مکہ جانے کی اجازت مانگی۔ مگر انکی باتیں آپ پر پوشیدہ نہ رہیں اور ان سے کہا :- خدا کی قسم تم دونوں عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے۔

اگرچہ حضرت زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے بھائی کے لڑکے تھے اس پر بھی انھوں نے ناصحوں کی نصیحت نہ سنی نہ مسلمانوں کی وحدت کا پاس رکھا بلکہ اس کے برخلاف ام المومنین حضرت عائشہ سے جا ملے جو اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں تاکہ خلافت کے حصول میں کامیاب ہوسکیں اور خود خلیفہ نہ بن سکیں تو ان کے بیٹے ہی کو خلافت مل سکے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے بیٹے تھے۔

شہادت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے چاہا کہ یوم جمل میں حضرت زبیر کو لڑنے سے باز رکھیں اس لئے آپ نے ان کو پکارا اور ان کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو ہنستے ہوئے پایا تو تم سے کہا تھا کہ تم عنقریب علی سے لڑو گے اور تم ان کے حق میں ظالم ہوگے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت زبیر کو یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے لڑائی سے چلے جانے کا ارادہ کیا اس وقت عمرو بن جرموز نے ان کا پیچھا کیا جو بنی تمیم میں سے تھا، اور انھیں اس مقام پر جو وادی السباع کے نام سے مشہور ہے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ جمادی الاول سنہ ۳۶ھ کا ہے۔ اس وقت حضرت زبیر کی عمر چھیاسٹھ سال تھی اور بقول بعض سڑسٹھ سال، لیکن حضرت علی رضی اللہ نامورانِ اسلام اور اکابر صحابہ میں سے کسی کے انتقال سے خوش نہیں ہوئے بلکہ انھیں حضرت زبیر کے اس واقعہ سے غم ہوا۔ جس وقت ان کے قتل ہونے کے بعد عبداللہ بن عباس حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا:- ابن صفیہ (یعنی حضرت زبیر) کا قاتل کہاں داخل ہوگا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:- دوزخ میں:-

جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے حضرت زبیر دین کے ارکان میں سے تھے اور پہلے شخص تھے جس نے اپنی تلوار اللہ کی راہ میں کھینچی جہاد میں ان کے معرکے مشہور ہیں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت زبیر کی تلوار میں ضربوں سے دندانے

نشانات تھے۔ دو جنگ بدر میں آئے تھے اور ایک یوم یرموک میں۔

حضرت زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ رہنے کے باوجود انکی حدیثیں تعداد میں بہت کم ہیں۔ زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں لکھا ہے:۔ میں نے زبیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کم روایت کرنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا:۔ میرے اور ان کے درمیان جو رحمی قرابت اور رشتہ تھا تم اس سے واقف ہو مگر میں نے انھیں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔

"جس شخص نے میری نسبت وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہیئے"

حضرت زبیر کا تمول حضرت زبیر بڑے دولتمند لوگوں میں سے تھے ان کی ثروت و تونگری بڑھتے بڑھتے ضرب المثل بن گئی تھی، بصرے، کوفے، فسطاط اور اسکندریہ میں ان کی مملوکہ زمینیں تھیں اور مدینے میں بعض مکانات تھے۔ ان کے دو ہزار غلام تھے جو انھیں خراج ادا کرتے تھے مگر اس رقم میں سے ایک درہم بھی ان کے گھر میں داخل نہ ہوتا تھا، بلکہ وہ سب کا سب تصدق کر دیتے۔ لوگوں کا قرض ان پر بہت ہو گیا تھا اور یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ انھوں نے جنگ جمل کے دن اپنے بیٹے عبداللہ کو نصیحت کی کہ ان کے مال میں سے ان کا قرضہ ادا کر دیں۔ حضرت عبداللہ نے یہ سارا قرضہ لوگوں کو ادا کر دیا اور ان جلیل القدر صحابی نے جب دنیا سے کوچ کیا تو یہ فقیر و مفلس تھے۔

حضرت زبیر کی مدح حضرت حسان بن ثابت کر چکے ہیں۔ انھوں نے حضرت زبیر کو اور صحابہ پر فضیلت دی تھی۔ جس طرح حضرت ابوہریرہ جعفر بن ابی طالب کو صحابہ پر ترجیح دے چکے تھے حضرت حسان نے جن اشعار میں حضرت زبیر کی تعریف

کی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اقام علی عهد النبی وهدیه حواریه والقول بالفعل یعدل

(وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور آپ کی عادت پر قائم رہے، وہ آپ کے حواری تھے اور قول وفعل میں مساوات رکھتے تھے)

اقام علی منهاجه وطریقه یوالی ولی الحق والحق اعدل

(وہ آپ کے طریقے اور مسلک پر قائم تھے اور صاحب حق سے دوستی رکھتے تھے اور حق ہی بڑا انصاف والا ہے)

لَهُ مِن رسول الله قربیٰ قریبة ومن نصرة الاسلام مجدٌ موثّلٌ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قریبی قرابت تھی اور اسلام کی نصرت میں انھیں مضبوط اور پائدار عزت حاصل تھی)

حضرت زبیر کو جہاد کے معاملے میں جو امتیاز حاصل تھا اور وہ جیسے جیسے فضائل سے آراستہ اور صدق ووفا وکرم کی صفات میں جیسے مشہور تھے ان سب کے باوجود ہمیں ان کی نسبت یہ کہے بغیر چارہ نظر نہیں آتا کہ یہ بھی اس فتنے میں مبتلا ہوگئے تھے جس میں بعض صحابہ نے شریک ہو کر وحدت اسلامیہ کو تباہ کر دیا اور مسلمانوں کے فرقوں اور گروہوں میں بٹ جانے کا باعث ہوئے جن کے آثار ان خونریز اور شدید لڑائیوں میں نمایاں تھے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان ہوئی تھی چنانچہ کچھ مدت بعد خلفائے راشدین کی حکومت زائل ہوگئی اور اس کی عمارت کے گرے پڑے آثار پر دولت امویہ قائم ہوئی۔ پھر تعلقات میں وہ روایتی ناہمواری جو زمانہ جاہلیت میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان پیدا ہوگئی تھی اور بڑھ گئی۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضؓ

۲۴ق ھ تا ۳۶ھ

نام ونسب

ہم اس مقالہ میں ایک اور عالی مرتبہ صحابی کا حال بیان کرتے ہیں۔ یہ ان پیشرو ناموران اسلام میں سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی رسالت ونبوت کی تصدیق کی ان کا نام ونسب طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم ابن مرہ بن کعب بن لوی القرشی ہے۔ ان کی والدہ کا نام صعبۃ بنت الحضرمی ہے۔ جو العلاء بن الحضرمی کی بہن تھیں اور یمن کے لوگوں میں سے تھیں۔

قبول اسلام

حضرت طلحہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ کہتے ہیں، اس دین داخل ہونے والوں میں سلسلے کے لحاظ سے ان کا نمبر آٹھواں ہے۔ ان کے مسلمان ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایک بار یہ سوق بصری (بازار بصری) میں تھے۔ جہاں عرب کے تجار زمانہ جاہلیت میں آیا جایا کرتے تھے۔ وہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ گئے تھے۔ اس مقام پر بحیرا نامی ایک راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نیند اور بیداری کے حالات پوچھنے کے بعد ان کے اندر نبوت کی علامات دیکھیں۔

اسی شہر میں حضرت طلحہ نے ایک راہب کو اپنی خانقاہ میں یہ کہتے

ہوئے منا۔ اس موسم کے لوگوں سے پوچھو کیا ان لوگوں کے درمیان کوئی حرم والا بھی ہے۔ حضرت طلحہ نے کہا: ہاں میں ہوں" پھر اس نے پوچھا: کیا احمد ظاہر ہو گئے؟ میں نے کہا: کون احمد: اس نے جواب دیا: عبداللہ کے بیٹے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں وہ نکلیں گے۔ وہ سب سے آخری نبی ہوں گے۔ ان کے ظاہر ہونے کی جگہ حرم ہے۔ ان کی ہجرت کا مقام نخلستان، حرہ اور رباخ ہے۔

راہب کی یہ گفتگو حضرت طلحہ کے دل میں گھر کر گئی اور وہ عجلت کے ساتھ مکے میں پہنچے اور اپنے دوستوں سے پوچھا: کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں: محمد الامین نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے، ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔" اب حضرت طلحہ یہاں سے بڑھ کر حضرت ابوبکر کے گھر گئے اور ان کے ساتھ ہو لئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کے ہاتھوں پر اسلام لائے۔ پھر آپ سے اس راہب کا واقعہ بیان کیا۔

حضرت طلحہ کو اپنے تجارتی مشاغل سے معنوی و ادبی فوائد حاصل ہوئے۔ یہ قدیم تہذیبوں والی مختلف قوموں سے ملے۔ ان اقوام کے سیاسی و اجتماعی حالات سے واقفیت نے بھی انہیں بڑی مدد دی اور ان کے عقلی مراتب و مدارج بڑھانے میں بڑا حصہ لیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت طلحہ کا دل قبول اسلام کے لئے پہلے ہی سے آمادہ تھا۔

حضرت طلحہ کا شمار ان چند مسلمانوں میں ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں عجلت و سبقت کی اور اسلام ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں اس دین کی مدد کرنے میں خاصی آزمائشوں سے سابقہ پڑا۔ حضرت طلحہ نے غزوات میں جو مشہور کارنامے انجام دیئے ہیں ان سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جس وقت غزوہ بدر

ہوا۔ یہ ملک شام میں مصروف تھے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اسلام میں ان کی سبقت اور دینی جدوجہد سے واقف تھے اس لئے آپ نے انھیں ان لوگوں میں شمار فرمایا جو اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ مال غنیمت سے ان کا حصہ مخصوص کرکے ان کے لئے محفوظ رکھا۔ اسی طرح حضرت طلحہ غزوہ احد میں بھی شریک ہوئے۔ اس غزوہ کے اخراجات کے لئے قریش نے وہ تمام مال و دولت مخصوص کر دیا تھا جو اس قافلے کے اندر موجود تھا۔ جس نے غزوہ بدر کا نزاع کھڑا کر دیا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت طلحہ نے خوب بہادری دکھائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔

<u>معرکۂ احد</u> جب احد کا معرکہ ہوا اور تیر اندازوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کی تعمیل میں ڈھیل ڈالی کہ "وہ اپنی اپنی جگہوں پر ڈٹے رہیں"۔ اور دشمن نے میدان جنگ میں جو اموالِ غنیمت اپنے پیچھے چھوڑے تھے انھیں جمع کرنے لگے تو خالد بن الولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) پہاڑ کو تیر اندازوں سے خالی دیکھ کر فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں پر ان کی پشت سے حملہ کر دیا ان کی پیٹھوں کو اپنے نیزوں کا ہدف بنالیا۔ مسلمان اس ناگہانی آفت سے گھبرا گئے اور ان کا نظام درہم برہم ہوگیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی۔ پھر جس وقت مشرکین میں سے ابن قمیہ نے چلا کر یہ کہا کہ "خبردار، محمدؐ قتل کر دیئے گئے"۔ تو یہ آفت اور بھی شدت پکڑ گئی۔ مسلمانوں نے ایک دوسرے کی مدد سے ہاتھ اٹھا یا۔ ان کے ایک گروہ کے دلوں پر یاس چھا گئی۔ لیکن حضرت طلحہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا، برابر آپ کی طرف سے مدافعت کرتے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر حضور اکرمؐ کی حفاظت کرتے رہے۔ اپنے ہاتھ پر تیروں کو روکتے روکتے ان کی انگلیاں

شل ہوگئیں۔ یہ بات حضرت طلحہ کے سچے ایمان، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کی فنائیت اور اسلام کی مدافعت پر قطعی دلیل ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی۔

اللہ تعالٰی نے حضرت طلحہ کو ایمانی قوت اور دینی اخلاص کے ساتھ بدنی قوت و دلاوری اور مضبوطی کی صفات بھی عطا فرمائی تھیں جو انھیں دین کی حفاظت میں مدد دیتی تھیں اور ان کے ہاتھوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اذیت دفع کراتی تھیں خواہ اس کام میں ان کے ہاتھ ہی شل ہو جائیں۔ مورخین اور اصحاب سیرت نے حضرت طلحہ کے جو حالات بیان کئے ہیں ان سے یہ صفات خوب واضح ہو جاتی ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت طلحہ گورے رنگ کے تھے جس پر سرخی جھلکتی تھی۔ میانہ قد اور خوبرو تھے۔ قد کوتاہی لئے ہوئے تھا سینہ چوڑا اور دونوں شانوں کے درمیان کافی فاصلہ لئے ہوئے تھا۔ پاؤں موٹے جب چلتے تیز چلتے۔ رفتار سے مستعدی، قوت اور جوش و سرگرمی ٹپکتی تھی۔ انھوں نے اپنی یہ تمام صفات دین کی اعانت میں صرف کیں یہاں تک کہ حفاظتِ رسولؐ کے لئے اپنی جان تک دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑ کی چٹان کی طرف چلے تا کہ اس پر چڑھیں۔ اس وقت آپ نیچے اوپر دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ آپ سے اس چٹان پر نہ چڑھا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپؐ کے نیچے بیٹھ گئے اور آپؐ ان کے اوپر سے اٹھ کر چٹان پر کھڑے ہو گئے۔

جانبازی و فداکاری حضرت طلحہ ایسے فدائیوں میں سے تھے جو لڑائی کی نہایت نازک ساعتوں میں لشکروں کے سامان کو خود سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ گزشتہ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران میں اس جنگ کے جن ذمہ دار لوگوں کا تذکرہ اخبارات میں

غیر فانی بن گیا ہے وہ جس فداکارانہ طریقے پر چلے دراصل اسے سب سے پہلے حضرت طلحہ ہی نے ایجاد کیا۔ دوسری عالمگیر جنگ کے ان لوگوں نے اپنی جانیں اپنے وطنوں پر قربان کر دیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو ان جنگی کارخانوں اور میگزینوں کے وسط میں ڈال دیا جنھیں وہ تباہ کر دینا چاہتے تھے (تاکہ دشمن کے ہاتھ نہ لگیں) اور ان کے ساتھ اپنی جانوں کو بھی اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا۔ آپ حضرت طلحہ اور ان کے ان دوستوں کو دیکھئے جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھ کر موت پر بیعت لی۔ ان لوگوں نے صبر و استقلال سے کام لیا اور حضور اکرمؐ پر اپنی جانیں چھڑکنے لگے۔ اس موقع پر جن اصحاب کی جان جانا تھی وہ ہنسی خوشی قربان ہو گئے۔ موت کی اس بیعت میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں یہ حضرات بھی تھے: حضرت ابوبکر، عمر، طلحہ، زبیر، سعد، سہل بن حنیف، اور ابودجانہ (رضی اللہ عنہم)۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے مکہ میں حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے درمیان مواخات قائم کر دی تھی۔ یہ مواخات ویسی ہی تھی جیسی مدینے میں آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم فرمائی۔ اس میں حضرت طلحہ اور حضرت ابوایوب الانصاری کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا گیا تاکہ مہاجرین کے دل سے ہجرت کا بوجھ ہلکا ہو جو اپنے گھر اور مال و دولت مکے میں چھوڑ آئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد جو اہم واقعات پیش آئے حضرت طلحہ نے ان میں بھی حصہ لیا۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہوئے۔ انھوں نے مرتدین کی خونریز جنگ میں بھی شرکت کی جو جزیرۃ العرب کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سامان بن گئی تھی اور جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی میراث تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی

حضور اکرمؐ نے اپنے مخلص متبعین میں جن میں طلحہ بن عبید اللہ جیسے لوگ شامل تھے جو قومی روح پھونکی تھی اگر موجود نہ ہوتے تو اس میراث کے فنا ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔

شوریٰ میں شرکت حضرت طلحہ ان چھ اشخاص میں سے تھے جنہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دیا تھا طلحہ اس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے اس کے باوجود حضرت عمر کا انھیں شوریٰ کے ارکان میں شامل کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اسلامی سیاست کے ممتاز مرکز سے کس قدر بہرہ اندوز تھے۔ حضرت عمر نے اس موقع پر فرمایا تھا: جب میں مر جاؤں تو تین دن تک مشورہ کرتے رہو، چوتھا دن صرف اس صورت میں آئے کہ تم میں سے کوئی امیر منتخب ہو چکا ہو۔ عبد اللہ بن عمر مشیر کے طور پر آئیں۔ طلحہ اس معاملے میں تمہارے شریک ہوں۔ اگر وہ ان تین دنوں میں آجائیں تو انھیں اپنے اس کام میں بلاؤ اور اگر انکے آنے سے پہلے تین دن گزر جائیں تو اپنا کام پورا کرلو۔"

حضرت طلحہ ان بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے حضرت علی کی خلافت کے لئے رائے دہی میں سبقت کی تھی لیکن یہ جلد ہی بدل گئے اس لئے کہ انھیں ولایت یمن کی خواہش تھی۔ جب حضرت علی نے والیوں کو مقرر کرکے بھیجا اور ولایت میں حضرت طلحہ کو کوئی حصہ نہ ملا تو یہ ان سے ناراض ہو گئے۔ ان کی شان میں کلام کرنے لگے۔ ان کی بیعت پر پچھتائے اور چلے جانے کا عزم کرلیا۔ چنانچہ حضرت علی سے عمرہ ادا کرنے کے لئے جانے کی اجازت مانگی۔ مگر ان کی یہ بات حضرت علی پر پوشیدہ نہ رہی اور آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے کہا: بخدا تمہارا ارادہ عمرہ کا نہیں ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طلحہ اور زبیر کا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا خلافت کے مطالبے کے لئے تھا۔ کہا گیا ہے کہ ان کے خروج کے

بعد مروان بن الحکم نے ان دونوں سے کہا۔" میں تم دونوں میں سے کس کو امارت سپرد کروں اور نماز کی اجازت دوں؟ تو عبداللہ بن الزبیر نے کہا: میرے باپ کو (یعنی حضرت زبیر کو) اور محمد بن طلحہ نے کہا: میرے باپ کو۔

شہادت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ ہونے والوں میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی تھے جنھوں نے بصرے کے سرداروں کو ہموار کرنے کا کام کیا اور خیرخواہوں کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ نہ مسلمانوں کے اتحاد کا پاس و لحاظ کیا جس کا شیرازہ منتشر ہونے کو تھا۔ یہ تینوں وسط جمادی الآخر ۳۶ھ میں حضرت علی کے لشکر کے مقابلے پر آئے۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ پر مروان بن الحکم نے تیر چلایا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ مروان حضرت طلحہ پر تہمت لگاتا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل پر لوگوں کو بھڑکا رہے تھے۔ وفات کے وقت حضرت چوسٹھویں سال میں تھے

ہمیں تعجب ہے کہ طلحہ جیسے جلیل القدر صحابی خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والوں میں جا ملے۔ حالانکہ ان پر خود یہ الزام تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر ابھار رہے تھے۔ اسی طرح ہمیں اس بات پر بھی حیرت ہے کہ حضرت طلحہ لوگوں کو حضرت علی کے خلاف بھڑکاتے تھے اس لئے کہ انھوں نے طلحہ کو یمن کی ولایت سپرد نہیں کی۔

بہر حال اس سے انکار ممکن نہیں کہ حضرت طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور خدمتِ دین میں فنائیت کے اوصاف میں تمام صحابہ سے

۱؎ اصل عبارت میں یہ الفاظ ہیں " قیل ان مروان بن الحکم قال لهما بعد خروجهما" لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سے سہو ہوا ہے کیونکہ مروان کے سوال کا جواب طلحہ اور زبیر کے بیٹوں نے دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سوال کے مخاطب بھی انکے بیٹے ہی ہوں گے۔ (ادارہ)

سے بڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے دین کی راہ میں بہت بڑی رقم صرف کی تھی
روایت ہے کہ ایک بار غزوہ ذی قرد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھارے پانی کے چشمے پر سے گزرے جسے "بیساں" کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ "نعمان" ہے اور اچھا ہے اس طرح آپ نے اس کا نام بدل دیا۔ حضرت طلحہ نے اس چشمے کو خرید کر مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے طلحہ تم یقیناً فیاض ہو" اس بنا پر حضرت طلحہ، طلحۃ الفیاض کہلائے۔

سفیان بن عبدالملک نے قبیصہ بن جابر سے روایت کی ہے کہ قبیصہ نے کہا میں طلحہ کے ساتھ رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ بکثرت مال بغیر سوال کے دیتے ہوئے کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت طلحہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں یحییٰ، موسیٰ اور عیسیٰ نے روایت کی ہے۔ اسی طرح قیس بن ابی حازم، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، احنف اور مالک بن ابی عامر وغیرہم نے بھی حضرت طلحہ سے حدیث روایت کی ہے۔

مقداد بن الاسود رضؓ

۳۷ ق ھ تا ۳۳ ھ

اسلام نے حریت، اخوت اور مساوات کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں اس نے بندہ و آزاد اور گورے اور کالے کو مساوی کر دیا ہے۔ انھیں لوگوں میں حضرت مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن مطرود البہرائی بھی ہیں جو قبیلہ بہرا کی طرف منسوب ہیں۔

نام و کنیت مقداد کے والد عمرو نے اپنی قوم کے کسی شخص کا خون کر دیا تھا اس لئے حضرموت بھاگا۔ پھر کندہ سے عہد و پیماں کیا اس لئے عمرو کو کندی کہتے ہیں۔ یہاں عمرو نے ایک عورت سے شادی کی جس سے ان کا بیٹا مقداد پیدا ہوا جب یہ لڑکا بڑا ہو کر جوان ہو گیا تو اس زمانے میں اس کے اور اس قبیلے کے ایک فرد کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مقداد نے اس کے پاؤں پر تلوار ماری مگر پھر وہ اپنی جان کو خطرے میں دیکھ کر مکّے کی طرف بھاگے اور وہاں الاسود بن عبد یغوث الزہری سے محالفت (پیمان دوستی) کی۔ الاسود نے انھیں اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس لئے یہ الاسود سے منسوب ہو کر المقداد بن الاسود بھی اسی طرح کہلائے جس طرح المقداد البہرائی اور المقداد الکندی کہلاتے تھے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی: اُدْعُوهُم

اِدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (انھیں ان کے باپ کے ناموں سے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ منصفانہ ہے)، تو حضرت مقداد کو المقداد بن عمرو کے نام سے موسوم کیا گیا۔ مگر مقداد بن الاسود کا نام مقداد بن عمرو کے نام پر غالب آگیا۔ اسی طرح مقداد کنیت میں ابوالاسود، ابوعمرو، ابومعبد اور ابوسعید کہلاتے تھے۔

مقداد ان لوگوں کی صف اول میں تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جنھوں نے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ یہ سابقین اوّلین (پہلے پہل ایمان لانے والوں) میں سے تھے۔ حضرت ابن مسعود نے روایت کی ہے کہ مکے میں جن لوگوں نے سب سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا وہ سات تھے اور ان ہی میں مقداد بھی تھے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جو نبی بھی ہوا اسے سات شریف مشیر[1] درفیق ضرور دیئے گئے اور مجھے چودہ دیئے گئے: حمزہ، جعفر، ابوبکر، علی، حسن، حسین، ابن مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ، ابوذر، مقداد اور بلال[2]۔

اس میں کوئی تعجب کی بات اس لئے نہیں ہے کہ حضرت مقداد کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے دل اسلام سے آباد تھے۔ اور جن کے دعوتِ اسلامی قبول کرنے کی صلاحیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] نجبا، وزرا اور رفقا

[2] مذکورہ ناموں کی تعداد ۱۳ ہوتی ہے؟ (ادارہ)

اطمینان تھا۔ ایمان داروں نے جو طرح طرح کی اذیتیں قریش کے ہاتھوں اٹھائی تھیں وہی مقداد کو بھی اٹھانی پڑیں مگر اس مشقت کے ہول سے ان کے عزم میں کمزوری پیدا نہیں ہوئی بلکہ دین کی راہ میں اس جبر و تشدد نے ان کے اندر دینی شجاعت اور جوش کو اور بھی بیدار کر دیا۔

حبشہ اور مدینے کی ہجرت

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مصائب کو دیکھا جو آپ کے صحابہ اٹھا رہے تھے تو آپ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ اس موقع پر دس مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان کا مجموعہ تراسی مرد اور سترہ عورتیں ہو گیا بچوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ مقداد بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔

اس زمانے میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے اہل بیت مکے میں ستم ستم کے خطروں اور شدتوں کا سامنا کر رہے تھے حضرت مقداد اور ان کے ہمراہی مہاجرین حبشہ میں غربت کی آفتیں جھیل رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو اہل یثرب میں ایک صالح ماحول مل گیا جو حضورؐ کے مدینے میں ہجرت فرمانے کے بعد اسلام کا قلعہ اور جماعت مسلمین کی پناہ گاہ بن گیا تھا اس کے بعد حضرت مقداد مہاجرین حبشہ کے ہمراہ حبشہ سے واپس آ گئے۔ اور مدینے میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر دعوت اسلام پھیلانے میں آپؐ کو مدد دیتے رہے اب مقداد نے آپؐ کے غزووں اور سریوں میں بھی حصہ لیا۔

غزوہ بدر میں

مقداد غزوۂ بدر کے عظیم معرکے میں بھی شریک ہوئے تھے جس میں مسلمانوں نے کافروں پر فتح پائی۔ مسلمانوں کو اس معرکے میں اتنا اعزاز حاصل

ہوا کہ انھوں نے اس غزوہ کو غزوۃ الفرقان کے نام سے موسوم کیا کیونکہ اس کی بدولت اللہ تعالےٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق نمایاں کر دیا اور اسلام کو عزت اور کفر کو ذلت دی۔ اس غزوہ میں حضرت مقداد کے کارنامے بہت قابلِ لحاظ تھے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قریش نے مسلمانوں کو روکنے کا عزم کر لیا ہے[1] تو آپؐ نے بڑے بڑے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر نے اپنی رائے دی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی تحسین کی۔ یہی حضرت عمر نے کیا۔ پھر مقداد بن عمرو اٹھے اور کہا: یارسول اللہ، آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کے لئے چلئے، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں، لہٰذا ہم آپؐ سے اس طرح نہ کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا "تم اور تمہارا رب جاؤ اور دونوں لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ بلکہ یوں کہیں گے کہ "آپؐ اور آپؐ کا رب جائیں ہم بھی آپؐ دونوں کے ساتھ لڑیں گے! خدا کی قسم جس خدا نے آپؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر آپؐ ہمیں برک الغماد بھی لے جائیں تو ہم اس سے ادہر آپؐ کے ہمراہ لڑنے میں اس وقت تک مصروف رہیں گے کہ وہاں جا پہنچیں! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تحسین فرمائی اور مقداد کے لئے دعا کی۔ حضرت مقداد عرب کے نامور شہسواروں میں سے تھے۔ ایک روایت ہے کہ وہ معرکۂ بدر کے

---

[1] عربی متن میں ان قریشا قد عقدوا العزم علی ان یمنعوا غیر المسلمین درج ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہوگا "کہ قریش نے غیر مسلموں کو روکنے کا عزم کر لیا ہے"۔ بظاہر اس عبارت میں سہو ہوا ہے۔ غیر المسلمین کے بجائے المسلمین چاہیئے۔ (ادارہ)

شہ سوار تھے اور پہلے شخص تھے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر لڑا۔

مقداد نے بدر کے بعد والے غزوات میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا اور دین کی اعانت و نصرت میں بڑی بہادری دکھائی۔ ہم انھیں غزوہ احد میں بھی مشرکین قریش اور ان کے حلیفوں سے لڑتا ہوا دیکھتے ہیں اور غزوہ خندق میں بھی جس کے اثرات اشاعت اسلام میں بڑے دور رس تھے۔ اسی طرح ہم انھیں خیبر میں بھی یہودیوں سے بر سرِ جنگ پاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقداد کی قوتِ ایمانی اور بہادری سے واقف تھے اس لئے ان کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپؐ نے مقداد کو اپنے چچا کی بیٹی ضباعہ بنت الزبیر بن عبد المطلب بیاہ دی تھی۔

شادی ایک دن مقداد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جو قریش کے متموّل لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے مقداد سے کہا: تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ مقداد نے جواب دیا: آپ اپنی بیٹی مجھ سے بیاہ دیجئے۔ اس پر عبد الرحمٰن غصہ ہوئے اور سخت سست کہا۔ مقداد نے اس بات کی شکایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کی۔ آپؐ نے فرمایا "میں تمہاری شادی کروں گا۔" پھر آپؐ نے اپنے چچا کی لڑکی ضباعہ بنت الزبیر بن عبد المطلب سے مقداد کی شادی کر دی۔ اس طرح حضور اکرمؐ نے ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت کے درمیان ایک کو دوسرے سے نہیں بڑھایا کیونکہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ان میں اپنے درمیان ترجیح کا اتنا ہی حق ہو سکتا ہے جتنا کہ حق پرستی کے لحاظ سے حاصل ہو سکتا ہے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں فرمایا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (بیشک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو تم

میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو)۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالےٰ نے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مطلع کیا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں: علی، مقداد، ابوذر اور سلمان۔

اسلامی فتوحات میں حصّہ | حضرت مقداد نے اسلامی فتوحات میں بھی حصّہ لیا۔ امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ان کے ایمان کی مضبوطی اور شجاعت کے معترف تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عمرو بن العاص نے خلیفۃ المسلمین سے مدد روانہ کرنے کی فرمائش کی تاکہ بابلیوں کے مضبوط قلعے اور اس کے بلند برجوں میں گھسنے کے کام آئے۔ جو طغیانی کے وقت دریائے نیل سے گھرا رہتا ہے اس وقت حضرت عمر نے چار ہزار کا لشکر بطور امداد ان کے پاس روانہ کیا جس کی قیادت چار بڑے صحابیوں کے سپرد تھی اور انھیں لکھا: میں نے تمھیں چار ہزار اشخاص سے مدد دی ہے۔ ان میں سے ہر ہزار پر ایک شخص قائد ہے جو خود ایک ہزار آدمیوں کی جگہ ہے ان کے نام یہ ہیں۔ زبیر بن العوام، مقداد بن الاسود، عبادۃ بن الصامت اور مسلمہ بن المخلد۔ یہ سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ بارہ ہزار سپاہی ہیں اور بارہ ہزار قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوتے"۔

حضرت مقداد اور ان کے ساتھیوں میں جتنی مہارت تھی اور انھوں نے فتح مصر میں جیسی کامیابی حاصل کی تھی اسے مسلمانوں نے اتنا پسند کیا کہ وہ کہہ اٹھے: عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے عمرو بن العاص کو آٹھ ہزار آدمیوں سے مدد دی ہے اور انھوں نے یہ جانا کہ ان چاروں قائدین میں سے ہر قائد ایک ہزار سپاہی کے برابر ہے مسلمانوں کا یہ قول ان لوگوں کی

امتیازی کارگزاری اور مہارت و شہرت کی بنا پر تھا۔

کسرا کے متعلق منقول ہے کہ اس کے یہاں ایسے بہادر تھے جنہیں لڑائیوں میں بڑی شہرت حاصل تھی جب وہ ان بہادروں میں سے کسی ایک کو اپنے پاس رکھنے کی ضرورت محسوس کرتا تو اس فائدہ کی جگہ لینے کے لئے اپنے لشکر میں ایک ہزار آدمیوں کا اضافہ کرتا۔

روایت حدیث | مقداد کو جتنی مہارت جنگ میں حاصل تھی اتنے ہی وہ دینی تفقہ میں مشہور تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ دورِ اول کے مسلمانوں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ جیسے بزرگوں نے اور تابعین میں حضرت عبدالرحمٰن ابی لیلی اور میمون بن ابی شبیب نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

مقداد سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: کہ جب قیامت کا دن ہوگا سورج بندوں سے قریب کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک یا دو سلائی کے فاصلے پر آجائے گا۔ اس وقت لوگ اپنے اپنے اعمال کے اندازے سے پسینے میں ڈوب جائیں گے ان میں سے کسی کی ایڑی تک پسینہ آئے گا، کسی کے گھٹنوں تک اور کسی کے کمر تک اور کوئی ایسا ہوگا جس کے منہ کو پسینہ لگام دے گا۔" اس وقت میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی "منہ کو لگام لگائے گا" کا مطلب واضح فرمایا۔

وفات | مقداد قد کے لمبے تھے ان کا رنگ کالا اور بال گھنے، آنکھیں بڑی اور بھویں

ملی ہوئی تھیں۔ اپنی داڑھی زرد رنگ سے رنگا کرتے تھے۔ جسم وسیع تھا۔ انکی ولادت کا سال ہمارے لئے متعین کرنا آسان نہیں۔ رہا سنہ وفات تو مورخین اور اصحاب سیرت تقریبًا اس پر متفق ہیں کہ انھوں نے ۳۳ھ میں جرف میں اپنی ایک زمین پر وفات پائی اور ان کی نعش مدینے لائی گئی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ستروں سال میں تھی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت مقداد کا سنہ ولادت ہجرت سے سینتیس(۳۷) سال قبل تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری پائی اس وقت ان کی عمر کا چوبیسواں برس تھا۔

ان کے سبب وفات کی نسبت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک بڑے پیٹ والے شخص تھے۔ ان کا ایک رومی غلام تھا۔ اس نے ان سے کہا: میں آپ کا پیٹ چاک کر کے اس کی چربی نکال لوں گا تو وہ ہلکا ہو جائے گا چنانچہ اس نے ان کا پیٹ چاک کیا اور پھر سی دیا۔ مقداد مر گئے اور غلام فرار ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

۲۸ ق ھ تا ۳۲ ھ

اب ایک اور جلیل القدر صحابی کا ذکر کیا جاتا ہے جو بجا طور پر امام المحدثین اور شیخ القرار شمار کئے جاتے ہیں اور تمام لوگوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل سے زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ صاحب السواد والسواک (یعنی کاتب اور مسواک دار) کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا نام ہے عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ ابن مخزوم۔ یہ بنی ہذیل میں سے تھے۔

ان کے والد مسعود بن غافل، عبداللہ بن الحارث بن زہرہ کے حلیف تھے ان کی والدہ ام عبد بنت عبدود بن سواد بھی بنی ہذیل سے تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ابن ام عبد کے نام سے مشہور رہیں۔

ان حالات سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ حضرت عبداللہ غریب ماں باپ سے پیدا ہوئے جو قریش کے حلیفوں میں سے تھے۔ ان کا تعلق ایسے ضعیف الحال لوگوں سے تھا جو دوسرے قبائل کے ظلم سے اپنی جانیں بچانے کے لئے بڑے بڑے قبیلوں کی پناہ لیا کرتے تھے۔

قبول اسلام

پھر اسلام کا نور پھیلا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشارت

دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر نبوت عطا کی گئی۔ آپؐ نے کمزوروں اور فقیروں کے لئے اپنی حمایت کا دامن پھیلایا اور لوگ آپ پر ایمان لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ان حلیف اور ضعیف الحال لوگوں میں سے تھے جنھوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو لبیک کہا۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یہ بکریاں چرا رہے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ ان کے ساتھ حضرت ابوبکر الصدّیق بھی تھے آپؐ نے فرمایا: اے لڑکے کیا تمہارے پاس تھوڑا دودھ ہے؟ عبداللہ بن مسعود نے کہا: جی ہاں۔ لیکن میں صاحب امانت ہوں۔" فرمایا: میرے پاس ایسی بکری لاؤ جس سے نر نے جفتی نہ کی ہو۔ وہ ایک بکری لے آئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان دبا کر اس کے تھن پر ہاتھ پھیرا اور دعا کرنا شروع کی یہاں تک کہ دودھ اتر آیا اور برتن اس سے بھر گیا۔ حضرت ابوبکر نے اور اس کے بعد آپؐ نے پی لیا۔ پھر آپؐ نے تھن سے کہا۔ "سکڑ جا۔" وہ سکڑ گیا اور جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ آپؐ سے اس لڑکے یعنے عبداللہ نے کہا۔" یا رسول اللہؐ مجھے بھی یہ کلام سکھا دیجئے۔" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔" تم سیکھے ہوئے لڑکے ہو۔" [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود کا اسلام لانا ایک عظیم الشان واقعہ تھا جسنے ان کی زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے پاس رکھا اور اپنا مقرب بنایا۔ وہ حضورؐ کے گھر میں بغیر پردے

---

[1] یعنی آگے چل کر تمہارے ذریعے علم کی بڑی خدمت ہوگی۔

کے آتے جاتے تھے۔ آپ کو جوتیاں پہناتے، آپؐ کے ساتھ چلتے، جب آپؐ غسل فرماتے تو آپؐ کے لئے پردہ کرتے، جب آپ سوتے تو خواب سے بیدار کرنے کی خدمت انجام دیتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے اور ان پر بھروسہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لئے اس بات سے راضی ہوں جس سے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) راضی ہوئے۔ اور ان کی اس بات سے ناراض ہوں جس سے ام عبد ناراض ہوئے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے: ام عبد کی دوستی کو مضبوطی سے پکڑو، پھر فرمایا: عبداللہ کا پاؤں (قیامت کے دن) ترازو میں احد سے زیادہ بھاری ہوگا اور شرح کے طور پر فرمایا یعنی ابن مسعود کا پاؤں غزوۂ احد کے ثواب کے برابر ہوگا۔

اسلام کی راہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رسول اللہؐ کے رنج و راحت میں شریک رہتے تھے اس لئے انھیں جیسے جیسے دباؤ اور عذاب کا سامنا کرنا پڑا اس سے دوچار ہوئے پھر جب مسلمانوں نے قریش کے ظلم و شدت سے اپنی جانوں اور دین کو سلامت رکھنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو عبداللہ بن مسعود بھی انکے ساتھ ہو لئے۔ یہ ایمانی قوت اور حق گوئی کی جرأت میں اپنے دوستوں میں مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مکے میں قرآن آواز سے پڑھا۔ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی اکٹھا ہوئے اور کہا: بخدا یہ قرآن قریش نے کسی کو آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ اس لئے ایسا شخص کون ہوگا جو انھیں سکھادے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں۔" انھوں نے کہا: ہمیں ان کی طرف سے تمہاری نسبت اندیشہ ہے، ہم تو ایسا شخص چاہتے ہیں جس کا خاندان ہو جو قوم سے

اس کا بچاؤ کرے۔ حضرت عبداللہ نے کہا۔"تم لوگ مجھے جانے دو، میری اللہ حفاظت کرے گا۔ وہ صبح کو قریش کی محفلوں میں پہونچے اور اپنی آواز بلند کرکے کہا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور قرآن سکھایا۔ عبداللہ ان کے سامنے آئے اور ان میں قرآن پڑھا۔ ان لوگوں نے سوچا اور کہنے لگے: ابن ام عبد کیا کہتا ہے، پھر انھوں نے کہا۔ محمدؐ جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ پڑھ رہا ہے، اور وہ عبداللہ کے منہ پر مارنے لگے اور عبداللہ پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے قرآن میں سے جتنا اللہ نے چاہا تھا اتنا پہنچا دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود اپنے دوستوں میں واپس ہوئے تو انھوں نے کہا: ہمیں تمہارے لئے اسی بات کا ڈر تھا۔ عبداللہ نے جواب دیا: اللہ کے دشمن میرے لئے جتنے اب سہل ہو گئے اتنے کبھی نہ ہوئے تھے۔ اگر تم لوگ چاہو تو میں کل صبح بھی ان کے پاس اسی طرح جا پہنچوں۔ انھوں نے کہا تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے، تم نے انھیں وہ سب کچھ سنا دیا جس سے وہ لوگ نفرت کرتے ہیں۔

مواخات اسی روح اور جذبے کے ساتھ عبداللہ بن مسعود نے ان تمام بڑے بڑے واقعات میں حصہ لیا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیش آئے۔ انھوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ وہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود اور زبیر بن العوام اور سعد بن معاذ کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ حضورؐ کے دل میں حضرت عبداللہ کے ایمان کی جتنی قدر تھی اور مسلمانوں کے درمیان انھیں جو درجہ حاصل تھا مواخات کے اس واقعہ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ابوجہل کا قتل عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شرکت

کی - بدر - احد - خندق اور بیعۃ الرضوان وغیرہ تمام معرکوں میں شریک ہوئے
یہ عبداللہ بن مسعود ہی تھے جنہوں نے ابو جہل جیسے بدترین دشمن اسلام کو
قتل کیا - ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں بدر کے دن
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے
ابوجہل کو قتل کر دیا ہے - فرمایا: قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں
کیا واقعی تم نے اسے قتل کر دیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں - پھر آپ کی خوشی کم ہوئی
اور فرمایا: چلو مجھے اسے دکھاؤ (عبداللہ کہتے ہیں)، پھر میں حضورؐ کے ساتھ چلا
یہاں تک کہ آپؐ کوے کر ابوجہل کے سر پر جا کھڑا ہوا - اس وقت (ابوجہل کی
نعش کو مخاطب کر کے) فرمایا: سب تعریف اس اللہؓ کے لئے ہے جس نے تجھے
ذلیل کیا، یہ اس امت کا فرعون ہے - پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ نے اسکی
تلوار مجھے مال غنیمت میں دی"

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جوار قدس میں جگہ پائی تو عبداللہ
بن مسعود حضورؐ کے دل سے سب لوگوں سے زیادہ قریب تھے - آپؐ نے فرمایا
اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو بلاشبہ ابن ام عبد کو امیر بناتا - عبدالرحمٰن
بن زید النخعی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ہم حذیفہ کے پاس گئے اور
ہم نے کہا: ہم سے اس شخص کا حال بیان کرو جو خلق، عادت اور سیرت میں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہو - حذیفہ نے کہا خلق، سیرت
اور وضع وہیئت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب عبداللہ بن مسعود تھے

کتابت وحی | حضرت عبداللہ بن مسعود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتبان وحی میں سے
تھے یہاں تک کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سورتیں ایسی
حاصل کی ہیں جن میں کسی نے مجھ سے اختلاف نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن مسعود کی روایت

پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے فرمایا: قرآن چار آدمیوں سے پڑھواؤ اور شروع میں عبداللہ بن مسعود کا نام لیا۔ اسی طرح فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ قرآن کو اسی تازگی کے ساتھ پڑھے جس میں وہ نازل ہوا ہے تو اسے قرآن ابن ام عبد کی قرات سے پڑھنا چاہیئے۔ ان وجوہ سے اگر حضرت عبداللہ بن مسعود شیخ القراء اور امام المحدثین ہو گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

عہد صدیقی و فاروقی | عبداللہ بن مسعود جس حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہرہ اندوز تھے اسی سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانوں میں بھی مستفید رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ارادہ کیا کہ کوفہ میں کسی ایسے امام کو بھیجیں جو لوگوں کو تعلیم دے تو انھوں نے عبداللہ بن مسعود کو انتخاب کیا اور کہا: میں نے عمار بن یاسر کو تمہارے لئے امیر اور عبداللہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے شریف صحابیوں اور اہل بدر میں سے ہیں اس لئے ان کی پیروی کرو اور انکی بات سنو۔

عہد عثمانی | جب حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن مسعود کوفے ہی میں رہے۔ جہاں وہ قرآن پڑھاتے، حدیث کی روایت کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان نے چاہا کہ قرآن کریم میں سستی اور غفلت برتنے سے جو نتائج نکل سکتے ہیں ان کی تلافی کے لئے قرآن مجید کے نسخے کروائیں چنانچہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے فوراً حضرت عثمان کے پاس صحیفے بھیجے تاکہ ان سے کئی نقلیں کروا کر شہروں میں بھیج دیں۔ اس کام کو حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام سرانجام دینے لگے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود جو حضرت زید سے عمر اور مرتبہ
میں زیادہ تھے اس کے باوجود حضرت عثمان کا انھیں اس معاملہ میں نظر
انداز کر دینا عبداللہ کی برہمی کا باعث ہو گیا۔ اور انھوں نے لوگوں کے
سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی: کیا لوگ مجھے اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ میں
زید بن ثابت کی قرأت پر قرآن پڑھاؤں، اس ذات کی قسم ہے جس کے
ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے ستر سورتیں خود رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کے دہن مبارک سے اخذ کی ہیں۔ بخدا قرآن میں سے جو بات بھی
نازل ہوئی ہے میں اس کے متعلق ضرور جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں ہے
اللہ کی کتاب کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، اگر مجھے کسی ایسے شخص
کا علم ہو جس کے پاس مجھے اونٹ پہنچا دے اور یہ معلوم ہو کہ وہ "قرآن کریم
کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو میں ضرور اس کے پاس پہنچوں گا! یہ سن کر
حضرت عثمان نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ وہ مدینے چلے آئیں۔ ادھر ان کے
دشمنوں نے اس بات سے حضرت عثمان کے مقابلے کے لیے فائدہ اٹھانا چاہا۔ لیکن
حضرت عبداللہ نے اپنا دامن اس سے پاک رکھا۔ وہ حضرت عثمان خلیفۂ وقت
کے حکم کی تعمیل کے سوا کسی بات پر آمادہ نہ ہوئے اور یہ کہا: اس طریقے سے
ایسے معاملات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے کہ میں نہیں چاہتا کہ ان کا دروازہ
کھولوں۔" پھر وہ مدینے چلے گئے اور مرتے دم تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ
کا احترام کرتے رہے۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے دامن کو
اس آلائش سے پاک رکھا جس سے دوسرے صحابہ کے دامن آلودہ ہو
گئے تھے۔

وفات حضرت عبداللہ بن مسعود نے ۳۲ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن

کئے گئے۔ ان کے جنازہ کی نماز حضرت عثمان نے پڑھائی۔ ان کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ ان کے ساتھ ناموران اسلام میں سے ایک بڑے نامور بزرگ کی کتاب زندگی تہ ہو گئی جو کاتبِ وحی، امام القرار اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے عزیز و محبوب صحابی تھے۔

حضرت عبداللہ کوتاہ قد اور لاغر تھے۔ طویل القامت لوگ جس وقت بیٹھے ہوتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود کھڑے ہو کر بھی قریب قریب ان کے برابر رہتے۔ مگر اس پست قامتی سے ان کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ ان کے علم، ایمان اور جہاد نے ان کو نیکوکار شہدار کی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تاریخ سچی اسلامی جمہوریت کی تصویر پیش کرتی ہے جو غلام اور حلیف کو بھی اشراف اور سرداروں کی صف میں پہنچا دیا کرتی ہے۔ ایسے کتنے شریف ہوں گے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت عبداللہ کا مرتبہ دیکھ کر ان پر حسد کیا حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضورؐ کی خوشنودی حاصل رہی اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا اور صدیقین و صالحین میں شامل ہوئے ❊

حضرت ابوذر الغفاری

وفات ۳۱ھ

اب ایک اور بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر الغفاری کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ بھی عرب کے ان پیشرو لوگوں میں سے ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی رسالت کی تصدیق کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور جن کی زندگی اسلامی تسامح (یعنی سہولت و نرمی) اور معدلت گستری کی ایک نہایت اچھی اور قابل تعریف مثال تھی۔

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ بن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر ابن حرام الغفاری[۱] قبیلہ غفار کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی والدہ رملہ بنت الوقیعہ بنی غفار میں سے تھیں۔ جن کا قیام قریش کے جانب شام والے تجارتی راستے میں رہتا تھا۔ اور مکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے یمن و حبشہ اور شام کے درمیان تجارت کا مرکز تھا۔

اسلام ابوذر کا شمار ان لوگوں میں سے ہے جو اسلام کی طرف سبقت کرنے والے یا سابقین اولین کہلاتے ہیں۔ ان کی اس خصوصیت کی نسبت یہاں تک کہا گیا ہے کہ

---

[۱] ایک قول یہ بھی ہے: جندب بن جنادہ بن سفیان، بن عبید ابن حرام بن غفار بن ملیل بن حمزہ ابن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکۃ الغفاری۔ (مولف)

یہ اسلام لانے والوں میں چوتھے شخص ہیں[۱]۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ یہ بیان کیا ہے۔ کہ جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا: اس وادی کی طرف سوار ہو کر جاؤ اور مجھ سے اس شخص کا حال بیان کرو۔ جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اور جس کے پاس آسمان سے بھلائی آتی ہے۔ اس کی باتیں اس سے سنو اور مجھے پہنچاؤ۔ ان کے بھائی گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ کی باتیں سنیں پھر ابوذر کے پاس واپس ہوئے اور ان سے کہا: میں نے انھیں مکارم اخلاق کا حکم دیتے اور ایسا کلام پڑھتے ہوئے سنا جو شعر نہیں ہے۔ حضرت ابوذر نے جواب دیا میں نے جو کچھ چاہا تھا۔ اس کی نسبت تم نے میری تشفی نہیں کی۔ پھر وہ مکے پہنچ کر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب رات آگئی تو مسجد میں لیٹ گئے۔ پھر جب حضرت علی بن ابی طالب کو دیکھا تو یہ ان کے پیچھے ہو لئے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ پوچھی۔ اسی میں صبح ہوگئی۔ اب ابوذر پھر مسجد میں آگئے اور دن بھر اسی کے سائے میں گزارا جب شام آئی تو پھر خوابگاہ کی طرف لوٹے ان کے پاس سے حضرت علی کا گزر ہوا جنہوں نے ان سے کہا: کیا ابھی اس شخص کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ وہ اپنی منزل سے مطلع کرے؟ پھر وہ ان کے ساتھ چلے۔ اب بھی دونوں میں سے کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ یہاں تک کہ تیسرا دن ہوا تو اس دن بھی حضرت ابوذر نے وہی طریقہ اختیار کیا جو پچھلے دو دنوں میں اختیار کر چکے تھے۔ حضرت علی نے انھیں کھڑا کر کے ان سے کہا: کیا تم مجھ سے یہ بیان نہ کرو گے کہ کس لئے آئے ہو؟ انھوں نے کہا: اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں

---

[۱]۔ ایک دوسری روایت کے لحاظ سے ابوذر الغفاری پانچویں مسلمان ہیں۔ (مؤلف)

کہ میری رہبری کریں گے۔ تو میں بیان کروں گا۔ حضرت علی نے وعدہ کیا اور ابوذر نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ پھر حضرت علی نے ان سے کہا: وہ سچے ہیں۔ اور بے شبہ وہ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم صبح کو اٹھو تو میرے ساتھ ہو لینا۔ اس وقت اگر میں کوئی ایسی بات دیکھوں گا جس میں تمہارے لئے اندیشہ ہو تو اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا گویا میں پانی بہا رہا ہوں۔ اگر بڑھ جاؤں تو تم میرے پیچھے چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں جاؤں تم بھی آجانا۔ ابوذر نے ایسا ہی کیا۔ اور ان کے پیچھے چلتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے آپ کی باتیں سنیں اور اسی وقت اسلام لے آئے۔ اس وقت حضور نے ان سے فرمایا: اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انھیں باخبر کرو۔ یہاں تک کہ میرا حکم تمہیں پہنچے۔ ابوذر نے کہا: خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں تو ان کے سامنے اسے پکار پکار کر کہوں گا۔ پھر وہ روانہ ہو کر مسجد میں آئے اور بلند آواز سے پکار کر کہا: "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ" لوگ ان کی طرف چل پڑے اور انھیں مارتے مارتے لٹا دیا۔ حضرت عباس آئے اور ابوذر کو ان کی ایذا رسانی سے بچایا اور کہا: تمہارا برا ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ یہ شخص غفار کا ہے۔ اور یہ شام کی طرف جانے کیلئے تمہارے تاجروں کا راستہ ہے؟

دوسرے دن حضرت ابوذر نے پھر ویسا ہی کیا اور ان لوگوں نے انھیں

بھی حضرت عباس نے انھیں ان لوگوں سے بچایا۔

مدینے کی ولایت | حضرت ابوذر مدینے آنے والے مہاجرین اولیں میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اس وقت تک مکے ہی میں رہے جب تک بدر اور احد کے غزوات نہ

لہ "اہراق الماء" کے معنی بطور کنایہ پیشاب کرنا ہیں۔ (ادارہ)

ہو گئے۔ اس کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے اور آپ کا اتنا اعتماد حاصل کیا کہ حضور نے انھیں دو مرتبہ مدینے کا والی بنایا پہلی مرتبہ جب ہجرت کے چوتھے سال نجد میں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے ارادے سے جہاد فرمایا۔ اور دوسری مرتبہ جب ۶ھ میں بنی المصطلق بن خزاعہ سے جہاد کیا جو بنی مدلج کے حلیفوں میں سے تھے۔ یہ غزوہ مقام قدید کے قریب ہوا۔ جو مکے سے مدینہ کے راستے پر واقع ہے۔

غزوۂ تبوک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں رومیوں سے لڑنے اور حجاز کے شمال میں اپنا اثر و نفوذ مضبوط کرنے کا عزم فرمایا تو اپنے بعض صحابہ میں کچھ بد دلی پائی۔ ادھر منافقین عبد اللہ بن ابی کی سرداری میں آپ سے ہٹ گئے۔ اس وقت جن صحابہ نے غزوۂ تبوک میں جو مدینے سے بارہ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی انھیں میں حضرت ابوذر بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع سے روانہ ہوئے اس وقت آپ کے صحابہ میں سے کوئی شخص پیچھے رہ جاتا تو مسلمان کہتے: یا رسول اللہ فلاں شخص پیچھے رہ گیا۔ آپ فرماتے: اسے چھوڑ دو، اگر اس کے اندر بھلائی ہے تو اللہ اسے عنقریب تم سے لا ملائے گا۔ اور اگر اس کے سوا ہے تو اللہ تمہیں اس سے نجات دے گا۔ حضرت ابوذر کو اپنے اونٹ پر دیر ہونے لگی تو انھوں نے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لادا اور پھر پا پیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض منزلوں پر اترے مسلمانوں میں سے ایک شخص نے دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ یہ شخص اکیلا راستے پر پیدل چل رہا ہے۔ فرمایا: ابوذر ہوں گے۔ جب قوم نے غور سے دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ وہ ابوذر

ہی ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ابوذر پر رحم کرے تنہا پیدل چل رہا ہے، تنہا انتقال کرے گا۔ اور تنہا ہی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ پھر جب ابوذر نے آپ کو اپنے اونٹ کی خبر سنائی تو فرمایا: "اگرچہ تم ان لوگوں میں سے ہو۔ جن کا پیچھے رہنا مجھے بہت گراں گزرا ہے تاہم جب تک تم میرے پاس پہنچے ہو اللہ نے تمہارے ہر قدم کے برابر تمہارے گناہ بخش دیے ہیں۔"

ابوذر نے ان عربی فتوحات میں حصہ نہیں لیا جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں تکمیل کو پہنچیں۔ تاہم ان کے رتبے کی بلندی اس درجے پر پہنچ گئی تھی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو عطیات تقسیم کرنا شروع کیے، تو ابوذر کو بھی بدر میں شریک ہونے والوں میں شامل کیا اگرچہ حقیقۃً وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابوذر حضرت عمر کے خلیفہ ہونے تک مدینے ہی میں رہے پھر وہ شام روانہ ہوئے اور وہیں کے دیوان سے متعلق رہے یہ اس دوران میں مدینے آتے جاتے اور یہاں ٹھہرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان کو خلافت ملی۔

ابوذر اور حضرت عثمان ابوذر نے دیکھا کہ حضرت عثمان مروان بن الحکم کو بہت سا مال دیتے ہیں، اپنے بھائی حارث کو تین لاکھ درہم عطا کرتے ہیں اور زید بن ثابت الانصاری کو ایک لاکھ درہم بخش دیتے ہیں، تو انھوں نے اس بات کو ناپسند کیا۔ اور یہ کہہ کر اپنی ناگواری کا اظہار کیا: کافروں کو دوزخ کی بشارت دو۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کرنے لگے: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دو) جب مروان نے ابوذر کا یہ قول سنا تو خلیفہ سے ان کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اپنا غلام ان کے پاس بھیج کر اس بات کے کہنے سے منع کیا۔ ابوذر نے توجہ نہ کی اور کہا: کیا عثمان مجھے اللہ کی کتاب پڑھنے سے منع کرتے ہیں؟ بے شبہ عثمان کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرنا مجھے اس بات سے زیادہ عزیز ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے عثمان کو راضی کروں۔

ابوذر حضرت عثمان کی سیاست پر برابر تنقید کرتے رہے جنہوں نے ابوذر کو شام چلے جانے کا حکم دیا۔ اب یہ وہیں سے حضرت عثمان اور شام پر ان کے مقرر کردہ والی امیر معاویہ کی سیاست پر نکتہ چینی کرنے لگے۔

ابوذر حضرت عثمان کی سیاست سے جس ناپسندیدگی و انکار کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس میں بہت سے مسلمانوں کی رایوں کی جھلک ہوتی تھی جنہوں نے حضرت عثمان پر یہ اعتراض کرنا شروع کر دیا تھا۔ کہ انھوں نے بڑے بڑے صحابہ کا ولایتوں کی جانب روانہ ہونا اور وہاں کی جائدادوں کا وارث بننا روا رکھا ہے۔ ادہر مدینے اور مکے میں جن اموال کی بارش ہو رہی تھی عربوں کے دلوں پر اپنا رنگ جمانے لگی۔ اس دولت و ثروت نے انھیں بتول سے بہرہ اندوز ہونے پر اکسانا شروع کیا اور اس حد تک اکسایا کہ ان میں سے بعض کو شان و شوکت اور خوشحالی کی زندگی گذارنے پر آمادہ کر دیا۔ اس طرح مدینے میں بعض اقسام کے لہو و لعب پھیل گئے۔ اور حضرت عثمان ان لوگوں کے ہاتھ روکنے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے ان میں سے بعض کو مدینے سے نکال دیا۔ اپنے اس نقصان پر یہ لوگ اور ان کے رشتہ دار وغیرہ برہم ہوئے اور صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوذر الغفاری اور عمار بن یاسر جیسے

اصحاب کے اعزہ بھڑک اٹھے۔

یہ تو مدینے کا حال تھا جو عربی حکومت کا پایہ تخت اور اس کا دھڑکتا ہوا دل تھا۔ رہیں اسلامی ولایات تو ان میں جو لوگ حضرت عثمان سے ناراض تھے اور یہاں جلا وطن کئے گئے تھے۔ ان کے اندر قوم کے دو طبقات بن گئے تھے۔ ایک ارستقراطیین یعنی امرا کا طبقہ دوسرا مقاتلین (جنگجویوں) کا طبقہ۔ امرا کے طبقے میں وہ لوگ تھے جن کے پاس بکثرت مال و دولت تھی انھوں نے اموال غنیمت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور مقاتلین کو ان سے محروم کر دیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا۔ کہ مال غنیمت اللہ کیلئے ہے۔ مجاہد کے لئے صرف تھوڑا سا معاوضہ ہے۔ جو اسے ادا کر دیا جاتا ہے۔

جب ان جنگجویوں نے جن میں بیشتر بدوی تھے دیکھا کہ بڑی بڑی رقوم کو قریش کے احکام اور قائدین اپنے لئے مخصوص کر رہے ہیں تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ اموال غنیمت تو ان کے ہیں حکومت کے نہیں۔ اور مال تو مسلمان کا مال ہے اللہ کا مال نہیں۔

اس طریقے سے اس وقت کی تمام فضا میں عبد اللہ بن سبا اور اس کے گرگوں کی تحریک کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت پیدا ہو گئی تھی اور اس کے اثرات بہت دور تک پہنچ چکے تھے۔

ابوذر کے رجحانات اس شورش کی آگ کو ایک قدیم صحابی نے ہوا دی تھی جو تقویٰ اور پرہیز گاری میں اور دنیا و متاعِ دنیا کے ساتھ زہد برتنے میں بہت مشہور تھے۔ یہ صحابی وہی ابوذر الغفاری ہیں۔ حضرت ابوذر فقراء صُفّہ میں سے تھے۔ اس لئے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اشتراکی رجحانات میں اس کا بھی اثر ہو۔ ابن سبا شام میں وفد لے کر آیا اور اس نے حضرت ابوذر کو

حضرت معاویہ کے خلاف بھڑکا کر کہا: اے ابوذر، تم معاویہ پر تعجب نہیں کرتے جو کہتے ہیں کہ: مال اللہ کا مال ہے؟ آگاہ ہو کہ۔ ہر چیز اللہ ہی کی ہے گویا ان کی مراد یہ ہے کہ اسے مسلمانوں سے روک دیں اور مسلمانوں کو مٹا دیں (یعنی بخشش کے دفتر سے ان کا نام محو کر دیں)

اس لئے جب ہم ابوذر کو دیکھتے ہیں کہ وہ امیر معاویہ کی سیاست سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ اور دولتمندوں کو فقراء پر رحم کرنے پر اکساتے ہیں، اموال کے ذخیرہ کرنے اور انھیں گاڑ گاڑ کر رکھنے سے اللہ کے اس قول کی بنا پر روکتے ہیں: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم، ھذا ما کنزتم لانفسکم۔

(جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دو۔ جس دن ان چیزوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ جسے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا، اس لئے جس چیز کو جمع کرتے تھے اس کا مزا چکھو)

اسی طرح جب ہم فقراء کو اس حال میں پاتے ہیں۔ کہ وہ ابوذر کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور تونگروں کے ساتھ برا سلوک کر رہے ہیں اس وقت بھی ہمیں تعجب نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ لوگوں نے اس بات کی شکایت امیر معاویہ سے کی۔ پھر جب یہ قضیہ حضرت عثمان کے گوش گزار کیا گیا تو انھیں یقین آگیا کہ فتنہ سر اٹھا چکا ہے[1]"

---

[1] "ان الفتنۃ قد اخرجت خطمھا وعینھا"

وفات اب حضرت عثمان نے ابوذر کو بلا بھیجا۔ جب وہ مدینے میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عثمان کے خلاف سازش کرنے کے لیے جلسے ہو رہے ہیں تو انھوں نے اہل جلسہ میں پکار کر کہا: اہل مدینہ کو پھیلی ہوئی لوٹ اور خوف ناک لڑائی کی بشارت دو"۔ اس طرح ابوذر نے اپنی اشتراکی تحریک اور حضرت عثمان کے خلاف طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان ان سے تنگ آگئے اور انھیں " رَبذَہ " میں رہنے کا حکم دیا جو مدینے کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ یا اس مقام کی طرف انھیں جلا وطن کر دیا۔ لیکن انھوں نے حضرت عثمان کی سیاست پہ شدید حملے جاری رکھے۔ یہاں تک کہ ۳۱ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ربذہ میں ان کے ساتھ صرف ان کی بیوی اور غلام تھے۔ جب انھیں اپنی موت کا وقت قریب محسوس ہوا تو ان دونوں کو وصیت کی " تم دونوں مجھے غسل دو اور کفن پہناؤ۔ پھر راستے کے بلند مقام پر رکھدو۔ اس کے بعد جو پہلا سوار گروہ تمہارے پاس سے گزرے اس سے کہو " یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر کا جنازہ ہے۔ ہمیں ان کے دفنانے میں مدد دو"۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان دونوں نے ان کا جنازہ راستے میں بلند مقام پر رکھدیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود اہل عراق کے ایک گروہ کے ساتھ ادھر سے چلے تو انھیں راستے پر جنازہ دیکھ کر پریشانی ہوئی جس کی نسبت قریبی اندیشہ تھا کہ اونٹ اسے کچل دیں گے مگر غلام ان کی طرف بڑھا اور اس نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر ہیں۔ ہمیں ان کے دفن میں مدد دیجیے"۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رو دیے اور کہا: سچ فرمایا

تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : تم اکیلے پیدل چل رہے ہو، اکیلے انتقال کروگے، اور اکیلے ہی حشر میں اٹھائے جاؤگے " پھر وہ اور ان کے ساتھی اتر پڑے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو دفن کیا۔

فضائل حضرت ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابیوں میں اور اسلام کے سابقین اولین میں سے تھے۔ یہ دینی تفقہ اور اور روایت حدیث میں مشہور تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب یہ ربذہ جانے لگے تو کچھ دور تک ان کے ساتھ چلے اور اس بات سے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان کی برہمی مول لی آپ نے ابوذر کی نسبت فرمایا تھا: ابوذر نے اتنا علم جمع کیا کہ لوگ اس کے حصول سے عاجز رہے۔ پھر کیسۂ علم کو اس طرح باندھ دیا کہ اس میں سے کچھ بھی باہر نہ گیا (بلکہ محفوظ رہا) حضرت ابوذر سے بہت سے صحابہ مثلاً انس بن مالک، عبد بن عباس، اور ابوادریس الخولانی رضی اللہ عنہم نے حدیث روایت کی ہے۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت ابوذر کی بڑی جگہ تھی۔ آپ ان کے اسلام کی طرف سبقت کرنے اور اس کی امداد میں جان نثار کرنے کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوذر میری امت میں عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کے زہد پر ہیں آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوذر سے زیادہ سچی زبان والے کو نہ زمین نے اٹھایا نہ آسمان نے سایہ ڈالا (یعنی ان سے زیادہ راست گفتار زمین و آسمان کے درمیان کوئی نہیں)۔ طبرانی نے روایت کی ہے: ابوذر جب موجود ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ابتدا

فرماتے اور جب غائب ہوتے تو انھیں تلاش فرماتے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور روائیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور خبر دی ہے کہ وہ (اللہ) بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ (وہ یہ ہیں): علی، مقداد ابن الاسود ابوذر، سلمان فارسی،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۰ ق ھ - سنہ ۷۳ھ

نام ونسب حضرت عبداللہ بن عمر کا شمار صف اوّل کے صحابہ میں ہے جو زہد وتقویٰ میں مشہور تھے اور جن کو اتباع سنت، روایت حدیث اور تفسیر قرآن میں تبحر کا درجہ حاصل تھا۔ ان کی نسبت یہاں تک کہا گیا ہے کہ: جس نے بھی دنیا کو پایا دنیا اس پر مائل ہو گئی۔ اور وہ دنیا پر مگر عبداللہ بن عمر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کا نسب یہ ہے عبد بن عمر بن خطاب بن نفیل القرشی العدوی - ان کی ماں زینب بنت مظعون الجمحیّہ ہیں اور بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔

اسلام حضرت عبداللہ بن عمر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے تیسرے سال پیدا ہوئے اور مکے کے بابرکت ماحول میں اور قریش کے اس معزز خاندان میں پروان چڑھے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ان کے والد بزرگوار کا دل اسلام کے لئے نرم کردیا اور ایسی حالت میں کہ یہ اسلام کے سخت ترین دشمن اور اس کے نہایت سرکش مخالف تھے ان کے دل سے نور رسالت محمدیہ کی کرنیں پھوٹ نکلیں۔ یہ اسلام لائے تو ان کے ساتھ ان کے بیٹے عبداللہ بھی مسلمان ہوئے جو ابھی کمسن بچے ہی تھے۔ اس طرح پہلے مسلمان ہونے والے لڑکوں

یہ بھی شامل ہیں - ان کے والد مسلمان ہونے کے بعد اللہ اور رسول کے ساتھ اخلاص میں بہت سخت ثابت ہوئے۔ تو یہ خود ان صفات میں تمام لڑکوں سے بازی لے گئے۔

عبد اللہ نے حضرت عمر الفاروق کی آغوش میں نشو ونما پائی جس طرح ایک سچا مومن اپنے لخت جگر کو تربیت دیتا ہے اسی طرح شفیق باپ نے ان کو بہترین تربیت دی تھی اسی لئے ان کا دل خلوص سے اور سینہ اسلام سے معمور تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ خداوندی سے حکم ہوا کہ آپ مکے سے ہجرت فرما کر اپنے دین کے ساتھ مدینے چلے جائیں تو عبد اللہ بن عمر بھی اپنی عمر کے دسویں سال مہاجرین کے ساتھ روانہ ہو گئے بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے ہجرت کرنے سے پہلے ہجرت کی تھی -

مدنی زندگی حضرت عبد اللہ بن عمر نے مدینے میں مقیم ہونے کے بعد مدینے کی وہی زندگی اختیار کر لی جس کا دور وہاں ہجرت نبویہ کے بعد سے شروع ہو چکا تھا - پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد مقرر فرمایا اور مسلمانوں پر فرض کر دیا کہ وہ اپنے دین کے دفاع کے لئے مشرکین سے لڑیں اور اس مقصد کے لئے اپنی جان اور مال قربان کریں - ہنوز حضرت عبد اللہ کم عمر اور تر و تازہ شاخ کی طرح کمزور تھے اس کے باوجود وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثاری کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوتے تھے انھوں نے جنگ بدر کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کم عمر قرار دیا - جب مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر لڑنے کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے - اس کے بعد جب غزوۂ خندق ہوا تو حضرت عبد اللہ بن عمر کی عمر کا پندرھواں

سال تھا۔ اب یہ نوجوان تھے اور مردوں کے درجہ پر پہنچ چکے تھے۔ اس لئے جہاد میں شریک ہوئے اور جو آرزو ان کے دل میں مچل رہی تھی وہ پوری ہوئی۔ پھر جب مسلمانوں نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو مہاجر نوجوانوں میں سے جن لوگوں نے جہاد میں شرکت کی تھی حضرت عبداللہ بن عمران میں پیش پیش تھے۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی۔

زندگی کا نیا دور

اس کے بعد اللہ کو منظور ہوا کہ یہ نوجوان اپنی زندگی کے نئے دور میں داخل ہو۔ اس نے ان کا سینہ کھول دیا اور دل کو ایمان سے معمور فرما دیا ابھی یہ نوخیز لڑکے ہی تھے کہ انھیں ایک خواب کی صورت میں ہدایت پہنچی جو انھوں نے نماز کے بعد مسجد ہی میں آنکھ لگ جانے کے بعد دیکھا تھا۔ خود راوی ہیں: میں نے خواب میں دیکھا گویا دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے لے گئے۔ میں نے یہ خواب حضرت حفصہ سے بیان کیا اور انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔ اسے سن کر آپ نے فرمایا: عبداللہ اچھے شخص ہیں اگر رات کو نمازیں پڑھا کریں۔"

اس کے بعد سے حضرت عبداللہ رات کا بہت کم حصہ سونے میں گزارتے۔ تقریباً پوری رات خضوع وخشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی رقت قلب اور محبت رسول کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو رو دیتے۔ جب آپ کے غزوات کے مقامات میں سے کسی جگہ پہنچتے اپنی آنکھیں بند کر لیتے اور ان سے آنسو گرنے لگتے۔ اسی طرح جب قرآن پڑھتے گریہ طاری ہو جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں مزید شرح صدر عطا فرمایا اور ہدایت بخشی۔ یہ

حدیث کی روایت اور قرآن کریم کی تفسیر پر متوجہ ہوئے اور ان دونوں شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد ان کو کمال حاصل رہا۔

مسئلہ جانشینی پر غور وخوض

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت خلافت مکمل ہوئی اور جب آپ ابولولو کے خنجر سے زخمی ہوئے اور آخری وقت قریب محسوس ہوا تو چند صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: یا امیر المومنین، آپ اپنا جانشین مقرر فرما دیتے تو اچھا تھا۔ کہا: میں کسے جانشین بناؤں، اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو انھیں جانشین مقرر کر دیتا۔ ایک شخص بول اٹھا: میں آپ کی رہبری کروں، عبداللہ بن عمر کو کر دیجئے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اللہ تمہیں ہلاک کرے بخدا میرا یہ ارادہ نہیں ہے، ہمیں تمھارے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ میں نے اسے (خلافت کو) اپنے گھر والوں میں سے کسی کیلئے پسندیدہ نہیں جانا نہ مجھے ان کے لیے اس چیز کی کوئی رغبت ہے۔ خاندان عمر کے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ ان میں سے ایک شخص کا محاسبہ کیا جائے اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت اس سے پوچھ گچھ ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ حضرت عمر کسی کو جانشین بنائے بغیر ہی دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو وہ ایک بار اور آپ کے پاس گئے اور کہا: یا امیر المومنین، کسی کے لئے وصیت فرما دیجئے۔ آپ نے جواب دیا: تمہیں چاہیئے کہ ان چند آدمیوں کی پیروی نہ چھوڑو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت تک راضی رہے اور جن کی نسبت

فرمایا کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ ان لوگوں میں یہ حضرات شامل ہیں۔ علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمٰن بن عوف، الزبیر بن العوام، طلحہ بن علبید اللہ[1] اور عبد اللہ بن عمر۔ (رضی اللہ عنہم)

یہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اپنے بیٹے عبد اللہ کے متعلق۔ یہ رائے خواہش نفس یا ذاتی غرض کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ ایک حقیقت واقعی کے اعتراف کے طور پر تھی اس میں اس علم وفضل اور زہد و تقویٰ کا اعتراف تھا۔ جو ان کے بیٹے میں موجود تھا اور جس کی وجہ سے بعض صحابہ اس بات پر مجبور ہوئے تھے۔ کہ انھیں باپ کے بعد منصب خلافت کے لئے تیار کریں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواہش نفس کے معاملے میں سب لوگوں سے زیادہ دور تھے۔ اور فضیلت و معدلت میں بھی ان کا درجہ تمام صحابہ سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی لئے فاروق کے نام سے موسوم ہوئے۔

جب شوریٰ منعقد ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے حضرت عثمان کو خلیفہ اختیار کرنے میں شرکت کی۔ علم وفضل اور تقویٰ کے سوا کوئی چیز ان کے لئے اس بات کی محرک نہیں ہوئی۔[2]

عبد اللہ بن عمر عثمانی دور خلافت میں

جب خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کے علم وفضل کی طرف سے بے اعتنائی نہیں کی بلکہ ان پر اعتماد کیا اور انھیں

---

[1] بعض مورخین نے غلطی سے طلحہ کے والد کا نام عبد اللہ لکھا ہے مثلاً دیکھئے۔ حتی۔ ہسٹری آف دی عربس ص۱۷۹۔ ادارہ [2] حضرت عمر نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبد اللہ بحیثیت مشیر شریک ہوں مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نامزد نہیں کئے جائیں

اپنا مقرب بنایا۔ جب اہم معاملات پیش آئے تو آپ انھیں کو سپرد فرماتے جب بصرہ، کوفہ اور مصر میں حالات ایک حد تک خراب ہوئے تو آپ نے چار مشہور صحابہ کو اس کام کے لئے نامزد فرمایا کہ وہ اس شورش کے اسباب معلوم کریں اور اسلامی ولایتوں میں حقیقت حالات سے آگاہ ہوں۔ ان میں سے محمد بن مسلمہ کو کوفے، اسامہ بن زید کو بصرے، عبداللہ بن عمر کو شام اور عمارؓ بن یاسر کو مصر روانہ کیا۔ سوائے حضرت عمارؓ کے یہ سب خلیفہ کے پاس واپس آگئے حضرت عمار کو شورشیوں نے پھسلا کر مصر ہی میں ٹھہرالیا۔

تحریک اصلاح سے کنارہ کشی

اس کے بعد حضرت عثمان شہید ہوئے اور مدینہ ومصر وغیرہ اسلامی شہروں میں فتنے اور فساد کے شعلے بھڑکنے لگے حضرت حفصہ بنت عمر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیساتھ نکلنے کا عزم کرلیا تھا مگر ان کے بھائی عبداللہ نے انھیں اس ارادے سے باز رکھا اور حضرت طلحہؓ[1] اور حضرت زبیر زعمائے بصرہ کے بہلانے اور پھسلانے میں آگئے

---

[1] حضرت عثمان کے واقعہ قتل سے تمام ملک میں شورش، اور بدنظمی پھیل گئی تھی۔ مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینے کو پرفتن بنادیا تھا۔ حضرت طلحہ کامل چار ماہ تک خاموشی سے اس فتنہ و فساد کا تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن جب دربار خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح بلند کرنے کیلئے حضرت زبیر کو ساتھ لیکر مدینے سے مکے چلے آئے۔ مکہ میں حضرت عائشہ حج کے ارادے سے آئی ہوئی تھیں۔ ان سے مدینے کے حالات عرض کر کے علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا۔ تو وہ تھوڑی دیر کے بحث ومباحثہ کے بعد راضی ہوگئیں اور حضرت طلحہ کی رائے کے مطابق بصرے جانے کی تیاری ہوئی کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ (مہاجرین ج ۱ ص ۱۰۱ ملخصاً) (ادارہ)

اور پھر ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی ہموار کرنا چاہا۔ اور ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمن، ہم سب کی ماں حضرت عائشہؓ لوگوں کے درمیان اصلاح حال کی امید سے چلی ہیں اس لیے تم بھی ہمارا ساتھ دو کیونکہ حضرت عائشہ کی ذات میں تمہارے لئے ایک نمونہ موجود ہے۔ اگر لوگوں نے ہم سے بیعت کرلی تو تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔" حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا: اے بزرگو: کیا تم مجھے میری بیعت سے منحرف کرنا چاہتے ہو اور اس کے بعد مجھے ابن ابی طالب کے چنگل میں ڈال دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔؟ لوگ دینار و درہم کے ذریعہ دھوکا دیتے ہیں۔ اور میں نے اپنی موجودہ عافیت کے لئے اس بات کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ اس جواب کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر دوبارہ اس خیال سے حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے کہ شاید اب یہ اپنی پہلی رائے سے ہٹ گئے ہوں۔ مگر یہ اسی پر جمے رہے۔ کیونکہ انھیں نجات اور بھلائی بیٹھ رہنے ہی میں نظر آتی تھی۔ اسی طرح ان کی نظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی گوشہ نشینی ہی میں ان کے اعزاز و اکرام کا تحفظ تھا۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے اور ان کی ہوا اکھڑ جانے کے اندیشے سے بچاؤ کی صورت نظر آتی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت طلحہ و زبیر دونوں سے کہا: آپ دونوں کو معلوم ہو کہ حضرت عائشہ کے لئے ان کا گھر ان کے ہودج سے بہتر ہے۔ اور آپ دونوں کے لئے مدینے کا قیام بصرے سے اچھا ہے۔ اور نرمی تلوار سے زیادہ مناسب ہے۔ علی سے صرف وہی شخص لڑے گا۔ جو ان سے بہتر ہو۔ رہی شوریٰ تو وہ ہو چکی اس میں تم دونوں نے تقدیم و تاخیر کی۔ اب اسے ان لوگوں کے سوا ہرگز کوئی لوٹا کر نہ لائے گا۔ جو اس بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس لئے میرے بجائے

تم دونوں ہی کافی ہو۔ مگر حضرت طلحہ اور زبیر نے ناصحوں کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔

علمی مشاغل میں انہماک

حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت کے وقت جو تردد کیا تھا۔ وہ ان کے درجہ منزلت میں کسی کمی کے خیال پر مبنی نہ تھا بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ حضرت عبداللہ اس زمانے کے پرشور سیاسی جوش و خروش سے دور رہنا چاہتے تھے[۱] ایسے وقت ان کی شان بھی وہی تھی جو حضرت عبداللہ بن عباس کی تھی وہ بڑے سکون کے ساتھ اپنے علمی مشاغل روایت حدیث اور تفسیر قرآن میں مشغول رہے

امیر معاویہ کے عہد میں

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، شہید ہو گئے اور خلافت کی مہم حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے حق میں سر ہو گئی تو بیعت سے اشراف قریش کی طرح حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی ان سے مصالحت کا طریقہ اختیار کیا۔ اہل وفد کے ساتھ حضرت عبداللہ بھی دمشق میں امیر معاویہ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے عبداللہ بن عمر کو حملہ قسطنطنیہ میں شریک کیا۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوایوب انصاری بھی شریک ہوئے تھے۔ جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت لینا چاہی تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اس سے انکار کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ اس صورت میں شوری کے طریقے سے انحراف ہوتا ہے جو خلفائے راشدین

---

[۱] ابن حجر کا بیان ہے۔ کہ چونکہ حضرت علی کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف تھا اس لئے ابن عمر نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی کیونکہ ان کی رائے تھی جب کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیئے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۸۔ مہاجرین ج ۲ ص ۷)

کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس موقع پر امیر معاویہ کی دھمکی نے انھیں متاثر کیا نہ ان کے سونے چاندی نے۔ وہ سنت اور شوریٰ کے اصول کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ اس کی پروا نہ کی کہ معاویہ ناراض ہوتے ہیں یا رضا مند۔

اس کے بعد یزید بن معاویہ کو خلافت ملی تو یزید نے عامل مدینہ کو ہدایت بھیجی کہ وہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن الزبیر جیسے اعتراض کرنے والوں سے بیعت لے۔ اس وقت حضرت ابن عباس کی طرح حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یزید سے بیعت کر لی اور اس بارہ میں اس دانشمندانہ سیاست کو زیر نظر رکھا جسے وہ لغزش کے مواقع سے بچنے کے لئے اختیار کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ [۱]

ائمہ دین میں شمار

حضرت عبداللہ بن عمر جب سے مدینے میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کرنے اور انھیں یاد کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی لئے انھیں اپنی روایت میں بڑی شہرت ہوئی۔ انھوں نے اس معاملے میں دینی سوجھ بوجھ پیدا کی اور اس درجے پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔ اس دوران میں ان کے پاس لوگوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ ایک اور روایت میں

---

[۱] یزید کی بیعت حضرت عبداللہ بن عمر نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی۔ امیر معاویہ نے جب یزید کو ولیعہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لئے بھیجا۔ انھوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک کثیر رقم پیش کرنا چاہی۔ رشوت کا نام سن کر وہ غصّے سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاص کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔ (مہاجرین ج ۲ حصہ ۲) (اادارہ)

بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ انھیں حدیث، اور روایت حدیث و شرح حدیث میں وہ مقام حاصل ہوا کہ صحابہ نے انھیں آئمہ دین، میں شمار کیا اور یہ کہا کہ: زید کے بعد لوگوں کے امام ابن عمر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص نے ابن عمر کا قول اختیار کیا اس نے جامعیت کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔"

روایت حدیث اور اتباع سنت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، پر روایت حدیث میں جتنا اعتماد کیا جاتا ہے اس کی کوئی حد نہیں یہ دقت نقل اور احتیاط و باریک بینی میں مشہور تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے۔ اسے محفوظ رکھتے تھے۔ جب حضور کا کوئی کام یا کوئی بات ان کی غیر موجودگی میں ہوتی تو یہ حاضر الوقت اشخاص سے اسے پوچھ لیا کرتے۔ ان کا طریقہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مسجد میں بھی نماز پڑھتے اس میں یہ آپ کے نقوش قدم پر چلتے جس راہ پر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ناقہ لے جاتے ہوئے دیکھ چکے تھے اسی پر اپنی اونٹنی بھی لے جاتے۔ جب زمانہ حج میں یہ عرفہ پر ٹھہرتے تو حج ترک نہ کرتے۔ اس موقع پر یہ اسی موقف پر ٹھہرا کرتے۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقوف فرما چکے تھے۔ اسی لئے اسحاق بن سعید[۱] نے ان کی نسبت کہا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں عبد اللہ بن عمر سے زیادہ سخت احتیاط کرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔"

---

[۱] اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس الاموی السعیدی الکوفی وفات ۱۷۰ھ یا ۱۷۶ھ۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۳۴۔ طبع دائرہ المعارف) (ادارہ)

عبادات میں اہتمام

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، دنیا سے بے تعلق رہ کر عبادت کرنے والے اور بڑے روزہ دار اور نماز گذار شخص تھے رات بھر نماز پڑھتے پھر کہتے: اے نافع کیا صبح ہوگئی ہے؟ وہ کہتا نہیں، تو یہ پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اگر جواب میں کہتا "ہاں" تو استغفار پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے۔ جب عشا کی نماز جماعت سے نہ ملتی تو بقیہ رات عبادت میں گزار دیتے۔ جتنا مقدور ہوتا نماز پڑھتے، پھر بستر کا سہارا لیتے۔ اور پرندوں کی طرح جھپکی لے کر پھر اٹھ کھڑے ہوتے، وضو کرتے اور نماز پڑھتے پھر واپس ہوتے۔

وہ یہ عمل رات میں چار پانچ مرتبہ کیا کرتے۔ سفر میں روزہ نہ رکھتے۔ اور حالتِ حضر میں قریب قریب ہمیشہ روزہ سے رہتے۔ یہ جب قرآن سنتے تو یاد کرتے اور نصیحت حاصل کرتے اور جس وقت یہ آیت۔ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ (کیا ابھی ایمان داروں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں) تلاوت کی جاتی تو روپڑتے یہاں تک کہ دھاڑیں، مارنے لگتے۔[1] سعید بن المسیّب راوی ہیں: اگر میں اہل جنت میں کسی کے لئے گواہی دیتا تو عبد اللہ بن عمر کے لئے دیتا۔ انھیں کا قول ہے: ابن عمر کا جب انتقال ہوا ہے تو وہ زندوں میں سب سے بہتر تھے۔ اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے: میں نے ابن عمر سے زیادہ صاحب ذکاوت کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی نسبت ایک قول یہ بھی ہے: وہ فضیلت میں حضرت عمر کے مثل ہیں۔"

---

[1] سعید بن المسیب بن حزن القرشی المخزومی وفات ۹۳ھ یا ۹۴ھ ہجری (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۴)
(دائرہ المعارف) (ادارہ)

فیاضی اور سیر چشمی

حضرت عبد اللہ بن عمر اپنی پرہیزگاری اور تقوی کے باوجود بڑے سیر چشم، فیاض اور بہت زیادہ داد و دہش کرنے والے بزرگ تھے۔ یہ کسی کے برائی کرنے پر صبر کرتے تھے۔ پھر اسے معاف کر دیتے تھے۔ ان کی جواں مردی کی مثالوں میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کا گزر ابن عمر کے اونٹوں کے پاس سے ہوا تو وہ انھیں ہنکالے گئے۔ چرواہا آیا اور اس نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن اونٹوں کا حساب کر لیجئے۔ پھر اس واقعے کی خبر دی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا: پھر انھوں نے تمھیں کیسے چھوڑ دیا۔؟ اس نے کہا: میں ان کے پاس سے بھاگ آیا اس لئے کہ آپ مجھے ان سے زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: میں تمھیں بھی اونٹوں ہی کے ساتھ محسوب کرتا ہوں۔ پھر آپ نے چرواہے کو اللہ واسطے آزاد کر دیا۔

اسی طرح آپ نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا جس کا نام رَمثہ تھا۔ اس سے آپ محبت کرتے تھے۔ اسے آزاد کرتے وقت کہا: میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" (تم جب تک اس چیز میں سے خرچ نہ کرو جس سے محبت کرتے ہو۔ ہرگز نیکی حاصل نہ کر وگے۔)"

حضرت عبد اللہ بن عمر کی فیاضی و سیر چشمی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے اپنے غلام نافع کے ایک معاملے میں دس ہزار درہم دیئے تھے۔ آخر میں انھوں نے اس کی نسبت صرف اتنا کہا: "وہ اللہ کے لئے آزاد ہے!"

حضرت عبد اللہ بن عمر ایک چرواہے کے پاس سے گزرے تو کہا: کیا ذبح کیلئے کوئی جانور ہے؟ اس نے جواب دیا: یہاں ان جانوروں کا

مالک موجود نہیں۔ کہا: اس سے کہدینا، اسے بھیڑیا کھا گیا۔ چرواہے نے کہا: "خدا سے ڈرو"۔ اس جواب پر حضرت عبداللہ بن عمر نے چرواہے کو بھی خرید لیا اور ان بکریوں کو بھی۔ پھر چرواہے کو آزاد کر دیا اور یہ بکریاں اسی کو بخش دیں[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمر کے طریقے جتنے پسندیدہ تھے۔ ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خادم پر کبھی لعنت نہ کرتے تھے۔ معمر[2] نے الزہری سے روایت لی ہے: ابن عمر نے کسی خادم پر ایک کے سوا کبھی لعنت نہ کی اور اس کو بھی آزاد کر دیا۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک خادم پر لعن کرنا چاہا تو کہا: اے اللہ اس پر لع ... کہتے کہتے رک گئے یہ لفظ پورا نہ کیا اور کہا: یہ ایک ایسی بات ہے جسے میں کہنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر لوگوں کے برائی کرنے پر صبر کیا کرتے تھے اور بدی کرنے والے کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ زید بن اسلم راوی ہیں: ایک شخص عبداللہ بن عمر کو گالی دینے لگا، ابن عمر خاموش رہے۔ جب اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے اس کی طرف مڑے اور کہا: میں اور میرا بھائی عاصم[3] لوگوں کے شجروں سے زیادہ واقف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے چوراسی سال کی عمر میں ۷۲ھ ہجری میں وفات[4]

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر چرواہے کی دیانت داری کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ جب انھوں نے اسے اس آزمائش میں کھرا پایا تو خوش ہو کر بطور انعام چرواہے کو خریدا اور آزاد کر کے یہ بکریاں اسی کو دے ڈالیں۔ (ادارہ)

[2] معمر بن راشد الازدی الحدانی وفات ۱۵۲ھ یا ۱۵۳ یا ۱۵۴ ہجری۔ (اگلے صفحہ پر)

پائی۔ ایک روایت میں ان کا سنہ وفات ۷۳ھ ہجری بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں انھیں شایان شان درجہ عطا کرے۔

بقیہ حاشیہ ص ۲۱۹)

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۴۵ (ادارہ)

۴۳ عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی وفات سنہ ۷۰ھ (تہذیب التہذیب) ج ۵ ص ۵۲ دائرۃ المعارف

۴۴ - بقول ابن سعد ان کا سنہ وفات ۷۴ھ ہے۔ حضرت زبیر کی روایت سے سنہ وفات سنہ ۷۳ ہجری معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ بھی کہ جب عبدالملک بن مروان نے حجاج کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ وہ عبداللہ بن عمر کی مخالفت نہ کرے تو یہ بات اسے بہت گراں گزری اور اس نے ایک شخص کو اشارہ کیا جس نے اپنا زہر میں بجھا ہوا نیزہ ان کے پاؤں میں چبھو دیا۔ اس کے اثر سے یہ کئی دن تک بیمار رہے اور وفات پا گئے (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۳۰ طبع حیدرآباد) (ادارہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

۳ سنہ ق ھ تا سنہ ھ

نام و نسب وغیرہ آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے اور انھیں دل کے قریب رکھتے تھے۔ ان کی پرہیزگاری اور تقوی اور علم حدیث و تفسیر میں ان کی وسیع معلومات اور مہارت مشہور تھی یہاں تک کہ انھیں "حبر العرب" (فاضل عرب) اور ابوالخلفاء[1] کہا جاتا تھا۔ آپ کی نسبت یہ قول بھی مشہور ہے "نِعْمَ ترجمان القرآن عبّاس" (عباس قرآن کے بہت اچھے ترجمان ہیں) آپ کو معلومات کی وسعت و کثرت کے اعتبار سے "بحر" (علم کا سمندر) کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

ان کا نسب یہ ہے کہ: عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قُصیّ القرشی الہاشمی۔ ان کی والدہ اُمُّ الفضل لُبابہ بنت

---

[1] "ابوالخلفا" حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ کنیت بعد کے واقعات کے اعتبار سے مشہور ہوئی۔ اس لئے کہ خلفائے عباسیہ آپ ہی کی اولاد میں سے تھے جن کی خلافت کا سلسلہ کئی سو سال تک قائم رہا۔ (ادارہ)

الحارث الہلالیہ تھیں ۔

ولادت و دیگر حالات

حضرت عبد بن عباس ہجرت سے تین سال اور بقول بعض پانچ سال قبل پیدا ہوئے ۔ اس زمانے میں بنو ہاشم ایک پہاڑی درہ میں مقیم تھے ۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی ساری چالیں بیکار ثابت ہوئیں تو انھوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا مقاطعہ کیا جائے ۔ انھوں نے یہ عہد کر لیا کہ ان دونوں گھرانوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے ۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر دیں گے اور ان کے ساتھ تجارت بھی نہ کریں گے ۔ یہاں تک کہ یہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ یہ انھیں قتل کر ڈالیں ۔ انھوں نے اسی مضمون کی ایک تحریر کعبے کے روشن دان میں لٹکا دی تھی ۔ وہ اسی روش پر دو یا تین سال تک قائم رہے ۔ اس بارے میں ان کی سختی اتنی بڑھ گئی تھی کہ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب تک کوئی چیز نہ پہنچتی اگر قریش میں سے کوئی ان سے تعلقات رکھنا چاہتا تو وہ صرف چھپا کر انھیں کچھ پہنچانے کی جسارت کرتا تھا اس طرح بنو ہاشم نکتے کے ایک درے میں الگ تھلگ رہ کر زندگی گزارتے تھے ۔ صرف اشہر حُرُم میں اس آفت سے امن رہتا جن میں تمام اطراف عرب میں جنگ و قتال ممنوع تھا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف

یہ حالات تھے جن میں حضرت عبد اللہ بن عباس آغوشِ نبوت میں بڑھے اور دعوت محمدیہ کی نورانی فضا میں پروان چڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے انھیں آپ سے بڑا

قرب رہتا تھا۔ وہ دعوت اسلامی کے نشر و ارتقا کا نظارہ بہت قریب سے کرتے تھے۔ ان کا ننھا دل اس نئے دین کے لئے تڑپتا تھا جس کا نور مکے کی پوری سرزمین پر ضو فگن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں سے بہت محبت تھی۔ اور اپنے چچا حضرت عباس کا دل سے احترام فرماتے تھے۔ ان کے ساتھ خاص محبت ہونے کی وجہ سے ان کے بیٹے عبداللہ سے بھی بڑی محبت تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عبداللہ کو بلایا جو بہت چھوٹے تھے۔ اور اس زمانے میں زمین پر ہاتھوں کے بل چلتے تھے۔ آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا کر اور اسے تاویل کا علم سکھا۔" معلوم ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس بھی اس نعمت عظمیٰ کو محسوس کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ان کی آمد و رفت بہت رہتی تھی۔ جب یہ آپ کو وضو فرماتے دیکھتے تو آپ کے لئے وضو کا پانی ڈالتے جاتے۔ آپ ان کی اس بات سے بہت خوش ہوتے۔ اور جب یہ اس کام سے فارغ ہوتے تو ان کے لئے دعا فرماتے پھر انھیں اپنی گود میں بٹھاتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ان کی ترقی علم کے لئے دعا فرماتے اور کہتے: اے اللہ اس کے علم میں برکت دے اور اس سے علم کو پھیلا"

راویوں نے اس کا ذکر تو نہیں کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کس طرح اسلام لائے لیکن یہ ضرور بیان کیا ہے کہ جب عبداللہ بن عباس سات یا آٹھ سال کے بچے ہی تھے۔ اس وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ واقعہ خود عبداللہ بن عباس

نے بھی بیان کیا ہے - وہ کہتے ہیں : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی - آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچا یہانتک کہ میں آپ کے برابر ہو گیا - جب آپ نماز میں مشغول ہوئے تو میں رک گیا - پھر جب آپ واپس ہونے لگے تو مجھ سے فرمایا : تمہارا یہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی : یا رسول اللہ کیا یہ کسی کو زیب دیتا ہے کہ آپ کے برابر ہو کر نماز پڑھے حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں ؟ یہ سنکر حضور نے میرے لئے دعا فرمائی کہ اللہ میرا علم و فہم زیادہ کرے -

راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئے تو انھوں نے وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے مثل کسی کو نہ دیکھا تھا - اس لئے وہ خائف ہو کر اپنے باپ حضرت عباس کے پاس پہنچے - حضرت عباس نے ان سے کہا : ضرور تم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے -

مدنی زندگی

پھر حضرت عبداللہ بن عباس نے مکے کے مسلمانوں کے ساتھ مدینے کی طرف ہجرت کی - ان کی مدنی زندگی سے متعلق بہت تھوڑے حالات کے سوا کچھ زیادہ تفصیل بیان نہیں کی گئی - راویوں کا بیان ہے کہ یہ سن شعور ہی سے روایت حدیث میں مشغول رہتے تھے - انھوں نے قرآن بھی حفظ کرلیا تھا - جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس کی عمر کا تیرھواں سال تھا - بعض روایات میں پندرھواں سال بیان کیا گیا ہے - ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس زمانے میں حضور نے دنیا سے پردہ فرمایا عبداللہ بن عباس کا ختنہ ہوا تھا - خود حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں : میں گدھی پر

سوار ہو کر چلا میں اس زمانے میں سن بلوغ کے قریب تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔

علمی فیضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس جوان ہو کر مردوں کے درجے پر پہنچ گئے ان کا قلب شگفتہ ہو گیا، عقل کھل گئی اور علم و تقوی میں پختگی آگئی۔ انھوں نے حدیث جمع کرنا شروع کر دی، قرآن میں سوجھ بوجھ سے کام لینے لگے اور لوگوں کو فتویٰ دینے لگے۔ ان کی نسبت یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے درمیان قضا کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ان کا شمار حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے نامور اکابر صحابہ میں تھا۔

عہد فاروقی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ہوئے تو حضرت عبد اللہ بن عباس کمال علم کو پہنچ چکے تھے۔ لوگ ہر گوشے سے کھنچ کر آتے اور ان کے سرچشمہ علم و فیض سے طلب علم کی پیاس بجھاتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کو اپنا مقرب بنا رکھا تھا۔ اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ان کے یہاں ابن عباس کا مرتبہ وہی تھا۔ جو جلیل القدر صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا تھا۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے۔: ابن عباس ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں۔ ان کی زبان بہت پوچھنے والی اور دل بہت سمجھنے والا ہے۔ اسی طرح ان کی نسبت حضرت عمر کا یہ قول بھی تھا۔: ابن عباس قرآن کے کتنے اچھے ترجمان ہیں۔ اگر یہ ہماری عمر کو پہنچ گئے ہوتے ہم میں

سے کوئی شخص ان کی برابری نہ کرتا۔" انھیں کا یہ قول ہے: میں نے ابن عباس کے فتوے سے بہتر کسی کا فتویٰ نہیں سنا، بجز اس کے کہ کہنے والا یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"۔ اس جواں سال عالم کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائیں یہ تھیں جو ان سطور میں بیان کر دی گئیں۔ اور اگر ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے تو بے شبہ یہ رائیں حضرت عبداللہ بن عباس کے فیاضانہ اخلاق، علمی تبحر اور عقلی فضیلت کی دلیل ہیں۔

عبداللہ بن عباس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام کرتے تھے

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا آپ نے اس سے لوگوں کی نسبت دریافت کیا تو اس نے کہا: ان میں سے لوگوں نے قرآن میں فلاں فلاں چیز پڑھی ہے۔ ابن عباس نے کہا: مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ قرآن کی آیتوں کے متعلق سوال کیا جائے ؎۱ یہ خود بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حضرت عمر نے مجھے ڈانٹ دیا اس لئے میں ان کے گھر گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا: مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں ان کے جی سے اُتر گیا ہوں۔ ابھی میں اسی حال میں تھا کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور کہا: جواب دو پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تنہائی میں لے گیا۔ عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ اس شخص نے جو کچھ کہا تھا مجھے ناگوار نہیں ہوا۔ پھر میں نے کہا: اے امیر المومنین اگر میں نے برائی کی ہے تو اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں؛

؎۱ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی رائے تھی کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہونے لگے گی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا دعوے دار بن بیٹھے گا۔ تو اختلاف کا دروازہ کھل جائیگا تفصیل کے لئے دیکھئے (مہاجرین حصہ اول ص ۲۳۵) (ادارہ)

انھوں نے کہا: تم مجھ سے حدیث بیان کرو، میں نے کہا: یہ لوگ جب جھگڑا کریں گے۔ ان کے درمیان اختلاف ہو جائے گا، اور جب ان میں اختلاف ہوگا، تو گمراہ ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: اللہ تمہارے باپ کا بھلا کرے، میں اس بات کو لوگوں سے مخفی رکھتا تھا[1]

حضرت عبداللہ بن عمر علم و فضل میں جس بلند مقام پر فائز تھے اس کے باوجود جب کوئی شخص کسی چیز کی نسبت کچھ دریافت کرتا تو کہتے: ابن عباس سے پوچھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے یہ باقی لوگوں میں اسے سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن الخطاب کی مجلس میں جو درجہ حاصل تھا۔ ذیل کا واقعہ اس پر اچھی طرح روشنی ڈالتا ہے دربار خلافت میں عبداللہ بن عباس نے حطیئہ کو ان کی کسی بات پر ٹوکا تو حطیئہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا: یہ کون شخص ہے جو قوم میں اپنی عمر کے اعتبار سے نیچے اور اپنے قول میں اس سے اونچا نظر آتا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابن عباس ہیں۔ اس پر حطیئہ نے یہ شعر پڑھے۔

اِنِّی وَجدتُ بیانَ المَرءِ نافلَۃً

تھدی لہ وَوَجدتُ الْعَیَّ کالصمم

(میں نے آدمی کے بیان کو مال غنیمت کی طرح پایا ہے جو ہدیے میں بھیجا جاتا ہے اور رکے شخص کو بہرے آدمی کی طرح دیکھا ہے)

اَلمرءُ یَبلیٰ وَیبقی الکلمُ سائرۃً   وَقَد یُلامُ الفتیٰ یوماً وَلم یُکم

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مہاجرین حصہ اول ص۲۳۵

(آدمی بوسیدہ ہو جاتا ہے، بات چلتی رہتی ہے۔ کبھی کسی دن کو نوجوان کو ملامت کی جاتی ہے اس حال میں کہ دراصل وہ ملامت کے قابل نہیں ہوتا)

جہاد میں شرکت

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت مکمل ہوئی۔ حضرت عثمان کا سلوک بھی ان کے ساتھ ایسا ہی رہا جیسا حضرت عمر کا رہ چکا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ آخر یہ بنی ہاشم میں علم کے اندر بہت نمایاں اور قرابت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تھے۔ جب ۲۷ھ میں حضرت عثمان کی طرف سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو افریقہ میں لڑنے کا حکم ہوا تو ان کے پاس جو عالی مرتبہ صحابہ جہاد کے لئے بھیجے گئے تھے ان میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی تھے۔ آپ نے جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور خوب بہادری دکھائی اس لئے کہ انھیں اس کی بڑی خواہش تھی۔ کہ اللہ کی راہ میں ثواب اور جنت حاصل کرنے کے لئے جو شہدا اور مقدسین کے لئے تیار کی گئی ہے جہاد سے اپنی پیشانی کو خاک آلود کریں

جب حضرت عثمان بن عفان نے ملک طبرستان فتح کرنے کا ارادہ کیا تو سعید بن العاص کی قیادت میں وہاں ایک لشکر بھیجا۔ اس کے بعد منتخب صحابہ میں سے کچھ لوگ ان کے پاس روانہ کئے جن میں حضرت حسنؓ حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زبیر بن العوام تھے۔ بادشاہ جرجان صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہوا۔ اور اس نے وعدہ کیا کہ سالانہ دو لاکھ درہم ادا کیا کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عثمان سے بھی اسی طرح محبت کرتے تھے۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرتے تھے۔ ان سے ایک

روایت منقول ہے۔ جس میں آپ کہتے ہیں: اللہ ابو عمرو (عثمان) پر رحم کرے وہ بڑے شریف تھے۔ اور نیکوں سے زیادہ نیک تھے۔ صبح تک تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ دوزخ کے ذکر پر بہت رویا کرتے تھے۔ ہر بخشش کے موقع پر کمربستہ اور ہر سخاوت کے لئے پیش پیش رہتے تھے۔ بڑے باحیا اور باوفا تھے۔ اور ادنیٰ باتوں سے بہت بلند رہا کرتے تھے جیش العسرۃ[ل] کا سہرا الحضین کے سر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اس لئے جو شخص ان پر لعنت کرے اللہ قیامت کے دن تک اس پر لعنت کرنے والوں کی لعنت نازل کرتا رہے گا۔

خلافت عثمانی میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، بھی حضرت عبداللہ بن عباس پر بڑا اعتماد فرماتے تھے۔ جس سال شہید ہوئے ہیں اسی سال آپ نے حضرت ابن عباس کو امیر الحج بنایا تھا۔ الحضین اگرچہ حضرت عثمان سے بہت محبت تھی اس کے باوجود جب حالات کا اقتضا ہوتا تو یہ حق بات کا سامنا کرنے میں پس و پیش نہ کرتے۔ ایک روایت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی تھے۔ ایک ضرورت سے حضرت عثمان

ل۔ جیش العسرۃ اس لشکر کا نام ہے جو غزوہ تبوک میں رومیوں سے لڑنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں مسلمان بہت عسرت کی حالت میں تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان اہل ثروت سے مطالبہ کیا کہ وہ تہیدست مجاہدین کے لئے سامان مہیا کر دیں اس موقع پر اکثر صحابہ نے حتیٰ کہ عورتوں نے بھی مقدور بھر کافی اعانت کی۔ حضرت عثمان نے سب سے بڑھ کر اعانت کی جس کی مقدار دس ہزار دینار پچاس فرش اور تین سو اونٹ تھی۔ (ادارہ)

کے پاس دندے کر گئی - ابن عباس کے سوا باقی سب نے حضرت عثمان سے بات چیت کی یہاں تک کہ ان سے عذر و معذرت کرنے میں مبالغہ کیا - عبداللہ بن عباس نے اس کے بجائے جامع طرز کی گفتگو کی اور آخر ان کے سامنے ہر حاجت ٹھیک طریقے سے پیش کردی - اس لئے حضرت عثمان کو وفد کی حاجت پوری کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا -

حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عثمان کی شہادت سے بہت گھبرائے اور انھوں نے اس واقع پر اپنا سخت تاسف ظاہر کیا مگر جب بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان نزاع بڑھنے لگا - جس میں بنی امیہ حضرت عثمان کے خون کے دعوے دار ہوکر ان کے قاتلوں کا مطالبہ کر رہے تھے اور یہ جھگڑا دونوں فریقوں کے مابین ترقی کرتا جا رہا تھا - اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تعلق قرابت کی بنا پر مجبور ہوئے کہ ان کے پڑوس میں ٹھہرے رہیں -

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے بڑی محبت تھی اور وہ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے - آپ نے ان کی نسبت فرمایا تھا ہم (ابر کے) مہین پردے سے بہنے والی بارش (عبداللہ بن عباس کے کلام) کا انتظار ان کی عقل و فراست کی وجہ سے کر رہے ہیں -

عبداللہ بن عباس حضرت علی کی نظر میں

اسی طرح جب آپ کو حضرت ابن عباس کی وہ تفسیر جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول : لَم آکن لِاَحرقهم ......) سے متعلق بیان کی تھی معلوم ہوئی تو کہا : واہ رے ابن ام الفضل (یعنی ابن عباس) بیشک وہ غواص ہے -

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت مکمل ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن عباس کو بصرے کا والی بنایا۔ حضرت عبداللہ نے وہاں پہنچ کر اپنا علم پھیلانا شروع کیا اور ماہ رمضان میں وہاں کی مسجد میں لوگوں سے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے لگے۔ پھر جب معرکۂ صفین میں حضرت علی اور امیر معاویہ کی فوجیں ایک دوسرے سے مقابل ہوئیں تو حضرت عبداللہ بن عباس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے میسرہ پہ متعین تھے۔ اور لڑائی میں شریک رہ کر بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ عموماً ہاشمیوں کی طرف سے دفاع کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا ان کے لئے ضروری تھا کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ: اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُومًا (اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم[1])

واقعہ تحکیم اس کے بعد واقعہ تحکیم[2] کا حیلہ ظہور میں آیا۔ دونوں طرف کے حکم جمع ہوئے۔ عمرو بن العاص امیر معاویہ کی طرف سے اور ابوموسیٰ اشعری حضرت علی کی طرف سے۔ حضرت امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کو شام کے چار سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا تھا جو دومۃ الجندل میں اکٹھا ہوئے تھے۔

بظاہر حضرت ابن عباس نتیجہ تحکیم کی طرف سے خائف تھے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ ان کے چچیرے بھائی علی اس معاملے میں ناکام ہوں گے۔ زادیو

---

[1] ۔ یہ معمولی قول نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں ظالم کی مدد کرنے کی صراحت اس طرح کی گئی ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرنا یا سمجھانا اس کی مدد میں داخل ہے (بخاری) (ادارہ) [2] تشم کانت خدعۃ التحکیم۔

کا بیان ہے کہ جب حضرت علی کا وفد مقام اجتماع کے قریب آیا تو ابن عباس نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا: چونکہ تم دوسروں سے زیادہ نیک ہو اس وجہ سے علی تمہارے حکم ہونے پر راضی نہیں ہیں۔ تمہارے پاس آنے والوں کی بڑی کثرت ہے اور لوگ تمہارے سوا کسی اور کے حکم ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ایک شرارت ہر جوان کے ساتھ کرنا مقصود ہے اور (تحکیم میں) عرب کا ایک زیرک شخص تمہارے ساتھ ہے۔ اگر اس موقع پر تم بھولنے لگو تو یہ بات نہ بھولنا کہ علی سے انھیں لوگوں نے بیعت کی ہے جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے بیعت کر چکے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے جو انھیں خلافت سے دور رکھتی ہو اور معاویہ میں کوئی ایسی خصلت نہیں ہے جو انھیں خلافت سے قریب رکھتی ہو۔"

اس کے باوجود جو کچھ عبداللہ بن عباس نے ابو موسیٰ سے کہا تھا وہ نہیں ہوا جس کی شان یہ تھی کہ وہ انھیں راضی کر لیں یہ نہ تھی کہ انھیں حضرت علی کی اعانت کے لئے خلوص اور شدت کے ساتھ ابھاریں اس موقع پر عمرو بن العاص جو چال چلے تھے۔ عبداللہ بن عباس نے اسے بھانپ لیا تھا۔ اس لئے انھوں نے ابو موسیٰ سے چلّا کر کہا: تم پر افسوس ہے، بخدا میرا گمان ہے کہ عمرو نے تمہیں دھوکا دے دیا، اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہو چکے ہو تو اس معاملے میں پہلے عمرو کو بولنے دو، اس کے بعد تم خود تقریر کرو کیونکہ عمرو ایک پیماں شکن شخص ہیں۔ اور تمہارے اور ان کے درمیان جو معاملہ درپیش ہے اس میں انھوں نے جس بات پر رضامندی ظاہر کی ہے اس پر مجھے اطمینان نہیں ہے۔ جب

تم لوگوں میں کھڑے ہوکر تقریر کرو گے وہ تمہاری مخالفت کریں گے۔ اور یہ واقعہ ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ بدگمانیاں صحیح ثابت ہوئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے معاملے میں ناکام ہوئے۔

عبداللہ بن عباس اور امیر معاویہ

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور خلافت کا معاملہ امیر معاویہ کے حق میں طے ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ نہ چاہا کہ امیر معاویہ سے مخالفت قائم رہے وہ ایک ذی علم شخص تھے اور اپنے آپ کو ظلم و بے اعتدالی کے مواقع سے دور رکھنا پسند کرتے تھے اس لئے وہ اشراف قریش کے ایک وفد کے ساتھ جس میں عبداللہ بن الزبیر، عبداللہ بن جعفر طیّار، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر، اور اباّن بن عثمان شریک تھے۔ دمشق پہنچ کر حضرت معاویہ سے ملے حضرت معاویہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے اختلاف رائے رکھتے تھے تاہم وہ ان کی خاطر خواہ قدر کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ کو اس لشکر میں شریک کر لیا جو ۴۹ھ میں فتح قسطنطنیہ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اس مہم میں حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن الزبیر اور ابوایوب الانصاری نے حصہ لیا تھا۔ اس موقع پر امیر معاویہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمات کو اتنا پسند کیا کہ انھوں نے ذیل کے اشعار میں ان کی تعریف کی جو ایک روایت کے مطابق خود امیر معاویہ نے کہے ہیں :-

اذا قال لم یترک مقالا لقائل
مصیبٍ ولم یثنِ اللسانَ علی ھجر

(جب وہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی کہنے والے کیلئے کلام کی گنجائش نہیں چھوڑی

تو وہ ٹھیک کہتے ہیں اس لئے کہ وہ زبان سے بیہودہ بات نہیں نکالتے)

يُصَرِّفُ بالقول اللسان اذا انتحى

وينظرُ اعطافه نَظَرَ الصَّقرُ

(جب وہ بات کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو بات سے بات نکالتے ہیں اور اپنے پہلوؤں پر شاہین کی طرح نظر کرتے ہیں)

یزید بن معاویہ سے بیعت

اس کے بعد جب امیر معاویہ کے انتقال پر ان کے بیٹے یزید کے لئے بیعت لی جانے لگی تو حضرت حسین ابن علی، عبداللہ بن الزبیر اور عبداللہ بن عمر جیسے اشراف مکہ میں سے جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس بیعت سے علیحدہ رکھا انھیں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس بھی علیحدہ رہے۔ اس وقت یزید نے اپنے عامل مدینہ عتبہ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں سے اس کے لئے بیعت لے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اس سے بیعت کرلی۔ کیونکہ بظاہر حضرت عبداللہ بن کو اس قسم کی سیاسی تحریکوں میں گھسنا پسند نہ تھا۔ جن سے انھیں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اسی لئے جب حضرت حسین بن علی رضؓ نے کوفے والوں کی دعوت قبول کرکے وہاں چلے جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ابن عباس نے انھیں روکا اور نصیحت کی کہ وہ یہ سفر اختیار نہ کریں۔ آپ نے ان سے کہا: کیا تم جن لوگوں میں جارہے ہو۔ وہ اپنے شامی امیر کو قتل کرکے شہر پر قابض ہو چکے ہیں اور دشمن کو نکال چکے ہیں؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو ضرور ان کے پاس جاؤ۔ اور اگر انھوں نے اس حال میں تمہیں دعوت دی ہے کہ شام کا امیر ان پر حکمران ہے اور اس کے عمال ان کے شہروں سے

کسی کہنے والے کے لئے کوئی بات نہیں چھوڑتے اور نہیں ان کے درمیان کوئی فاصلہ نظر نہیں آتا)

کَفَیٰ وَشَفَیٰ مَافِی النُّفُوسِ فَلَمْ یَدَعْ

لِذِی اِرْبَۃٍ فِی الْقَوْلِ جِدًّا وَلَا ھَزْلًا

(جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اس کی نسبت یہ کافی اور تشفی بخش بات کہتے ہیں اور کسی حاجتمند کے لئے نہ سنجیدہ بات کو چھوڑتے ہیں نہ خوش طبعی کو)

تفسیر قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس کا درجہ

قرآن کے معانی سمجھنے کے لئے مسلمان جن علوم نقلیہ میں مشغول رہتے تھے انہی میں علم التفسیر بھی ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی صرف انہی آیات کی تفسیر فرماتے تھے۔ جن کو ایسی آیتوں میں شمار کیا جاتا ہے جو حضرت جبریل نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کی تھیں پھر جب عربی حکومت میں وسعت ہوئی اور عجمی اسلام میں داخل ہوئے۔ تو قرآنی آیات کو سمجھنے کی ضرورت ہوئی۔ اور بعض صحابہ نے تفسیر کا شغل اختیار کیا ان میں حضرت عبداللہ بن عباس صف اوّل کے لوگوں میں سے تھے انھوں نے اس فن میں بڑی مہارت پیدا کی اور اسے بہت اچھا بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے بارے میں یہ قول مشہور ہے" ابن عباس قرآن کے اچھے ترجمان ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں تیز فہمی اور باریک بینی کی صفات عطا کی تھیں۔ جن کی بدولت یہ پہلی صدی ہجری میں تفسیر قرآن کا سرچشمہ بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر جیسے اکابر مفسرین وشارحین لوگوں

نے ان کی نسبت کہا تھا: وہ حجتوں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔
جس وقت صحابہ میں کسی بات پر اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس کی بات قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ لغوی نے طاؤس کا یہ قول نقل کیا ہے: میں نے صحابہ میں سے پچاس یا ستر اشخاص کو دیکھا کہ جب وہ کسی بات کو پوچھتے اور ابن عباس سے اختلاف کرتے تو اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک یہ نہ کہدیتے کہ جو کچھ ابن عباس نے کہا ہے وہی درست ہے۔ اسی علمی تبحر اور وسائل معلومات کی کثرت کی وجہ سے ابن عباس کو بحر (سمندر) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، اپنے اجتہاد کے باوجود مشکل مسائل میں عبداللہ بن عباس کی تعریف کرتے تھے قاسم بن محمد کہتے ہیں: میں نے ابن عباس کی مجلس میں کبھی کوئی ناحق بات نہیں دیکھی۔ اور ان کے فتوے سے زیادہ کوئی فتوی سنت سے زیادہ مشابہ نہیں سنا۔

عبداللہ بن عباس کے اصحاب الحفیں "حَبرُ" (نیک عالم یا علامہ) کہا کرتے تھے۔ حسّان بن ثابت نے ان کی مدح کی تو یہ اشعار کہے:

اذما ابن عباس بدالک وجہہٗ
رائیتَ لہ فی کل احوالہ فضلا

(جب تمہیں ابن عباس کا چہرہ نظر آئے گا تو تم ان کے تمام حالات میں ان کی فضیلت دیکھ لوگے)

اذا قال لم یترُکْ مقالاً لقائل
بمنتظِماتٍ لا نرَیٰ بینہا فصلاً

(جب وہ کچھ کہتے ہیں تو اپنی باقاعدہ اور مربوط باتوں کی بدولت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس چل کر پوچھیں کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان صاحب نے جواب دیا: آپ پر بڑا تعجب ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ لوگ علم میں خود آپ کی حاجت رکھتے ہیں (پھر آپ ان کے پاس کیوں جاتے ہیں) حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کی بات پر توجہ نہ کی۔ اور لوگوں سے پوچھتے رہے اور کہا: اگر مجھے کسی شخص سے حدیث پہنچ سکتی ہو تو میں اس کے دروازے پر جاؤں گا۔ ایسے میں وہ قیلولہ کر رہا ہو تو میں اس کے دروازے پر اپنی چادر کو تکیہ بنا کر وہیں ٹک جاؤں گا۔ ہوا مجھ پر خاک برساتی رہے گی۔ پھر وہ باہر آکر مجھے دیکھے گا اور کہے گا: اے رسول اللہ کے ابن عم، آپ کیسے آئے؟ آپ نے مجھے کیوں نہ بلا لیا۔ میں آپ کے پاس چلا آتا۔ اس وقت میں کہوں گا۔: میں ہی اس کا زیادہ حق دار تھا۔ کہ تمہارے پاس آیا اور تم سے حدیث پوچھتا۔"

عبداللہ بن عباس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ وہ حدیث کی تدوین بھی کرتے اور اسے لکھتے بھی تھے۔ ایک روایت ہے کہ وہ ایک شخص کو اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے جو ان کے لئے کتابت کا کام انجام دیتا۔ علوم حدیث میں ابن عباس کا تبحر اس درجے کو پہنچ گیا تھا کہ وہ تمام صحابہ میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ روائیت بھی ہے کہ جب کوئی شخص ابوہریرہ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتا تو وہ اس سے کہتے: ابن عباس کے پاس جا کر پوچھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل فرمایا ہے اسے جاننے والے جتنے لوگ رہ گئے ہیں یہ ان سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

خراج وصول کر رہے ہیں۔ تو یقین کر لو کہ انھوں نے تمہیں صرف لڑنے کے لئے بلایا ہے۔ مجھے ان کی طرف سے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ دھوکا دیں گے۔ تم سے جھوٹ بولیں گے، تمہاری مخالفت کریں گے تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔"

حضرت حسین بن علی نے حضرت عبداللہ بن عباس کی نصیحت نہ سنی اور کربلا میں شہید کئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عباس پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے انھیں کم عمری ہی سے علم کی راہ دکھائی تھی۔ اس کے بعد یہ جوان ہوئے تو ان میں خدا ترسی و پرہیز گاری کی صفات موجود تھیں۔ اور بلوغ کے بعد ہی سے دانائی و ہوشمندی، وسعت صدر، علمی تبحر اور ایمانی قوت میں مشہور ہو چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبرک آثار سے جو غیر معمولی محبت تھی اس کی وجہ سے انہیں حدیثوں کو جمع کرنے، نقل کرنے اور حفظ کرنے میں بڑا شغف رہتا تھا تاکہ وہ اس طریقے سے سنت کی میراث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا تحفظ کر سکیں اور یہ چیزیں طول زمانہ کے ساتھ منتشر نہ ہو جائیں ساتھ ہی ان کے ہاتھوں شریعت کی ایک نمایاں خدمت سرانجام پا سکے چنانچہ وہ حدیث کا سرچشمہ ہیں اور سب سے پہلے ناقل حدیث ہیں۔

حدیثیں جمع کرنے کا اہتمام

حدیث کی جمع و تدوین میں ان کا اہتمام جس درجہ بڑھ ہوا تھا۔ اس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت عبداللہ بن عباس ایک انصاری کے پاس آئے اور ان سے کہا:

کوان کا حوالہ دے دیا کرتے تھے۔ ایک روایت ہے: ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے اس آیت کے متعلق پوچھا: کانتا رتقا ففتقناھما (دونوں جڑے ہوئے تھے ہم نے انھیں کھولا) تو انھوں نے جواب دیا: اس شیخ (عبداللہ بن عباس) کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ پھر ان کے پاس سے آکر مجھے اطلاع دو۔ وہ شخص ابن عباس کے پاس گیا اور اس آیت کے معنی پوچھے۔ انھوں نے جواب دیا: کانت السماء رتقاء لا تمطر والارض رتقاء لا تُنبتُ ففتقَ ھذا بالمطر وھذہ بالنبات۔

(آسمان جڑا ہوا تھا، پانی نہ برساتا تھا۔ اور زمین جڑی ہوئی تھی۔ پیداوار نہ اگاتی تھی، پھر آسمان سے بارش پھوٹ پڑی اور زمین سے نباتات) وہ شخص یہ جواب لے کر ابن عمر کے پاس واپس پہنچا۔ انھوں نے کہا: بے شک ابن عباس کو سچا علم دیا گیا ہے۔" اس طرح تم کہا کرتے تھے کہ مجھے قرآن کی تفسیر پر ابن عباس کی جرأت پسند نہیں آتی، اب تم نے جان لیا ہے کہ انھیں علم عطا ہوا ہے۔

ایک مرتبہ ابن عباس نے سورۃ النور پڑھی۔ پھر اس کی تفسیر بیان کرنے لگے۔ ایک شخص نے کہا: اگر دیلم کے لوگ اس کو سنتے تو ضرور مسلمان ہو جاتے۔

حضرت ابن عباس اپنے علم کے ساتھ متواضع بھی تھے۔ جب ان سے کوئی بات پوچھی جاتی اور وہ قرآن میں ہوتی تو قرآن کے ذریعے اس کا جواب دیتے۔ قرآن میں نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ اور اگر ایسی نہ ہوتی بلکہ اس کا تعلق حضرت ابوبکر و عمر سے ہوتا تو اس سے آگاہ کرتے اور یہ بھی

نہ ہوتا تو پھر اپنی رائے سے اس کا جواب دیتے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے: وہ اجتہاد کرتے تھے۔

حلیہ اور اخلاقی خصوصیات

عبداللہ بن عباس گورے رنگ کے طویل القامت شخص تھے۔ قد لمبائی میں نکلتا ہوا، اور رنگ زردی لئے ہوئے تھا، جسیم اور خوبرو تھے۔ مہندی سے خضاب کیا کرتے تھے۔ مسروق راوی ہیں: تم ابن عباس کو دیکھو تو کہوگے سب سے خوبصورت شخص ہیں، وہ بات کہیں تو کہوگے سب سے زیادہ خوش بیان ہیں اور جب وہ حدیث بیان کریں تو کہوگے وہ سب سے بڑے عالم ہیں لیکن عبداللہ حسن صورت کے باوجود نفس کے اچھے، بلند اخلاق والے اور ایسے متواضع شخص تھے جس میں کمزوری نہ تھی، ایسے فیاض تھے جس میں اسراف نہ تھا اور اتنے حلیم تھے کہ ان کی بردباری ضرب المثل ہوگئی تھی۔ کہتے ہیں ایک شخص نے انھیں گالی دی تو انھوں نے کہا: تم مجھے گالی دیتے ہو۔ حالانکہ مجھ میں تین باتیں پائی جاتی ہیں: جب میں مسلمان حاکموں میں سے کسی کی نسبت سنتا ہوں کہ وہ اپنے فیصلے میں عدل کرتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ غالباً میں اس کے پاس فیصلہ حاصل کرنے کبھی نہ جاؤں گا، جب میں سنتا ہوں کہ مسلمانوں کے کسی شہر میں بارش ہوئی ہے تو خوش ہوتا ہوں حالانکہ اس شہر میں نہ میرے جانور ہوتے ہیں نہ چرواہے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کوئی آیت مجھے پہنچتی ہے تو میں اس بات کا خواہاں ہوتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو اس کا ایسا ہی علم ہو جیسا مجھے ہے۔

آخری عمر کے حالات اور وفات

عمر کے آخری دنوں میں عبداللہ بن عباس کی بصارت جاتی رہی تو نہ بیقرار ہوئے

نہ مالیومن ۔ وہ صرف یہ کہا کرتے تھے:

اِنّی وَجَدْتُ بیانَ المرءِ نافلۃً

تہدی لہ ووجدت العیّ کالصّمم

(میں نے ایک شخص کے بیان کو مال غنیمت کی طرح پایا ہے جسے ہدیئے میں بھیجا جاتا ہے اور ہکلے شخص کو بہرے کی طرح دیکھا ہے (جو بات نہیں کر سکتا اور بہرے کی طرح بیان اس کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتا)

عبداللہ بن عباس کی وفات عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوئی محمد بن الحنفیہ بن ابی طالب نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

ان حالات سے ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس علم میں امام اور اخلاق میں دوسروں کے لئے نمونہ تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو پاکیزہ کرے اور جنت کو ان کا ٹھکانا بنائے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

سنہ ۳ھ — ۴۹ھ

نام ونسب وغیرہ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :- حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت رسول خواتین عالم کی سردار تھیں اور یہ خود جوانان اہل جنت کے سردار تھے آپ کو ریحانۃ النبی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پھول) کہلانے اور حضور کے ہم شبیہہ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ جس بزرگ ہستی کا حسب ونسب اتنا شاندار رہا اس کا ذکر کرنا موَ صحابہ اور مشاہیر اسلام میں جتنی اہمیت رکھتا ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

ولادت حضرت حسن ماہ رمضان سنہ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں وسط شعبان سنہ ۳ھ آیا ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جنگ احد کے دو سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ جنگ احد اور واقعہ ہجرت کے درمیان دو سال اور ساڑھے چھ ماہ کی مدت تھی۔

مورخین راوی ہیں کہ ام الفضل زوجہ[1] رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

---

[1] یہ متن کے الفاظ "ام الفضل زوج الرسول" کا ترجمہ ہے بظاہر اصل مسودہ کے ٹائپ ہوتے وقت لفظ "عم" چھوٹ گیا ہے یعنی "ام الفضل زوجہ عم الرسول" ہوگا یا پھر مولف سے تسامح ہوا ہے۔

حسن کی پیدائش سے پہلے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضا میں سے ایک عضو ان کے گھر میں ہے۔ جب انھوں نے یہ خواب آپ سے بیان کیا تو فرمایا:- تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، فاطمہؓ کے لڑکا ہوگا اور تم اسے دودھ پلاؤ گی۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت فاطمہ کے یہاں ولادت ہوئی ؎۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپؐ کی اولاد میں حضرت فاطمہ کے سوا کوئی باقی نہ تھا اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ حضرت فاطمہ کے بیٹوں اور جگر گوشوں کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھیں اور انھیں دیکھ کر آپ کا دل مسرت و شادمانی سے معمور ہو جائے۔ آپ کو جیسے ہی اس ولادت کی اطلاع ہوئی۔ بیٹی کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ حضرت علی ابن ابی طالب نے عرض کیا: حرب، فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام حسن ہے۔ اس طرح یہ نام گرامی حضور ہی کا اختیار فرمایا ہوا ہے۔ اس مبارک مولود کی ولادت سے اتنی خوشی ہوئی کہ بچہ کا سر منڈوانے اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا اور دو مینڈھے بھی ذبح کروا کے ان کا گوشت فقرا میں تقسیم کروایا۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت حسن کی ولادت ایمان و تقویٰ سے معمور ماحول اور پاکیزہ و متواضع گھرانے میں ہوئی جس کی بنیاد ہی فضیلت اور خشیت الٰہی

بقیہ حاشیہ ص ۲۴۲
بہر حال ام الفضل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں جو آپ کے چچا تھے۔ (ادارہ)

؎۲ اسی روایت سے ملتی جلتی ایک روایت حضرت حسینؓ کی ولادت کے ضمن میں ملتی ہے (ادارہ)

پر رکھی گئی ہے۔ گویا آپ نے اپنی آنکھیں ایسے گھر میں کھولی تھیں جو تمام مسلمانوں کے نزدیک نہایت معزز اور سب سے زیادہ بابرکت تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن سے بالکل ایسی محبت کرتے تھے جیسی اپنے بیٹیوں اور جگر کے ٹکڑوں سے کیا کرتے تھے

ان کے ساتھ آپ کی محبت کا وہ عالم تھا کہ لوگ اولاد کے ساتھ والدین کے حسن سلوک اور شفقت میں اور انبیاء مرسلین علیہم السلام کی تواضع میں اس کی مثال دیا کرتے تھے۔ اسامہ بن زید راوی ہیں! ایک رات میں کسی ضرورت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نکلے تو کسی چیز میں مشغول تھے جسے میں نہ جانتا تھا۔ جب میں اپنی حاجت سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا۔ یہ آپ کس چیز میں مشغول ہیں؟ آپ نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے کولھے پر حسن کو لئے ہوئے ہیں، پھر آپ نے فرمایا:۔ یہ میرا بیٹا اور میری بیٹی کا بیٹا ہے، اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، جو اس سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر اور ان دونوں کو جو محبوب رکھے اسے محبوب رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے سے جتنی محبت اور شفقت فرماتے تھے اس سے متعلق حضرت ابن عباس ایک حدیث کے دوران میں راوی ہیں:۔ آپ حسن کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے کہا:۔ اے لڑکے تم کتنے اچھے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو۔ حضور نے فرمایا:۔ اور یہ سوار بھی کتنا اچھا ہے ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے اتنے میں دیکھا کہ حسن ایک سرخ قمیص پہنے لڑکھڑاتے چلے

آرہے ہیں۔ آپ نے خطبہ موقوف فرما دیا۔ منبر سے اترے، حسن کو اٹھایا اور گود میں لے کر کہا:۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اِنَّمَا اموالکم واولادکم فتنۃ (بجز اس کے نہیں کہ تمہارے اموال و اولاد آزمائش ہیں) میں نے اس لڑکے کو چلتے اور لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا، کلام موقوف کیا اور اسے اٹھا لایا۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اتنی محبت تھی اور ان کے ساتھ اس درجہ شفقت فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے استفادہ

جیسے ہی حضرت حسن نے ہوش سنبھالا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اللہ کے سکھائے ہوئے علم میں سے تعلیم دینے لگے اور تربیت اولاد کے بہترین طریقے پر ان کی تربیت فرمائی۔ خود حضرت حسن راوی ہیں:۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمے تعلیم فرمائے ہیں جنھیں میں وتر میں پڑھا کرتا ہوں:۔ اَللّٰھُمَّ اھدِنِی فِیمَن ھَدَیتَ وَعَافِنِی فِیمَن عَافَیتَ وَتَوَلَّنِی فِیمَن تَوَلَّیتَ وَبَارِک لِی فِیمَا اَعطَیتَ وَقِنِی شَرَّ مَا قَضَیتَ فَاِنَّکَ تَقضِی وَلَا یُقضٰی عَلَیکَ وَاِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَن وَّالَیتَ تَبَارَکتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیتَ [۱] اے اللہ اس شخص کے ساتھ ہدایت دے جس کو تو نے ہدایت کی، اس کے ساتھ عافیت دے جسے تو نے عافیت بخشی، مجھے اس کے ساتھ دوست رکھ جسے تو نے دوست بنایا، مجھے اس چیز میں برکت دے جو تو نے عطا کی ہے مجھے

---

[۱] وتر کی تیسری رکعت میں جو دعائیں قنوت پڑھی جاتی ہیں ان میں سے ایک دعائے ماثورہ یہی ہے اس دعا میں لا یذل من والیت کے بعد لا یعز من عادیت کے الفاظ اور ہیں اور تعالیت کے بعد وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین بھی پڑھا جاتا ہے۔ (ادارہ)

اس بات کے بُرے نتیجے سے بچا۔ جس کا تو نے حکم دیا کیونکہ تو حکم دیتا ہے اور تجھ کو حکم نہیں دیا جاتا، بیشک وہ ذلیل نہیں ہوتا جس کا تو دوست ہوا۔ اے ہمارے رب تو بہت برکت والا اور بڑے رتبے والا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کے بچپن ہی میں ان کے نرم و نازک دل میں حق کی محبّت اور عدل و ایثار کے جذبات ابھارتے رہتے تھے، اور قناعت و رضا کی روح پھونکتے رہتے تھے۔ خود حضرت حسن راوی ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد ہے کہ میں نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے لی اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا تھا۔ آپ نے اسے اس کے لعاب کے ساتھ (میرے منہ سے) نکال لیا اور پھر صدقے کی کھجوروں میں رکھدیا (اس وقت) آپ سے کہا گیا: ۔ یا رسول اللہ اس کھجور سے متعلق آپ کے ذمے ایسی کیا بات تھی؟ فرمایا: ۔ آلِ محمدؐ کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے، آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے، جس بات میں تمہیں شک ہوتا ہو اسے بے شبہ بات کے مقابلے میں چھوڑ دیا کرو، سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔ آپ ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے [1]

آیت تطہیر کا نزول

اللہ تعالیٰ اس محبت و شفقت سے واقف تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں، گھر والوں اور عزیزوں سے تھی اس نے اپنے رسول کی اس محبت کا اعزاز ملحوظ رکھا اور یہ آیت نازل فرما کر اس محبّت کا درجہ بے حد بلند فرما دیا: ۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً (اے گھر والو اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کر دے اور

---

[1] فاضل مؤلف نے یہاں جس دعا کا ذکر کیا ہے وہ نقل نہیں کی ہے ۔۔۔ (ادارہ)

نہیں اچھی طرح پاک کر دے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حسن۔ اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ اور انھیں ایک چادر اڑھائی۔ حضرت علی آپ کے پیچھے تھے اور فرمایا:۔ (اے اللہ) یہ لوگ میرے اہلبیت ہیں۔ ان سے میل کچیل کو دور کر دے اور انھیں پاک صاف کر دے۔ اس وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ نے کہا:۔ یا رسول میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا:۔ تم اپنی جگہ پہ ہو۔ اور میری نظر میں بہتر ہو۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ خاتمے کا وقت آپہنچا ہے اور عنقریب اللہ سے جا ملیں گے تو مسلمانوں کو اپنی آل کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت فرمائی اور کہا:۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اللہ کی رسی (یعنی قرآن مجید) جس کا سلسلہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا ہے اور میرا کنبہ، میرے اہلبیت۔ یہ دونوں ہرگز علیحدہ نہ ہوں گے۔ یہانتک کہ حوض (کوثر) پر وارد ہوں۔ اس لئے اس کا خیال رکھو کہ، میرے بعد ان کے ساتھ تم کیسا سلوک کرتے ہو۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے کوچ فرمایا حضرت حسن کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس کمسنی کے باوجود انھوں نے بہت سی باتیں یاد رکھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و اخلاق سیکھ لئے۔ اور کیوں نہ ہو، کیا حضرت حسنؓ۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضؓ کے لخت جگر نہ تھے۔

عہدِ رسالت کے بعد

پھر حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ اس زمانے میں یہ بچہ ہی تھے اور کوئی روایت ایسی نہیں ملتی

جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تک کے عہد میں حضرت حسن کی زندگی کا حال بیان کیا گیا ہو۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ حضرت حسن کا نشوونما بھی اسی طرح ہوا جس طرح نوجوان صحابہ کا اور صحابہ کے بیٹوں کا ہوا تھا۔ یہ بھی قرآن حفظ کرتے حدیث کی روایت کرتے اور سنت محمدیہ کے آداب سیکھتے تھے۔

حضرت حسن کا شوق جہاد

حضرت عثمان بن عفان کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت حسنؓ بیس برس کے ہو چکے تھے۔ مردوں کی سی پختگی آگئی تھی اور آداب واخلاق اور علم میں انتہائی مرتبے پر پہنچ چکے تھے۔ جب حضرت عثمان نے فتح طبرستان کا ارادہ کیا تو اس مہم کے لئے سعد بن العاص کی قیادت میں ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس میں عبداللہ بن عباس عمرو بن العاص اور زبیر بن العوام جیسے جلیل القدر صحابہ کے ساتھ حضرت حسن بھی شامل تھے کیونکہ انھیں اللہ کی راہ میں لڑنے اور دشمنان خدا سے جہاد کا ثواب حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس موقع پر حاکم جرجان سعید بن العاص سے صلح کرنے پر مجبور ہوا۔ حملہ آور فتحمند اور کامیاب واپس ہوئے اور حضرت حسن مدینے آنے کے بعد پہلے کی طرح پھر قرآن وحدیث اور ان سے متعلقہ مسائل پر غور و خوض کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمان حضرت عثمان کے واقعے کی بدولت آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ مدینے میں حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے ساتھ اختلاف رائے کے باوجود یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ حضرت عثمان کا پاکیزہ خون بہایا جائے۔ آپ نے حضرت حسنؓ کو ان کے گھر بھیجدیا تاکہ یہ حضرت عثمان کی حفاظت کریں اور جوانان قریش کے ساتھ شورش پسندوں کا حملہ رد کرنے اور خلیفہ کی طرف سے

مدافعت کرنے والوں میں شریک رہیں۔

لیکن اللہ کا ارادہ یہی تھا کہ حضرت عثمان کا خون بہے اور یہ فتنہ عالم اسلامی میں تباہی کا باعث بنے۔ حضرت علی کی خلافت پر بیعت ہو گئی اور وہ مدینے سے کوفے میں منتقل ہو گئے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضرات حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) بھی کوفے چلے گئے تاکہ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہیں۔

کوفے کی زاہدانہ زندگی

اگرچہ راویوں نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ حضرت حسن و حسین رض نے اپنے باپ کے حق کی حمایت میں ان کے معرکوں میں حصہ لیا۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اس خونریز جنگ میں ضرور شرکت ہوگی جس سے فریقین تباہی کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت حسن کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی خلافت اور اس کی شان و شوکت نے حضرت علی کو لوگوں کے ساتھ مساوات برتنے سے نہیں روکا تھا۔ آپ اس معاملے میں قریب اور بعید کے درمیان کوئی تفریق نہ فرماتے۔ اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین رضی کو بھی ان کے حق سے زیادہ نہ دیتے تھے اس لئے یہ دونوں کوفے میں زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے دنیا سے دور رہتے اور آخرت اور اس کے ثواب کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت حسن کی خلافت

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے رمضان کے تیرہ دن باقی تھے اب حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت ہوئی جس میں چالیس ہزار سے زیادہ تعداد میں لوگوں نے مرتے دم تک وفادار رہنے کا عہد کیا۔ یہ سب ان کے مطیع تھے اور ان سے

محبت کرتے تھے چنانچہ حضرت حسن تقریبًا سات ماہ عراق اور اس کے متعلقہ علاقوں خراسان، حجاز اور یمن وغیرہ کے خلیفہ رہے جس بات سے حضرت حسن کے اخلاق کی بہترین توضیح ہوتی ہے وہ ان کا خطبہ ہے جو انہوں نے اپنے والد کی وفات کے دن دیا تھا۔ وہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی ثنا کے بعد کہا:-

"ہمیں کسی شبہہ یا ندامت نے اہل شام کے مقابلے سے نہیں لوٹایا بلکہ دراصل ہم اہل شام سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ لڑتے تھے لیکن اب سلامتی کو عداوت نے چھین لیا اور صبر کو بے چینی نے جب تم صفین میں بلائے گئے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم ہوتا تھا اب تم اس حال میں ہو کہ تمہاری دنیا تمہارے دین سے مقدم رہتی ہے۔ مگر ہم تمہارے لئے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ تم جیسے تھے ہمارے لئے ویسے نہیں رہے ہو۔ اس وقت تمہارے سامنے دو قسم کے مقتول ہیں، ایک صفین کے مقتولین جن کے لئے تم روتے ہو اور دوسرے نہروان کے جن کا انتقام طلب کر رہے ہو۔ مگر رونے والا بدلہ پا گیا اور باقی ناکام رہے گا۔ لیکن معاویہ نے ہمیں جس بات کی طرف بلایا ہے اس میں نہ عزت ہے نہ انصاف۔ اس لئے اگر تم مرنے کے لئے آمادہ ہو تو ہم اس دعوت کو معاویہ ہی کی طرف لوٹا دیں اور تلوار کی دھار کے ذریعہ خدا سے اس کا فیصلہ چاہیں اور اگر تم زندگی کے خواہاں ہو تو ہم معاویہ کی بات کو قبول کر لیں اور تمہارے لئے رضا حاصل کریں۔"

امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست برداری

اگر یہ واقعہ کسی بات پر دلالت کرتا ہے تو وہ یہ ہے کہ حضرت حسن کی خلافت امیر معاویہ کی قوت کے آگے ٹھہر نہ سکی

شامی لشکروں کے مقابلے میں ان کے لشکروں کے منہزم ہونے کی خبر پھیلی تو اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عراق نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس لئے حضرت حسن نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت حسنؓ دنیا سے بے رغبت تھے حکومت و سلطنت سے بیزار رہتے تھے ایک روایت ہے کہ انھوں نے آخرت کی رغبت میں حکومت اور دنیا کو چھوڑ دیا تھا اور یہ کہا کرتے تھے:۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ اس معاملے میں امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون بہایا جائے۔ اس لئے انھوں نے امیر معاویہ کے پاس اس شرط کے ساتھ خلافت حوالہ کردینے کا پیام بھیجا کہ اہل مدینہ حجاز و عراق میں سے کسی کو کسی ایسی بات کی بنا پر طلب نہ کریں جو ان کے باپ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ انھوں نے جو کچھ مطالبہ کیا امیر معاویہ نے مان لیا اور یہ معاہدہ وسط جمادی الاول ۴۱ھ میں مکمل ہو گیا اس طرح ان کی خلافت کا زمانہ چھ ماہ اور بارہ دن ہوتا ہے۔ اس واقعے کی بدولت امیر معاویہ کو تمام اسلامی ولایات میں کامل اختیار حاصل ہو گیا۔

امیر معاویہ اور حضرت حسنؓ

ایک روایت ہے کہ جب امیر معاویہ ماہ ربیع الثانی ۴۱ھ میں کوفے میں داخل ہوئے تو حضرت حسن نے کہا: معلوم رہے کہ دانائیوں میں بہترین دانائی پرہیز گاری اور کمزوریوں میں سب سے بڑی عاجزی بدکاری ہے — اور یہ معاملہ (مسئلہ خلافت) جس میں میرے اور معاویہ کے درمیان اختلاف ہے اس میں یا تو وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں یا پھر وہ میرا حق ہے جسے میں نے امت محمد کی اصلاح اور خونریزی سے بچاؤ کی غرض سے اللہ کے لئے ترک کر دیا۔" پھر حضرت حسن امیر معاویہ کی

طرف متوجہ ہوئے اور کہا: - وَ ان ادری لعلّہٗ فتنۃ لکم و متاعٌ الی حین۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے۔

فضائل اخلاق حضرت حسن شکل و شباہت میں اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام لوگوں سے زیادہ مشابہ تھے۔ آپ بڑے بردبار، متقی اور فیاض تھے۔ آپ کی پرہیزگاری اور فضیلت ہی نے التمام خداوندی کی ترغیب میں آپ سے حکومت اور دنیا ترک کروائی آپ ہمیشہ حج پاپیادہ فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے:۔ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں۔ اپنے مال سے خیرات بہت فرماتے اور اسے فقراء و مساکین میں بانٹ دیا کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنے مال کا نصف حصہ تین مرتبہ خدا کی راہ میں دیدیا۔ آپ ...... ترک کر دیتے اور .... لے لیتے[ل] دو مرتبہ آپ نے پورا مال خیرات کر دیا۔ بڑے حلیم۔ سخی اور پرہیزگار تھے۔ دنوں کو روزہ رکھتے اور راتیں عبادت میں گزارتے۔

زندگی کا عہد آخر حضرت حسن کی وفات ۴۹ھ میں اور بقول بعض ۵۰ھ میں ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ کے پاس کہلا کر درخواست کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ جب ام المومنین نے منظور کر لیا تو اپنے بھائی حسین سے کہا: جب میں وفات پا جاؤں تو حضرت عائشہ سے پھر ہی استدعا کرنا کہ حضور کے قریب

ل:۔ متن میں عبارت چھوٹی ہوئی ہے فکان یترک .... و یاخذ .... درج ہے۔

دفن ہونے کی اجازت دیں۔ اگر وہ منظور کرلیں تو مجھے ان کے گھر میں دفن کرنا اور اگر بنو امیہ انکار کریں تو بقیع میں دفن کر دینا۔ بنو امیہ نے حضور کے جوار میں دفن کرنے سے منع کیا اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

اس طرح حضرت حسن جیسے تو زہد اور تواضع کے ساتھ زندگی گزاری اور وفات پائی تو ایک زاہد اور متواضع کی شان سے دنیا کو خیرباد کہا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ثواب عظیم عطا کرے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

سنہ ۴ھ تا سنہ ۶۱ھ

نام نسب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، باغ نبوت کے پھول جوانان جنت کے سردار اور آل عبا میں سے پانچویں شخص ہیں۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہ الزہرا بنت ام المومنین حضرت خدیجہ ہیں جو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائی تھیں، ان کے باپ حضرت علی بن ابی طالب جیسے عابد و زاہد اور تنگی سے زندگی گزارنے والے بزرگ تھے جو لڑکپن میں مسلمان ہوئے اور شہید ہو کر اللہ کے حضور میں پہنچے۔

ولادت حضرت حسین کی ولادت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے ہجرت فرمانے کے بعد ہوئی۔ تاریخ ولادت ۶ شعبان سنہ ۴ھ ہے۔ اس طرح آپ حضرت حسن کے ایک سال دس ماہ[1] بعد پیدا ہوئے اور خانوادہ نبوت میں یہ دونوں ماہ کامل اور ماہ تاباں یکے بعد دیگرے طلوع ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ولادت سے بھی ایسی ہی خوشی ہوئی جیسے ان کے بھائی حسن کے پیدا ہونے سے ہوئی تھی۔ ان کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ کے گھر

---

[1] اس بیان میں فاضل مولف سے تسامح ہوا ہے حضرت حسن کی ولادت رمضان سنہ ۳ھ میں اور حضرت حسین کی شعبان سنہ ۴ھ میں ہوئی، اس طرح دونوں کی عمر میں تقریباً ۱۱ ماہ کا فرق تھا (ادارہ)

تشریف لے گئے اور بچے کا نام حسین رکھا۔ پھر جب حضرت فاطمہ کے تیسرا لڑکا ہوا اس کا نام محسن رکھا۔ پھر فرمایا:۔ تم نے ہارون کے بیٹوں شبر، شبیر اور مشبر پر نام رکھے ہیں۔ عمران بن سلیمان راوی ہیں:۔ حسن اور حسین اہل جنت کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ دونوں نام جاہلیت میں نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نام کو اختیار کرنے میں بڑی حکمت تھی۔ مہاجرین کی جو اولاد مدینے میں ہوئی ان میں ان کا شمار پہلے پیدا ہونے والے بچوں میں تھا۔ یہ ایسی ماں سے پیدا ہوئے جن کا لقب بتول تھا۔ ان کے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین جان نثاروں میں تھے اس لئے آپ نے ان کے لئے ایسا نام تجویز کیا جس کی مثال زمانہ جاہلیت والوں میں نہیں ملتی۔

رسالتمآب کی پدرانہ شفقت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نشو ونما بھی اس پاکیزہ گھرانے میں ہوا جس طرح ان کے بھائی حسن کا ہوا تھا۔ دونوں نے نور و ایمان اور صفات خیر میں تقویٰ و پرہیزگاری کے سر چشمے سے یکساں فیض پایا تھا اور دونوں ہدایت و ایمان کے آغوش میں پروان چڑھے تھے، یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں سے برابر کی محبت تھی مگر حضرت حسین کے ساتھ اس محبت کا پلہ بھاری تھا۔ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا:۔ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے۔ جو شخص حسین سے محبت کرے اس سے اللہ محبت کرے، حسین اسباط میں سے ایک سبط (نواسہ) ہے"۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: حسن اور حسین دنیا میں ہمارا گلدستہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پدرانہ محبت و شفقت اور حسن سلوک کی نہایت شریفانہ مثال قائم فرمائی تھی۔ آپ حسین سے محبت کرتے تو اس میں بہت افراط فرماتے اور انھیں اپنے دل سے

بہت قریب رکھتے۔ حضرت حسین آپ کے دل کا ٹکڑا بنے ہوئے تھے دونوں نواسوں کے ساتھ آپ کی مہر و محبت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حسن اور حسین دونوں بچپن میں آپ کے سامنے کشتی لڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا (ھِیَ حَسَن) وہ (بضمیر مونث) حسن ہے" حضرت فاطمہ نے کہا:۔ آپ ھِیَ حَسَن کیوں فرماتے ہیں؟ - فرمایا:۔ جبریل کہتے ہیں ھِیَ حُسَین ؎۱

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسین کے ساتھ جتنی شفقت سے پیش آتے تھے اس کی مثال شداد بن عبداللہ کی روایت سے ملتی ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کے گھر آئے تو (حضرت) حسن آپ کے پاس پہنچے۔ آپ نے انھیں اپنی دائیں ران پر بٹھا لیا پھر (حضرت) حسین آئے تو انھیں بائیں ران پر بٹھایا اور انھیں پیار کیا۔ پھر حضرت فاطمہ آئیں تو آپ نے انھیں اپنے سامنے بٹھا لیا، آپ کی اسی پدرانہ محبت کا اظہار حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں:۔ میری انھی دونوں آنکھوں نے یہ واقعہ دیکھا اور کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ آپ حسین کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حسین کے دونوں پاؤں آپ کے پائے مبارک پر تھے اور آپ فرما رہے تھے:۔ تَرَقَّ عین بقہ (چڑھو۔ چڑھو، مچھر کی آنکھ)

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حسین جسم مبارک پر چڑھ گئے یہاں تک کہ اپنے دونوں پاؤں آپ کے سینے پر رکھ دیئے۔

پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنا منھ کھولو، آپ نے ان کا بوسہ لیا۔ سبحان اللہ کیا شفقت ہے۔

؎۱ سیاق عبارت کے اعتبار سے جبریل کے الفاظ بھی ھِیَ حسن ہونا چاہئیں نہ کہ ھی حسین (ادارہ)

ایمان اور اللہ کی سچی محبت سے معمور قلب سے نکلی ہوئی کیسی پاکیزہ محبت ہے!

بچپن کی تعلیم و تربیت

حضرت حسن کی طرح حضرت حسین بھی نبوت کی پاکیزہ آغوش میں بڑھے ہدایت کے نور سے روشنی حاصل کی، برگزیدۂ خلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے فیضیاب ہوتے دیکھا اور مشک و عنبر سے زیادہ معطر اور بارش سے زیادہ فیض بخش باتیں سنیں۔ انھیں حضرت فاطمہ نے دودھ پلایا، حضرت علی نے پروان چڑھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ شفقت و رعایت سے نوازا۔ جیسے ہی بولنا سیکھا ادب سیکھنے لگے۔ قرآن حفظ کیا، نماز، روزہ اور خشوع و خضوع کے آداب یاد کئے، یہ صحابہ کی مجلس میں جاتے، اور دھیرے دھیرے نزول وحی کے مقامات پر بھی جا پہنچتے، لوگوں کی نگاہیں ان کی کمسنی کے یہ انداز بڑے شوق اور پسندیدگی کے ساتھ دیکھتی رہتیں۔

اس کے بعد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، اس زمانے میں حضرتؓ حسین لڑکے ہی تھے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت میں بھی کمسن تھے اور ہنوز ان کی جسمانی ساخت نرم اور نازک شاخ کی طرح کمزور تھی۔ جب ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ نے وفات پائی تو انھیں پہلی مرتبہ سایہ مادری سے محرومی کا صدمہ محسوس ہوا مگر ان کے والد کی محبت و شفقت اور پاسداری و رعایت نے ان کا یہ غم بھلا دیا۔

تحصیل علوم اور عبادات و جہاد

اسی طرح انھوں نے بھی حضرت حسن کی طرح علوم دین کی تحصیل پر توجہ کی۔ دونوں قرآن حفظ کرتے۔ حدیث کی روایت کرتے۔ کتاب اللہ کی تفسیر بیان کرتے، دونوں روزہ نماز ادا کرتے اور تہجد و عبادت میں مشغول رہتے جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اس وقت تک حضرت حسین سنِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے۔ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی عمر بیس سال اور چند ماہ ہو چکی تھی۔ اب آپ میں بوڑھوں کی سی عقل و دانش اور عابدوں کی سی عبادت اور زہد کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ چہرے سے عالمانہ رعب اور سنجیدگی نمایاں تھی۔ بہت سا علم و فضل حاصل کیا اور مکارم اخلاق سے بہرہ مند ہوئے۔ جب اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے بلایا جاتا تو شرکت میں ذرا تردد نہ کرتے بلکہ ان لوگوں کی صف اول میں نظر آتے جو ذرا بھی چیں بہ جبیں ہوئے بغیر پورے ذوق و شوق کے ساتھ سرفروشی کے لئے چل کھڑے ہوتے تھے جس زمانے میں حضرت عثمان بن عفان نے فتح طبرستان کے لئے سعید بن العاص کی قیادت میں لشکر روانہ کیا تو حضرت حسین بھی اسلام پر اپنا خون فدا کرنے کے لئے شریک ہوئے۔

حضرت حسین کبھی سستی اور آرام طلبی کی طرف مائل نہ ہوئے۔ انھیں اور نوجوانوں کی طرح لہو و لعب میں مبتلا ہونے کا شوق نہ تھا وہ بے خوف و خطر لڑائی میں شرکت کے لئے سبقت کرتے تھے جب باغیوں نے حضرت عثمان کو مدینے میں ان کے گھر کے اندر محصور کر دیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہ ان کی مدافعت کے لئے فوراً آمادہ ہوئے تاکہ ظالموں کو دفع کر دیں اور اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو اس مظلوم کے دفاع کے لئے حضرت عثمان کے گھر بھیجدیا۔ مگر یہ دونوں اللہ کے ارادہ کو روکنے سے قاصر رہے۔ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ مدینے میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی اور مسلمان دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت علی کی خلافت پر بیعت لی گئی اور آپ کوفے منتقل ہو گئے۔ آپ کے ساتھ دونوں صاحبزادے حضرت حسن اور حسین بھی وہیں چلے گئے

خلافت سے دست برداری پر حضرت حسن سے اختلاف

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت لی گئی

تو بیعت کرنے والوں میں یہ پیش پیش تھے۔ انھوں نے حضرت حسن کو تقویت پہنچائی اور ان کی قوت بازو بنے۔ اس کے بعد جب وہ امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے اور گوشۂ عافیت کو ترجیح دی تو حضرت حسین نے اس بات کو پسند نہ کیا اور کہا:- میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ معاویہ کی تصدیق نہ کریں اور اپنے باپ کی بات کو نہ جھٹلائیں یہ سن کر حضرت حسن نے کہا:- خاموش رہو۔ میں اس بات کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس پر حضرت حسین بادل ناخواستہ چپ ہو گئے اور بھائی کی رائے کا احترام ملحوظ رکھا۔

یزید کا عہد اور واقعۂ شہادت

حضرت حسن کے انتقال کے بعد جب ۶۱ھ میں خلافت یزید کے ہاتھ میں آئی تو یزید نے اپنے عامل مدینہ ولید ابن عتبہ کو ہدایت کی کہ وہ اس کے لئے حجاز کے اکابر صحابہ سے بیعت لے۔ اس وقت عبداللہ بن الزبیر بیعت سے ہٹ گئے اور مکے کی راہ لی۔ حضرت حسین بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر مدینے سے نکل کر مکے روانہ ہو گئے۔ کوفے میں آپ کے معاون موجود تھے انھوں نے خط و کتابت کی۔ لوگ جمع ہوئے اور آپ کو خط لکھا کہ آپ کے یہاں پہنچنے پر آپ کی تائید کی جائے گی، چنانچہ آپ روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرت حسین نے اہل کوفہ کی اس حرکت سے عبرت حاصل نہ کی جو یہ لوگ اس سے پہلے ان کے والد بزرگوار کے ساتھ اور عراق کا عزم کرنے پر ان کے بھائی کے ساتھ کر چکے تھے۔ انھیں اس خطرے کا احساس تھا کہ اگر وہ مکے میں رہے تو بنی امیہ ان کا تعاقب کر کے انھیں حجاز میں قتل کر ڈالیں گے اس لئے یہاں کا قیام ناپسند کر کے عراق کا عزم کیا۔ عبداللہ بن عباس نے انھیں روانگی پر مصر پایا تو ان سے کہا:-

اگر آپ جانے ہی ہیں تو اپنی عورتوں اور لڑکوں کو ساتھ نہ لے جایئے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ بھی اسی طرح قتل کر دیئے جائیں گے جس طرح عثمان قتل کر دیئے گئے اور ان کی عورتیں اور لڑکے ان کی طرف دیکھتے رہ گئے"۔ حضرت حسین نے ناصحوں کی نصیحت پر توجہ نہ کی اور ایک مختصر جماعت کے ساتھ جس میں (۸۰) نفوس سے زیادہ نہ تھے کوفے کی راہ لی۔

کوفے کے قریب پہنچ کر جب آپ کو خطرہ محسوس ہوا تو واپسی کا ارادہ فرمایا۔ لیکن عبداللہ بن زیاد آپ کی گھات میں تھا اس نے روکا اس لئے کربلا کی راہ لی جہاں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو لڑائی ہوئی۔ اس معرکے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ اس موقع پر آپ کی طرف سے بڑے صبر وضبط اور بہادری و تقویٰ کے ساتھ ہی آداب جنگ سے کامل واقفیت اور بلاغت کا اظہار ہوا۔ اس طرح آپ کے گھر والوں اور ساتھیوں نے آپ کی اعانت میں بڑی غمگساری و جاں بازی دکھائی۔

یہ حالات تھے جن میں عراق کی سرزمین حضرت حسین کے پاکیزہ خون سے سینچی گئی۔ اہلبیت کا خون بہایا گیا اور ان پر آفت ڈھائی گئی۔ حالانکہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پورے ساٹھ برس بھی نہ گزرے تھے۔

ابو خالد الاحمر راوی ہیں:۔ میں ام سلمہؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں میں نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں؟ کہا:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سر اور ریش مبارک گرد آلود ہے۔ میں نے پوچھا:۔ یا رسول اللہ آپ کو کیا ہوا ہے؟ فرمایا:۔ میں نے حسین کا قتل دیکھا ہے

ابن عباس کی روایت ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ چہرہ غبار آلود ہے اور بال بکھرے ہوئے ہیں، آپ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون ہے۔ میں نے کہا:۔ یارسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ خون کیسا ہے؟ فرمایا: یہ حسین کا خون ہے۔ آج میں اسے برابر اٹھاتا رہا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر تمام دنیائے اسلام میں گونج اٹھی۔ شعرا نے آپ پر مرثیے لکھے اور لوگ آپ کے غم میں روئے۔ انھی مرثیوں میں سلیمان[1] بن کثیر الخزاعی کے یہ اشعار ہیں۔

مَرَرتُ علی ابیاتِ آل محمد — فلم ارَھا امثالہا حین حُلّت

(میں آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں کے پاس گزرا۔ قیام کے اعتبار سے میں نے ان جیسے کوئی گھر نہیں دیکھے)

فلا یبعدُ اللہ البیوت واھلہا — وان اصبحت منہم برغمی تخلت

(اللہ ان گھروں اور ان کے ساکنوں کو (میرے دل کی نگاہوں سے) دور نہ کرے، اگرچہ یہ گھر میری تمنا کے برخلاف ان ساکنوں سے خالی ہو چکے ہیں)

الم ترَ ان الارض اضحت مریضۃ — لفقد حسینٍ والبلاد اقشعرّت

(کیا تم نہیں دیکھتے کہ حسین کے فقدان سے زمین روگی بنگئی ہے اور ملک کانپ اٹھے ہیں)

وقد اعولت تبکی السَّماءُ لفقدہٖ — والنجمُ ناحت علیہ وصلت

(انکے مفقود ہونے پر آسمان رونے لگا اور اسکے ستاروں نے اس پر نوحہ کیا اور درود بھیجا)

---

[1] یہ مرثیہ دیوان حماسہ باب المراثی میں درج ہے جس میں اس شاعر کا نام سلیمان بن قتبہ لکھا ہے اور اس کے دوسرے شعر میں البیوت کے بجائے "الدیار" ہے۔ (ادارہ)

اخلاق و عادات

حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ بڑے روزہ دار بڑے نمازی تھے حج بہت ادا کرتے اور صدقات خیرات بہت کرتے تھے۔ آپ نے ۲۵ حج پاپیادہ ادا کئے۔ آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں مقبول و پسندیدہ تھے۔ آپ شہدا اور صدیقین میں سے ہیں۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔

امیر معاویہ بن ابی سفیان

(۱۸ ق ھ — سنہ ۶۰ ھ)

یہ بلند مرتبہ صحابی قریش کے نہایت شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے خلافت اموبیہ کی بنیاد ڈالی اور دارالخلافہ دمشق میں منتقل کیا۔ ان کا خاندان اسلامی تاریخ اور اسلامی فتوحات میں بہت نمایاں حصہ لے چکا ہے۔ ان کا پورا نام ونسب یہ ہے:۔ معاویہ بن ابی سفیان بن حرب ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ ان کے دادا امیہ عہد جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں تھے اور شرف اور حسن سلوک میں اپنے چچا ہاشم بن عبد مناف کی طرح تھے امیہ بڑے دولت مند اور کثیر العیال تاجر تھے ان کے دس بیٹے تھے جو شرف وسیادت میں ممتاز تھے۔ ان میں حرب، سفیان اور ابوسفیان شامل ہیں۔

ولادت و اسلام

معاویہ اس خاندان میں، بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اور قریش کے جوانوں اور سرداروں کی طرح فارغ البالی وخوشحالی کے ساتھ نشوونما پایا۔ جوانی کے ساتھ شہ سواری، روایت شعر، آداب اور نسبی تفاخر کے ساتھ دلچسپی کی خصوصیات بھی ترقی کرتی گئیں۔ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ کی بعثت

ہوئی اور مکے میں اسلام پھیل گیا۔ لیکن نوجوان معاویہ کا دل ابھی تک اسلام کے لئے نہ کھلا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی اور مہاجرین اور انصار قریش سے لڑنے اور جزیرۃ العرب میں اسلام پھیلانے کے لئے جد و جہد کرنے لگے۔ احد، بدر اور خندق میں قریش سے ان کے خونریز معرکے ہوئے۔ یہ معرکے دراصل دو اصولوں کے معرکے تھے۔ پہلا اصول، جدید، جو روحانیت کو غالب اور مادیت کو نظر انداز کرتا ہے۔ بندہ و آقا اور عربی و موالی کے درمیان مساوات قائم کرتا ہے۔ دوسرا اصول قدیم جو مادیت، موروثی عزت نسبی ارستقراطیت[۱] اور قبائلی عصبیت کو ان کی بدترین صورت میں دعوت دیتا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مکہ فتح کرنے اور جزیرہ نمائے عرب میں شرک و بت پرستی کے آخری قلعے کو ڈھانے کی تیاریاں کیں۔ خدا کی راہ میں طرح طرح کے عذاب اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ ان کے لئے آسان فرمادی، یہ فتح اور حرم شریف پر مسلمانوں کا غلبہ ان اہم امور میں سے ہے جس کی بدولت دعوت اسلامی میں کامیابی کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ جو عربی قبیلے شروع شروع میں اسلامی تبلیغ کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے وہ اس کے معتقد ہو گئے کہ عنایت الٰہی مسلمانوں پر اس طرح مبذول ہے جس کی مثال دوسری قوموں میں نہیں ملتی، اس لئے انھوں نے اسلام لانے میں ایک دوسرے سے سبقت کی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ فتح مکہ کے دن جس طرح ابوسفیان، ان کے بھائی اور ماں مسلمان

---

[۱] ارستقراطیت یا ارسٹوکریسی یعنی چند خواص کی حکومت جس سے یہاں نسبی و موروثی برتری مراد لی گئی ہے (اداره)

ہوئی تھیں۔ اسی طرح ان کے بیٹے معاویہ بھی اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ عفو و درگزر کا نہایت فیاضانہ سلوک فرمایا جو تاریخ عالم میں ضرب المثل بن گیا (جن لوگوں کے ساتھ یہ بےنظیر برتاؤ فرمایا گیا تھا) یہ وہی تھے جو آپ سے برسرپیکار رہ چکے تھے جنھوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا اور ہر قسم کی ایذائیں پہنچائی تھیں۔ مگر آپ نے ان پر قابو پانے کے بعد ان کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو خود یہ آپ کے ساتھ کر چکے تھے۔

فتح مکہ کے وقت ابوسفیان نے چاہا کہ اپنی قوم کو ذلت و تکلیف سے بچائیں حضرت عباس نے ابوسفیان کی یہ خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی۔ آپ نے مکے میں منادی کرادی کہ :- جو شخص اپنی تلوار میان میں رکھ لے اسے امان ہے، جو مسجد کے اندر آجائے اسے امان ہے، اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے گھر اور بیت اللہ کو برابر کر دیا اور یہ وہ شرف ہے جو کسی کو نصیب نہ ہوا۔

ایمان و اخلاص

عجیب بات ہے کہ اگرچہ حضرت معاویہ دیر میں مسلمان ہوئے تھے تاہم متبعین رسول میں ایمان و اخلاص میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دعوت محمدیہ سے وابستگی اور اس کی طرف سے مدافعت میں بہتوں سے آگے نکل گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے انھیں بلا کر کتابت وحی کی خدمت سپرد فرمائی جسے معاویہ اتنے خلوص کے ساتھ سرانجام دیتے رہے کہ حضور نے ان کے لئے دعا فرمائی اور کہا: اے اللہ معاویہ کو تحریر اور حساب سکھا اور انھیں عذاب سے بچا۔

امیر معاویہ بجائے خود بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص تھے اور

آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک بار آپ کسی حاجت سے نکلے امعاویہ آپ کے پیچھے ہو لئے آپ کے جسم پر جو دو کپڑے تھے ان میں سے ایک آپ نے ان کو پہنا دیا۔ پھر معاویہ نے اس کپڑے کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اس پر فخر کرتے رہے۔ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے یزید کو جو چیزیں ہدیے میں دیں ان میں یہ کپڑا ان کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز و بیش قیمت[1] تھا ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے اپنے بال اور ناخن تراش رہے تھے۔ حضرت معاویہ نے ان میں سے کچھ بال تو نگل لئے اور کچھ چھپا کر محفوظ کر لئے اور انھیں بہت عزیز رکھا، یہاں تک کہ جب دنیا سے کوچ کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے یزید کو بلایا اور اس سے کہا، کفن کے علاوہ یہ قمیص میرے جسم کو پہنا دینا اور یہ بال اور ناخن لے کر میرے منہ میں انکھوں کے اندر اور اعضائے سجدہ پر رکھ دینا۔ اگر کوئی چیز نفع دے سکتی ہے تو یہی ہے ورنہ اللہ کی ذات غفور و رحیم ہے۔

روایت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد جب حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگی تو امویوں نے بھی بیعت کی جن میں حضرت معاویہ اور ان کے والد سفیان بھی تھے۔ حضرت ابو بکر کے زمانے میں یہ بالالتزام روایت حدیث پر متوجہ رہتے تھے۔ انھوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عثمان اور اپنی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ بنو امیہ مرتدین کی جنگ میں بہادری کے جوہر خوب دکھا چکے تھے اور ان میں سے بعض نے

---

[1] جیسا کہ آگے کی عبارت سے واضح ہے یہ کپڑا ایک قمیص تھی جو حضور نے حضرت معاویہ کو مرحمت فرمائی تھی (ادارہ)

مختلف شعبوں میں امتیاز پیدا کیا تھا اس لئے ان کی شہرت ہوگئی تھی۔

جہاد اور شام کی ولایت

اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے اور مسلمانوں کے لشکر فارس اور روم کے ملکوں میں منتشر ہو کر لڑنے اور جہاد کرنے لگے۔ اللہ کے دین کو روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ حضرت معاویہ نے بھی اس مقدس جہاد میں پیچھے رہ جانا پسند نہ کیا یہ بھی ان لشکروں میں شریک ہوگئے جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۹ھ میں ملک شام فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا[۵۱]۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ معاویہ اس لشکر میں شامل تھے جس کی قیادت یزید بن ابی سفیان کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے قیساریہ میں جنگ کی جہاں روم کے بطریق ان کے مقابلہ پر تھے یہ جنگ بہت دنوں تک ہوتی رہی یہاں تک کہ شوال ۱۹ھ میں اللہ نے اس مقام کو فتح کرا دیا۔ پھر اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے بھائی معاویہ کو والی بنا دیا[۵۲]۔ جب اسی سال ماہ ذی الحجہ میں یزید بن ابی سفیان نے دمشق میں وفات پائی تو حضرت عمرؓ نے معاویہ کو شام کے اس پورے علاقے پر والی بنانے کی ہدایت کی جس پر یزید حکومت کرتے تھے اور ماہانہ ایک ہزار دینار تنخواہ مقرر کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ

---

۵۱ جب یزید بن ابی سفیان صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت وغیرہ کے ساحلی علاقے کی طرف بڑھے تو حضرت معاویہ اس پیش قدمی میں مقدمۃ الجیش کی رہبری کر رہے تھے (سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۳۸ بحوالہ فتوح البلدان بلاذری ص ۳۳) (ادارہ)

۵۲ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی جگہ حضرت معاویہ کو جو ان کے بھائی تھے دمشق کا عامل بنا دیا۔ (ادارہ)

حضرت عمرؓ یزید بن ابی سفیان سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ بلادِ شام کی فتح میں بہت نیک نام ہوئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور یزید بن ابی سفیان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان کے بھائی معاویہ کو والی مقرر کر دیا۔ ابوسفیان کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا:۔ اے امیر المومنین، آپ نے یزید کی جگہ کس کو والی بنایا؟ فرمایا: ان کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے کہا:۔ اے امیر المومنین آپ نے صلۂ رحمی فرمائی۔

شام کی گورنری

معلوم ہوتا ہے کہ جب معاویہ ملک شام کے والی مقرر ہوئے تو ان کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف پر تھا:۔ اپنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح عمل کرو گویا تم کل ہی مر جاؤ گے۔ وہ اپنے اتقا اور پرہیز گاری کے باوجود خوش حال لوگوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب حضرت عمر اس ملک میں داخل ہوئے تو معاویہ ایک بڑے شاندار جلوس کے ساتھ ان سے ملے۔ جب حضرت عمر کے قریب پہنچے تو انھوں نے معاویہ سے کہا:۔ تم بڑے تزک واحتشام والے شخص ہو۔ معاویہ نے کہا:۔ جی ہاں، امیر المومنین فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل حاجت تمہارے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں، اس کے باوجود تمہارا یہ حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا:۔ جی ہاں آپ کو جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے باوجود یہ حال ہے۔ فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہا:۔ ہم ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بکثرت ہیں، اس لئے سلطنت کی شان وشکوہ اس طرح ظاہر ہونا ضروری ہے

جس سے ان پر ہیبت چھائی رہی۔ آپ حکم دیں تو میں ایسا کروں اور منع فرمائیں تو باز رہوں۔ حضرت عمر نے کہا:۔ میں نے تم سے جو بات بھی پوچھی تم نے مجھے لاجواب کر دیا، تم نے جو کچھ کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو ایک ماہرانہ رائے ہے ورنہ ایک ادیبانہ فریب ہے۔ حضرت معاویہ نے پھر کہا:۔ اے امیر المومنین! مجھے اس کی نسبت کچھ حکم دیجئے۔" انھوں نے جواب دیا:۔ میں نہ تمھیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کی ایمانداری اور تقویٰ سے واقف تھے اس لئے ان کی بڑی عزت اور قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے یہاں حضرت معاویہ کی مذمت کی گئی تو فرمایا:۔ قریش کے اس نوجوان کی مذمت چھوڑ دو جو غصے کی حالت میں بھی ہنستا ہے اپنی کوئی چیز رضامندی کے بغیر حاصل نہیں کرتا اور جو کچھ اس کے سر پر ہے اسے صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے لیا جا سکتا ہے۔

عہد عثمانی

حضرت عمر فاروق کے انتقال کے بعد حضرت عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت خلافت مکمل ہوئی۔ انھوں نے حضرت معاویہ کو پورے شام کا والی بنا دیا۔ یہ اس ملک میں بارہ برس گزار چکے تھے اور یہاں اپنی بصیرت و بیدار مغزی اور حسن سیاست کی بدولت لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے اور وطن سے دور ماندہ عربی قبائل کو متحد رکھنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ دمشق ان کے حسن سلوک اور مہمان نوازی کی وجہ سے ان کے عہد میں طلب گاروں اور خواہشمندوں کا کعبہ مراد بن گیا تھا

یہاں امیر معاویہ نے فوج اکٹھا کی اور عنقریب پیش آنے والی مہم کیلئے تیاری کرنے لگے اس لئے کہ مدینے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا۔ حضرت علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی تکمیل ہو چکی تھی اور امویوں کے دل میں یہ خیال جم گیا تھا کہ حضرت عثمان کے قتل میں حضرت علی کا ہاتھ ہے اس بنا پر انھوں نے ان کا انتقام لینے کا عزم کر لیا۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خون عثمان کا مطالبہ کرنے والوں کو نصیحت کی کہ اتنے دن صبر کریں کہ لوگ سکون پر آجائیں۔ اجرائے حق کے لئے امن وامان بحال ہو جائے اور قاتلین عثمان کو سزا دی جا سکے لیکن ان کی نصیحتیں نہ سنی گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے طلبگاران قصاص کی حمایت کی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ان سے مل گئے۔ دونوں نے ناصحوں کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور نہ وحدت مسلمین کا احترام ملحوظ رکھا جو پارہ پارہ ہونے کو تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جنگ جمل میں فتح ہونے کے بعد جیسے ہی حضرت طلحہ وزبیر اور ان کے معاونین سے فراغت ہوئی عرب کے ماہر سیاست امیر معاویہ ان کے درپے ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی قرابت زیادہ تھی اور ان کے خون کا مطالبہ کرنے میں جوش وخروش کے اعتبار سے یہ اوروں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اب امیر معاویہ کے حامیوں بنی امیہ اور حضرت علی کے حامیوں بنی ہاشم کے درمیان نزاع بڑھنے لگا۔ حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں شجاعت وبہادری میں ایک دوسرے کے حریف تھے ان وجوہ سے قریب تھا کہ یہ فتنہ پورے عالم اسلامی کو تباہ کر دے۔ دونوں فریق جنگ صفین میں صف آرا ہوئے اور مقابلہ وخونریزی کے تیار ہو گئے۔ ام الخیر بنت الحریش البارقیہ نے حضرت علی اور معاویہ کے اس معرکے کی تصویر خوب کھینچی ہے اور اس دن جو تقریر کی تھی اس میں اس کشمکش کے اسباب بیان کئے ہیں۔ ام الخیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو۔ بے شبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے یقیناً اللہ نے حق کو واضح کر دیا ہے۔ دلیل ظاہر کر دی ہے، راستہ روشن کر دیا ہے اور جھنڈا بلند کر دیا ہے۔ اس نے تمہیں اندھیرے اور سرگرداں کرنے والی تاریکی میں نہیں چھوڑا۔ اللہ تم پر رحم کرے تم کہاں جا رہے ہو۔ کیا امیر المؤمنین سے بھاگ کر، یا جنگ سے فرار اختیار کر کے جا رہے ہو۔ یا اسلام اور حق سے منہ موڑ کر چلے ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَ اَخْبَارَكُمْ (ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تمہاری خبروں کو آزمالیں" سورۃ محمد ۴۷ = ۳۱) بے شک یہ بدری کینہ، جاہلیت کی عداوت اور احد کی دشمنی ہے جسے معاویہ ہمیں غافل پا کر اپنے دل میں لے کر اٹھے ہیں تاکہ اس کی بدولت بنی عبد شمس کے بدلے اتاریں۔"[۵۹]

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قاتلین عثمان کو اپنے لشکر میں پناہ دی تھی اس لئے امیر معاویہ نے سپاہ شام کو ان کے خلاف مشتعل کرنے کے بعد

---

[۵۹] ام الخیر بنت الحریش کی اس تقریر کا اقتباس تاریخی شہادت کی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا جنگ کے مواقع پر فریقین کے جذبات میں ہیجان ہوتا ہے اور حریف جماعتیں عام طور سے ایک دوسرے کے خلاف زیادہ سے زیادہ بھڑکانے والی باتیں کہا کرتی ہیں۔ اس نفسیاتی حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو ام الخیر کے بیان سے یہ استدلال درست نہ ہوگا کہ جاہلیت کی عداوت اور احد کی دشمنی امیر معاویہ اور حضرت علی کی کشمکش کا باعث تھی۔ اور حقائق اور واقعات سے بھی اس رائے کی تردید ہوتی ہے۔ درحقیقت نظریاتی و سیاسی اختلافات اس کا باعث تھے۔ (ادارہ)

اس پر اصرار کیا کہ شام کی فوج کے ساتھ حضرت علی سے لڑیں۔ حضرت علی کو جب معلوم ہوا کہ معاویہ نے جنگ کے لئے تیاری کی ہے اور اہل شام ان کے ساتھ ہیں تو کوفے روانہ ہوئے اور وہاں سے نوّے ہزار سپاہیوں کے ہمراہ صفین گئے۔ معاویہ بھی پچاسی ہزار سپاہی لے کر شام سے چل کھڑے ہوئے اس کے بعد تحکیم کی چال چلی گئی اور دونوں طرف حکم جمع ہوئے۔ حضرت علی کی طرف سے ابو موسیٰ الاشعری اور معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص۔ یہ واقعہ ماہ رمضان ۳۷ھ میں پیش آیا۔

واقعۂ تحکیم

اس معرکے میں عمرو بن العاص کی زیرکی اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ انھوں نے ابو موسیٰ کو فریب دیا ابو موسیٰ نے تو حضرت علی کو معزول کر دیا مگر عمرو نے اپنے موکل معاویہ کو برقرار رکھا اس طرح حضرت معاویہ عمرو بن العاص کی سیاسی چال، دور نگاہی اور حیلے کی بدولت یقینی ہزیمت سے نجات پا گئے۔ حضرت علی کے لشکر میں اختلاف سرایت کر چکا تھا، خوارج ظاہر ہو گئے تھے اور انھیں بہت سے لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برخلاف معاویہ کے معاونین تعداد میں بڑھ رہے تھے۔ سپاہ ان کے گرد جمع ہوتی جا رہی تھی اور ان کی مدد کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے آمادہ تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ معاویہ کو اہل شام پر بھروسہ تھا جو محبت اور پاس عہد میں مشہور تھے۔ ان کے برعکس حضرت علی اہل کوفہ پر اعتماد فرما رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ، کو کوفے میں دھوکا دیکر شہید کر دیا گیا۔ اب میدان حضرت معاویہ کے لئے خالی تھا مسلمان ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں سبقت کرنے لگے۔ مدینے اور حجاز میں جو صحابہ تھے انھوں نے بیعت

کر لی اور جن لوگوں نے ابتداً ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، اب انھوں نے بھی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس طرح امیر معاویہ نے پہلے نوکِ شمشیر خلافت حاصل کی پھر بزور سیاست و تدبیر اس پر قبضہ کیا۔ مسلمانوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسن بن علی کو خلیفہ بنایا تھا۔ مگر ان کی خلافت حضرت معاویہ کی قوت کے سامنے پائدار نہ رہ سکی۔ سپاہ شام کے مقابلے میں حضرت حسن کی فوجوں کے منہزم ہونے کی جو خبر پھیل گئی تھی اس سے متاثر ہو کر اہل عراق نے حضرت حسن کا ساتھ چھوڑ دیا اس لئے آپ نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے لئے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

پچیس ربیع الثانی سنہ ۴۱ھ کو امیر معاویہ کوفے میں داخل ہوئے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں حضرت حسن اور حضرت حسین کی موجودگی میں ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت لی گئی۔ چونکہ اس موقع پر لوگ بہت جمع ہوئے تھے اس لئے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینے چلے گئے اور اپنے انتقال تک وہیں خانہ نشین رہے۔ امیر معاویہ منصب خلافت پر انیس سال تک برقرار رہے (۴۱ — ۶۰ھ)

امیر معاویہ کی فتوحات

اس طویل مدت خلافت میں امیر معاویہ کو اس کا موقع مل گیا کہ اسلامی حکومت کی مضبوط بنیاد قائم کریں اور ایک ایسی سلطنت بنا سکیں جو نہایت قوی ارکان پر قائم ہو۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے عربوں کی تالیف قلوب اور اسلام کی اشاعت کیلئے کام کرنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کو بلاد سندھ میں بھیجا جو خراسان کے قریب ہے،

اسی طرح مہلب بن ابی صفرہ کو اس ملک میں لڑنے کے لئے روانہ کیا جو لڑتے لڑتے لاہور تک پہنچ گئے۔[۵] امیر معاویہ ہی کے عہد میں مسلمانوں کی توجہ شمال و مغرب کی طرف مبذول ہوئی جہاں رومیوں کی مشرقی حکومت اپنے قریب کے اسلامی ملکوں پر تاخت و تاراج کرتی رہتی تھی۔ امیر معاویہ نے خشکی اور سمندر کے راستے اس حکومت سے لڑنے کا انتظام کیا۔ ان کے عہد میں شامی بیڑے کی تعداد ایک ہزار چھ سو کشتیوں تک پہنچ گئی تھی جس کے ذریعے انھوں نے جزیرۂ روڈی اور بعض یونانی جزائر جیسی دشمن کی کئی سمتوں کو فتح کر لیا۔ بڑی مہمات کے لئے سرمائی اور گرمائی فوجیں مرتب کیں۔ مسلمان سعید بن عثمان کی قیادت میں بخارا میں داخل ہو گئے اور سمرقند میں بھی گھس گئے۔ ۴۸ھ میں امیر معاویہ نے بری و بحری راستوں سے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا، مگر عربوں کا لشکر اس شہر کی فصیلوں کی مضبوطی اور محل وقوع کے استحکام کی وجہ سے اسے فتح نہ کر سکا۔ ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے عقبہ بن نافع کو روانہ کیا۔ عمرو بن العاص کے زمانے سے برقہ اور زدیلہ میں دس ہزار سپاہی رہتے تھے۔ عقبہ بن نافع افریقہ میں داخل ہو گئے اور اسے فتح کر لیا۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے بربر مسلمان ہو گئے۔ عربوں نے انھیں اپنے لشکروں میں داخل کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور اس طرح انھیں اسلام میں جذب کرنے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ عقبہ بلاد سوڈان میں داخل ہو گئے۔

امیر معاویہ کے عہد میں عقبہ بن نافع الفہری کے ہاتھوں شہر قیروان کی بنیاد پڑی جس میں انھوں نے ایک مسجد جامع بنائی اور قیروان مسلمانوں کے لشکر اور ان کے

---

[۵] مہلب بن ابی صفرہ کا لاہور تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔ (ادارہ)

اہل و عیال و اموال کا مستقر بن گیا۔

امیر معاویہ نے اپنے لئے وزرا مقرر کئے اگرچہ ان کا لقب وزیر نہ تھا۔ ان میں زیاد بن ابیہ جیسے لوگ شامل ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اسلام میں نظام برید (ڈاکخانوں کا نظم و نسق) رائج کیا اور دمشق میں قصر الخضراء تعمیر کیا۔

امیر معاویہ عرب کے امیر و سیاس اشخاص میں سے تھے جنھیں سیاست میں بڑا حصہ ملا تھا۔ یہ اپنے دنیوی معاملات میں بڑے عاقل و ہوشمند تھے حسن تدبیر و حسن سیاست میں بہت ممتاز تھے۔ بڑے دانا اور فصیح شخص تھے۔ حلم کے موقع پر بردباری سے اور سختی کی جگہ شدّت سے کام لیتے تھے۔ مگر حلم کا مادہ انکی طبیعت پر غالب تھا۔ بڑے فیاض، زر بخش اور محبِ ریاست تھے، ریاست سے انھیں بڑا شغف رہتا تھا۔ شرفائے ریاست پر بہت احسان کیا کرتے تھے اشراف قریش میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور ابان بن عثمان بن ابی بکر جیسے لوگ دمشق میں ان کے پاس وفد لے کر آتے تو یہ ان کی خاطر و مدارات اور اعزاز و اکرام کرتے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے۔ یہ لوگ ان سے سخت سے سخت گفتگو کرتے اور تند و تلخ جواب دیتے مگر یہ کبھی ان سے ہنسی کی باتیں کرتے کبھی ان کی طرف سے چشم پوشی کر جاتے اور ہمیشہ انھیں بڑی بڑی رقوم اور انعامات سے نوازتے۔

ایک دن امیر معاویہ نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جو انصار کے ایک شخص تھے کہا:۔ بخدا اے قیس میں یہ نہ چاہتا تھا کہ تمہارے زندہ ہوتے ہوئے میرے اور علیؓ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان کا حال بیان کیا جائے۔ قیس نے جواب دیا:۔ بخدا مجھے بھی یہ بات پسند نہیں کہ آپ کے امیر المومنین ہوتے ہوئے

ان لڑائیوں کا تذکرہ ہو۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کچھ نہ کہا۔ ان کے حلم کی مثالوں میں سے ایک یہ واقعہ ہے کہ مسور بن مخرمہ دمشق میں معاویہ کے پاس وفد لے کر آئے اور ان کے پاس پہنچ کر انھیں سلام کیا۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا: اے مسور تم حکام پر طعن کس لئے کرتے ہو؟ مسور نے جواب دیا اسے جانے دیجئے اور ہم جس ضرورت سے آپ کے پاس آئے ہیں اس کے بارے میں ہم پر احسان کیجئے۔ امیر معاویہ نے کہا:۔ بخدا تمھیں اپنے متعلق کچھ بیان کرنا پڑے گا۔ مسور کہتے ہیں:۔ اس وقت ان کے جتنے عیب میری نظر میں تھے۔ میں نے ان میں سے ایک بھی نہ چھوڑا جسے ان سے بیان نہ کر دیا ہو۔ معاویہ نے جواب میں کہا:۔ میں گناہوں سے بری ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن اے مسور کیا تمھارے اندر گناہ نہیں ہیں اور تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اگر اللہ نے انھیں نہ بخشا تو ہلاک ہو جاؤ گے؟ انھوں نے کہا "ہاں" امیر معاویہ نے پوچھا:۔ پھر تم اس بات کے زیادہ حقدار کس طرح بن گئے کہ مجھ سے درگزر کی امید رکھو؟ خدا کی قسم لوگوں کے درمیان اصلاح، حدود اللہ کا قیام، اللہ کی راہ میں جہاد اور ایسے بڑے بڑے امور کا سرانجام میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ جنھیں میں شمار کر سکتا ہوں نہ تم۔ بخدا میں اللہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ نیکیوں کو قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف فرماتا ہے۔ بخدا جب بھی اللہ اور ماسوی اللہ کے درمیان مجھے اختیار دیا جاتا ہے تو میں ہمیشہ اللہ کو ماسوی پر اختیار کرتا ہوں۔

امیر معاویہ کا نظام الاوقات

امیر معاویہ نے اپنے دن کو اللہ کے کاموں اور اپنے خاص امور کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکتے تو بیٹھ کر حالات سلف بیان کرنے والے

شخص کی باتیں سنتے۔ اس کے بعد اندر جا کر اپنا مصحف لاتے اور اس کے کئی اجزاء کی تلاوت کرتے پھر گھر میں داخل ہوتے اور لوگوں میں امر و نہی کا فرض انجام دیتے پھر چار رکعتیں ادا کرتے، اس کے بعد مجلس میں آتے اور مقرب و مخصوص اشخاص کو بلا کر ان سے باتیں کرتیں اور ان کی باتیں سنتے۔ اسی موقع پر ان کے وزراء ان کے پاس آجاتے اور جو کچھ چاہتے اس پر ان سے گفتگو کرتے اس کے بعد ان کے سامنے انعام و اکرام دینے کے لئے اشرفیاں لائی جاتیں۔ پھر مکان کے اندر جاتے اس کے بعد باہر آکر کہتے "اے غلام، کرسی نکالو" اور مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے جہاں کرسی رکھ دی جاتی اور یہ مقصورہ کی طرف بیٹھ کر کے بیٹھ جاتے۔ اس وقت نو عمر لوگ پیش کئے جاتے، ضعیف، اعرابی، لڑکے اور عورتیں سامنے لائی جاتیں اور جن کا کوئی نہ ہوتا انھیں پیش کیا جاتا جب کوئی باقی نہ رہتا اندر چلے جاتے اور پلنگ پر بیٹھ کر کہتے۔۔ لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق آنے کی اجازت دو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص مجھے سلام کا جواب دینے سے غافل کر دے۔

خوارج نے باہم اتفاق کیا کہ علیؓ معاویہ اور عمرو بن العاص کو جو نزاع کی جڑ ہیں قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفے میں شہید کر دیا۔ لیکن امیر معاویہ کا وقت ابھی نہ آیا تھا اس لئے اس موقع پر بچ گئے۔ اس کے بعد پندرہ رجب سنہ ۶۰ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھتر سال تھی۔ ان کی خلافت انیس سال تین ماہ اور بیس دن رہی۔

اللہ معاویہ پر رحم کرے اور ان پر رحم کرنیوالے پر بھی رحم فرمائے۔

عبداللہ بن الزبیر

(سنہ ۱ھ - سنہ ۷۳ھ)

نام ونسب اور خاندانی حالات

عبداللہ بن الزبیر اسلام کے بلند پایہ مشاہیر میں سے ہیں ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ ابن قصی بن کلاب یہ عرب کے نہایت شریف گھرانوں میں سے ہیں اور اصل ونژاد کے لحاظ سے ان کا شمار بڑے پاکیزہ لوگوں میں ہوتا ہے ان کے والد زبیر بن العوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء، زبیر بن العوام کی پھوپھی کی بیٹی تھیں جو ایسے صحابیوں کی صف اول میں شامل ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ کو قوت پہنچائی، آپ کی مدد کی اور ہر مہم اسلام کو بلند کرنے میں آپ کے شریک رہے۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر الصدیق کی بیٹی اسماء تھیں جو ذات النطاقین کہلاتی ہیں اور روایت حدیث میں مشہور ہیں۔ اسماء کی بہادری خداترسی و پرہیزگاری تعارف کی محتاج نہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیر کی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ تھیں ان وجوہ سے یہ بقول ابن عبدالبر ایسے شخص تھے جنکی دادی، ماں اور خالہ سلسلۂ نسب میں بڑی شریف خواتین تھیں۔

ولادت اور ذات نبوئی سے حصول برکت و سعادت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانب مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت اسماء بھی جو حاملہ تھیں مہاجرین کے ساتھ یثرب روانہ ہوئیں۔ یثرب کے قریب قبا میں پہنچیں تو عبد اللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ اس طرح یہ پہلے شخص ہیں جو ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پیدا ہوئے[۱] اور جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی فیضان سے بہرہ مند ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی والدہ انھیں لے کر آپ کی خدمت میں پہنچیں اور آپ کی گود میں دے دیا۔ آپ نے ایک کھجور منگوا کر چبائی اور اس بچے کے منھ میں ڈال دی۔ گویا سب سے پہلے چیز جو عبد اللہ بن زبیر کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ پھر آپ نے کچھ کھانا چبا کر اس کا لقمہ ان کے منہ میں ڈالا۔ انھیں گود میں لے کر ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کے نانا اور اپنے دوست حضرت ابوبکر کے نام پر ان کی کنیت ابوبکر رکھی اور اپنے نام پر نام[۲] رکھا

تربیت اور نشوونما

ان حالات کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عبد اللہ بن زبیر

---

[۱] تاریخ اسلام میں عبد اللہ بن الزبیر کی پیدائش کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ مہاجرین کے مدینے آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی اور یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ انھوں نے مسلمانوں کی انقطاع نسل کے لئے سحر کر دیا ہے۔ عین اسی زمانے میں عبد اللہ بن زبیر کی پیدائش ہوئی اور ان اوہام کی تردید ہو گئی اس لئے مسلمانوں کو ان کی ولادت سے غیر معمولی مسرت ہوئی (سیر الصحابہ۔ ج ۶-۷ ص ۲۵۱) (ادارہ)

[۲] یہ روایت شاذ معلوم ہوتی ہے عموماً کتب رجال و سیر میں ان کا نام عبد اللہ ہی لکھا ہے۔ (ادارہ)

نبوت کی آغوش میں بڑھے۔ جب ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو یہ بھی حضور کی محبت اور تقرب سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عائشہ کے اولاد نہیں ہوئی اس لئے وہ اپنے بھانجے (عبداللہ بن زبیر) سے بیٹوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں اور ان کے ساتھ بڑی شفقت و مہربانی سے پیش آتی تھیں۔ عبداللہ بن زبیر کے حضور کی محبت سے بہرہ مند ہونے کا ایک وسیلہ یہ بھی تھا۔ اس طرح ان کا نشوونما ایسے گھر میں ہوا جس کی بنیاد ہی تقویٰ پر پڑی تھی۔ ان کے باپ زبیر ایسے جلیل القدر صحابی تھے جو تمام غزوات میں شریک ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر خواہ قدر فرماتے تھے اور ان کے اسلام میں سبقت کرنے اور دعوت اسلامی پر سچے دل سے ایمان لانے کا اعتراف فرماتے تھے اور اس بات سے واقف تھے کہ عبداللہ بن زبیر کو آپ کے ساتھ کتنا تعلق ہے ان کے متعلق یہاں تک کہا گیا ہے کہ زبیر پہلے شخص تھے جس نے اسلام میں اللہ کی راہ میں تلوار کھینچی اسی طرح ان کی ماں اسماء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و برگزیدہ دوست تھے اور جو آپ کے رنج و راحت میں سائے کی طرح آپ کے ساتھ رہے۔

جب عبداللہ بن زبیر نے عمر کے سترھویں سال میں قدم رکھا تو ان کے باپ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تاکہ یہ حضور سے بیعت ہوں حضور نے انھیں آتے دیکھ کر تبسم فرمایا اور ان سے بیعت لی۔

علم دین کی تحصیل اور عبادت کا شوق

اس مقدس و پاکیزہ ماحول میں جو تقوے و پرہیزگاری کی خوشبوؤں سے مہکتا رہتا تھا عبداللہ بن زبیر سن شعور کو پہنچے۔ انھوں نے

آنکھیں کھولیں تو ایسے مناظر سامنے آئے جن سے قلب کو قوت اور روح کو استقلال نصیب ہوا اور ان کا رشتہ اپنے نبیؐ اور پروردگار عالم سے اور قوی ہو گیا۔

انھوں نے قرآن حفظ کیا، دین کا علم اور سوجھ بوجھ پیدا کی اور حدیثیں سنیں، یہ بڑے روزہ دار اور بہت عبادت گزار شخص تھے۔ طولانی نماز پڑھتے، دنوں کو روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت کرتے تھے۔

شوق جہاد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت ان کے نانا حضرت ابو بکرؓ کو ملی اور ان کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن زبیر اچھے خاصے بہادر جوان ہو چکے تھے۔ ان کے دل میں تقویٰ وخدا ترسی کے جذبات موجیں مار رہے تھے اور سینہ اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے آباد تھا۔ انھوں نے یہ بات پسند نہ کی کہ حجاز ہی میں تن آسانی وگمنامی کی زندگی گزارتے رہیں حالانکہ ان کے باپ زبیر جیسے بہادر شخص تھے جنھوں نے فتح مصر میں حصہ لیا تھا۔ یہ سوچ کر عبداللہ بن زبیر نے مجاہدین کے جھنڈے تلے رہنے کو ترجیح دی تاکہ اللہ کی راہ جہاد کریں اور اس طرح شہادت کا مرتبہ ہاتھ آئے تو زندہ جاوید شہیدوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

عبداللہ بن زبیر کی یہ آرزو اس طرح پوری ہوئی کہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح افریقہ کے جہاد کے لئے جو لشکر لے کر روانہ ہوئے تھے اس کے حالات واخبار مرکز خلافت تک پہنچنا موقوف ہو گئے۔ اس سلسلے میں انقطاع واقع ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک جمعیت کے ساتھ عبداللہ بن زبیر کو بھیجا تاکہ یہ ان لوگوں تک پہنچ کر حالات سے مطلع کریں۔ جب افریقہ پہنچے تو دشمنوں سے جنگ جاری تھی مگر عبداللہ بن ابی سرح غنیم پر قابو نہیں

پارہے تھے۔ وہ روزانہ دوپہر تک دشمن سے برسرپیکار رہتے اس کے بعد دوسرے دن دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ کو واپس ہوجاتے۔

جرجیر پر فتح عبداللہ بن زبیر نے انھیں مشورہ دیا کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے، ایک حصہ دن کے پہلے حصے میں دشمن سے لڑنے کے لئے بڑھے اس دوران میں دوسرا حصہ آرام کرتا رہے اور دشمن کو اچانک جالینے کے لئے تیار رہے۔ اب ابن ابی سرح کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ لشکر کی قیادت جواں سال قائد عبداللہ بن زبیر کے حوالے کردیں تاکہ وہ اپنے مشورے کے مطابق اس پروگرام کو چلا سکیں۔ جب دونوں لشکروں کی واپسی کا مقررہ وقت آیا تو لشکر اسلام کا پہلا حصہ جو دن کے ابتدائی حصے میں لڑنے کے لئے نہیں نکلا تھا، حرکت میں آیا عبداللہ بن زبیر نے اسی لشکر سے دشمن پر دھاوا بول دیا جسے لڑائی تھکا چکی تھی۔ اس تازہ دم فوج نے غنیم کی سپاہ کو ان کے خیموں میں جاگھیرا اور بری طرح شکست دی۔ ان کا بادشاہ جرجیر مارا گیا اور مسلمانوں کی فتح مکمل ہوگئی اگر ابن زبیر کا یہ پروگرام اور یہ جنگی چال نہ ہوتی تو مسلمانوں کو یہ کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس سلسلے میں یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ سوار کے حصے میں تین ہزار دینار فی کس اور پیادہ کے حصے میں ایک ہزار دینار آئے تھے۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر مدینے واپس ہوئے اور خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کو مسلمانوں کی فتح اور اس میں اموال غنیمت ہاتھ آنے کے حالات سے آگاہ کیا وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت علی کے دور خلافت میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہوئی لیکن عبد اللہ بن الزبیر اس بات سے خوش نہ ہوئے اس لئے حضرت عثمان کے انتقام کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ ہو گئے اور اس کے لئے لڑے حضرت علی نے ان کے اس طریقے کو پسند نہ کیا اور کہا زبیر ہم اہلبیت ہی میں سے رہے یہاں تک کہ (ان کے بیٹے) عبد اللہ پیدا ہوئے (اور ہمارے مقابلے پر آئے) پھر جب ایک طرف حضرت علی کا لشکر اور دوسری طرف بنی امیہ، حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر کی جماعتیں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوئیں تو عبد اللہ بن زبیر انھی جماعتوں میں شامل ہو کر حضرت علی سے لڑے، اس موقع پر یہ پیادہ فوج کے سردار تھے۔ لڑائی میں زخمی ہوئے اور مقتولین کے درمیان گر پڑے۔ حضرت عائشہ نے خیال کیا کہ وہ قتل کر دیے گئے اس لئے بہت بے قرار ہوئیں۔ اور آپ نے لوگوں کو بھیجا کہ انھیں لاشوں کے درمیان تلاش کریں۔ انھیں عبد اللہ بن زبیر مل گئے جو زخموں سے چور ہو رہے تھے۔ اس بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ ان کے جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے تھے۔ جب حضرت عائشہ کو اپنے بھانجے کی نجات کا علم ہوا تو وہ بہت زیادہ خوش ہوئیں اور یہ خوشخبری لانے والے کو دس ہزار درہم انعام میں دیے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا آخر وہ عبد اللہ بن زبیر کو مسلمانوں کا خلیفہ ہی جو بنانا چاہتی تھیں[1]؟

---

[1] یہاں جناب مولف کا قلم سنجیدگی کی سطح سے گر گیا ہے یہ طعن و تشنیع اسی قسم کی ہے جیسے مسلمانوں کے

لیکن واقعہ جمل میں عبداللہ بن زبیر پر جو کچھ گزر گئی تھی اس کی وجہ سے بہر کیف فریقین میں سے کسی کے جھنڈے تلے آنے میں محتاط بن گئے تھے[۲]۔ یہانتک کہ جب امیر معاویہ کو معرکۂ صفین میں حضرت علی کے مقابلے میں کامیابی ہوئی اور معاویہ کی بیعت پر تحکیم کا مرحلہ ختم ہوا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں عبداللہ بن زبیر بھی شامل تھے۔

امیر معاویہ کے عہد میں

امیر معاویہ جنگ میں عبداللہ بن زبیر کی شدت ہیبت اور بہادری کی صفت سے واقف تھے جب ان کا عہد خلافت آیا اور انھوں نے ۴۸ھ میں فتح قسطنطنیہ کے لئے لشکر تیار کیا تو عبداللہ بن زبیر اس لشکر کے پیشروؤں میں تھے جن میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ابوایوب الانصاری جیسے بزرگ صحابہ شامل تھے یہ لوگ چلتے چلتے قسطنطنیہ پہنچے اور وہاں مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہوئی مگر قسطنطنیہ کی نہایت مضبوط فصیلوں اور اس کے محفوظ موقع کی وجہ سے نیز یکایک کشتیوں میں آتش یونانی[۱] کے تباہی پھیلانے سے مسلمان اس شہر کو فتح نہ کرسکے۔

۱ے بھڑک اٹھنے والا مادہ جس سے زمانۂ قدیم میں دشمن کے جہازوں کو جلا دیا جاتا تھا (ادارہ)

(بقیہ حاشیہ ص ۸)

ایک خاص گروہ میں رائج ہے جو حضرت عائشہ اور اکابر خلفاء صحابہ پر بہتان طرازی کو اپنا مسلک بنائے ہوئے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی نسبت اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ بنانا چاہتی تھیں۔ عبداللہ بن زبیر نے بھی خلافت کا دعویٰ صرف یزید کے مقابلے میں کیا تھا۔ (ادارہ)

۲ے یہی کیوں نہ سمجھا جائے کہ عبداللہ بن زبیر نیک نیتی کی وجہ سے خانہ جنگی میں حصہ لینا نہ چاہتے تھے جیسا کہ عبدالملک کے حملے کے وقت ان کے کردار سے ظاہر ہے (ادارہ)

اسی زمانے میں مسلمانوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ امیر معاویہ کے بعد خلافت کا مسئلہ شوریٰ کے ذریعہ طے کیا جائے اور جو شخص خلافت کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا انتخاب عمل میں آئے۔ مگر امیر معاویہ نے اسکی مخالفت کی اور اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں اپنے عامل مدینہ مروان بن الحکم کو لکھا کہ:۔ میری عمر بہت ہو گئی ہے اور کمزور ہو گیا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد امت میں اختلاف پیدا ہو جائیگا اس لئے میں نے اس کے لئے ایسے شخص کا انتخاب مناسب سمجھا ہے جو میرے بعد حکومت کا کام انجام دے۔ لیکن میں نے تمہارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ کرنا پسند نہیں کیا اس لئے تم ان لوگوں کے سامنے میری تجویز رکھو اور وہ جو کچھ جواب دیں اس سے آگاہ کرو۔ جب مروان نے یہ بات مدینے کے لوگوں سے بیان کی تو قوم میں ہلچل مچ گئی لوگ بھڑک اٹھے۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے کہا:۔ تم امت محمدؐ کے لئے اختیار نہیں چاہتے۔ بلکہ خلافت کو ایک ہرقلی طریقہ بنا دینا چاہتے ہو۔ جب ایک ہرقل (ہرکولیس) مر جائے تو اس کی جگہ دوسرا ہرقل اٹھ کھڑا ہو! حضرت حسین علی نے بھی اس تجویز سے انکار کیا! انہیں کے مثل رویہ عبد اللہ بن زبیر نے اختیار کیا اسی وقت سے معترضین کا ایک گروہ سامنے آ گیا جو یزید کی بیعت سے انکار کرتا تھا عبد الرحمٰن بن ابی بکر، حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر ان کے سرگروہوں میں تھے۔ اس موقع پر امیر معاویہ نے ہر قسم کے حیلے اور تدبیریں استعمال کیں اور اپنے بیٹے کیلئے بیعت لینے کی غرض سے مدینے آئے اور جو لوگ اس بیعت میں مخالفت کر رہے تھے ان سے گفتگو کی۔ اس وقت عبد اللہ بن زبیر نے کہا:۔ ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ تین باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لیں۔ انھوں نے کہا:۔

انھیں بیان کرو۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا:- جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا آپ ویسا کریں یا جیسا ابو بکرؓ یا عمرؓ نے کیا ویسا کریں۔ امیر معاویہ نے پوچھا:- ان لوگوں نے کیا عمل کیا۔ عبد اللہ نے جواب دیا:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ لوگ ہی حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے۔ معاویہ نے کہا:- تم میں ابو بکر جیسا کوئی نہیں ہے اور مجھے اختلاف برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت یہ لوگ بولے:- آپ نے سچ کہا:- تو ایسی صورت میں حضرت ابو بکر کے طریقے پر عمل کیجئے۔ انھوں نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جس کی نسبی قرابت دور جا کر قریش سے ملتی تھی اور وہ ان کے باپ کی اولاد میں سے بھی نہ تھا یا آپ چاہیں تو حضرت عمرؓ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس پر چلیں ــــ" مگر عبد اللہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت و اعتراض کے باوجود بالآخر یزید کے لئے بیعت لی گئی یہ واقعہ عبد اللہ بن زبیر کی اعلیٰ درجہ کی شجاعت و فضیلت پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین امیر معاویہ کے منہ پر حق بات کہنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ کھلے بندوں ان کی مخالفت کی اور یزید کی بیعت سے باز رہ کر ان تمام مشکلات و مصائب کی پرواہ نہ کی جو آگے چل کر انھیں اپنی رائے پر قائم رہنے میں اٹھانی پڑیں۔

یزید کا دور

جب یزید کی حکومت ہوئی اور ملک حجاز اس کی اطاعت سے باہر ہو گیا تو یزیدی سیاست کی مخالفت کرنے والوں میں عبد اللہ بن زبیر سب سے آگے تھے۔ یزید نے اہل حجاز سے لڑنے کے لئے مسلم بن عقبۃ المری کو روانہ کیا۔ ابھی وہ مدینے میں داخل ہوا ہی تھا اور مکے کی راہ پر گامزن تھا کہ اس کا وقت آخر ہو گیا اور

وہ چل بسا۔ مکے میں عبداللہ زبیر اپنی خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور وہاں کے لوگ ان کے پیرو بن گئے مگر اسی اثنا میں یزید کا بھی انتقال ہو گیا۔ مکے سے محاصرہ اٹھ گیا۔

اب اموی فوج کے قائد نے ابن زبیر سے اس شرط پر بیعت کرنا چاہی کہ عبداللہ بن زبیر شام چلے جائیں۔ مگر انھوں نے اس بات سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ملک حجاز کی کھوئی ہوئی عظمت پھر بحال کرنا چاہتے تھے اور اسے مرکز خلافت بنانے کا ارادہ کر رہے تھے۔

ابن زبیر اور عبدالملک

عراق و مصر میں ابن زبیر کی دعوت معاویہ ثانی اور مروان بن الحکم کی خلافت میں پھلی پھولی یہاں تک کہ ۶۵ھ میں تخت خلافت عبدالملک بن مروان کے قبضے میں آیا عبدالملک نے محسوس کیا کہ قبائلی عصبیت جسے ختم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت محنت اٹھائی تھی امت عربیہ کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہے اور اموی حکومت زوال کے کنارے پر جا پہنچی ہے اگر اللہ بنی امیہ کو عبدالملک بن مروان جیسا شخص عطا نہ کرتا تو دولت بنی امیہ ختم ہو چکی تھی۔ عبدالملک نے ابن زبیر سے لڑنے پر اپنی توجہ مبذول کی اور حجاج بن یوسف الثقفی کو ان پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا جس نے مکہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو امان طلب کرنے پر مجبور کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کی سیاست اس لئے ناکام رہی کہ انھوں نے مستقر حکومت حجاز کو بنایا جہاں سے سیاسی عناصر شام اور عراق میں منتقل ہو چکے تھے اور حجاز ارستقراطی طبقے کا ملجا و ماوا بن کر رہ گیا تھا۔

ف۱ یہ حصین بن نمیر تھا اگر اس پیشکش کے نتیجے میں عبداللہ بن زبیر خلیفہ منتخب ہو جاتے تو شاید اسلام کی تاریخ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ (ادارہ)

جواب لہو ولعب اور خوش فعلیوں کی زندگی کی طرف مائل ہو گئے تھے، اسی لئے ابن زبیر کی دعوت ان میں مقبول نہ ہوئی۔

شہادت

ابن زبیر کی مصیبت سے ہمیں جو عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی پاکیزہ نژاد والدہ نے اپنی روحانی قوت اور اپنا ایمان بیٹے کے سینے میں منتقل کیا۔ عبداللہ بن زبیر نے مسلمانوں کا خون بہانا پسند نہ کیا اور چاہا کہ پلٹ جائیں۔ اس وقت اپنی والدہ حضرت اسماء کے پاس پہنچے اور کہا:- بے شبہ موت ایک راحت ہے۔ وہ بولیں: شاید تم میرے مرنے کی تمنا کرتے ہو۔ بخدا میں اس وقت تک مرنا نہیں چاہتی کہ تمہارے لئے دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے۔ یا تم قتل کئے جاؤ تو میں صبر کروں گی یا اپنے دشمن پر فتح پاؤ تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اس کے بعد دوسرے دن وہ پھر والدہ محترمہ کے پاس گئے تو انھوں نے کہا:- "کوئی ایسی بات ہرگز نہ قبول کرنا جس میں تمہیں قتل کے خوف سے اپنی ذلت کا اندیشہ ہو"۔ بخدا عزت کی حالت میں تلوار کی ضرب ذلت کے ساتھ کوڑے کی ضرب سے بہتر ہے"۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبیر لوگوں میں نکلے اور مسجد کے اندر لڑتے لڑتے ۷۳ھ میں شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

اس موقع پر حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق نے نہایت بہادر اور شریف خواتین کی بڑی اچھی مثال قائم کی۔ جب انھیں ان کے بیٹے عبداللہ کی شہادت کا حال سنایا گیا تو انھیں غسل دیا اور کفنایا پھر ان کے جنازے کی نماز پڑھی۔

اس سے پہلے حضرت اسماء کہا کرتی تھیں: اے اللہ جب تک میں عبداللہ کی نعش دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں، مجھے نہ مارنا۔ لیکن اسکے

برخلاف اب وہ نالہ وزاری کرنے لگیں یہاں تک کہ روتے روتے بینائی جاتی رہی۔ وہ کہتی تھیں: بخدا وہ منافق نہ تھا، بلکہ روزہ دار، عبادت گزار اور صلہ رحمی کرنے والا تھا۔ اس واقعہ کے کچھ مدت بعد حضرت اسماءؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔[۵]

فضائل و اوصاف

عبداللہ بن زبیر کی یہ سیرت آپ کے سامنے ہے۔ وہ متقی، پرہیزگار، بڑے روزہ دار، اور عبادت گزار تھے۔ نمازیں بہت لمبی پڑھتے تھے۔ بڑے بہادر تھے انھوں نے اپنا وقت تین قسم کی راتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک رات میں صبح تک کھڑے رہ کر عبادت کرتے، دوسری رات میں صبح تک رکوع میں مشغول رہتے اور تیسری رات صبح تک سجدے میں گزار دیتے، وہ نماز میں طولانی قرارت کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن سعید راوی ہیں: ایک دن ابن زبیر نے رکعت کی تو سورۂ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نسا اور سورہ مائدہ پڑھ ڈالی اور سر نہ اٹھایا۔ ہشیم نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا: میں نے ابن زبیر کو دیکھا کہ وہ روزہ رکھنے میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعے کو ملا دیتے۔ جب آنے والی رات میں افطار کا وقت قریب ہوتا تو ایک پیالہ منگواتے پھر ایک بڑے پیالے میں گھی طلب کرتے ان کے حکم سے اس پر تازہ دودھ دوہا جاتا۔ پھر تھوڑا سا ایلوا منگوا کر اس پر چھڑک کر پی جاتے۔ دودھ انھیں نقصان سے بچاتا۔ گھی سے گزار

---

[۵] حضرت اسماءؓ کے گریہ وزاری کا واقعہ کسی غیر معتبر اور شاذ روایت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کیونکہ عموماً تمام ارباب سیر نے اس موقع پر ان کے صبر ہی کی تعریف کی ہے۔ (ادارہ)

ان کی پیاس چلی جاتی اور ایلوے سے آنتیں کھل جاتیں۔

رہی ان کی شجاعت تو افریقیہ کی جنگ میں ہم اس کا حال دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے کس بہادری سے جنگ کی اور جرجیر بادشاہ روم پر فتح پائی، اس طرح محاصرہ مکہ کے موقع پر ان کی دلیری دیکھی جا چکی ہے ان کے حامی ان سے الگ ہو چکے تھے پھر بھی انھوں نے الٹے قدموں واپس ہونے سے انکار کر دیا۔ میدان نہ چھوڑا اور دشمنوں پر حملہ کیا۔ اس وقت وہ دو تلواروں سے وار کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

لو کان قرنی کفیۃ اوردیتہ الموت وذکیتہ

(کاش کہ میرا ہمسر ہوتا۔ میں اس کے لئے کافی ہو جاتا اسے موت کے گھاٹ اتارتا اور ذبح کر دیتا)

اور یہ بھی کہتے تھے۔

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا ولکن علی اقدامنا یقطر الدم

(ہم وہ نہیں ہیں کہ ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون گرائیں (یعنی ہم میدان سے پیٹھ نہیں پھیرتے) بلکہ خون ہمارے قدموں پر ٹپکتا ہے۔

اسی طرح انھوں نے حضرت عثمان کے لئے مطالبہ قصاص میں جنگ کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑتے اور امیر معاویہ کے روبرو ثابت قدم رہے۔

یہ ہے حضرت عبداللہ بن زبیر کی سیرت جو حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے پوتے اور ام المومنین حضرت عائشہ کے بھانجے تھے ان کا شمار مشاہیر صحابہ اور نامور شجاعان مسلمین میں ہے اللہ تعالیٰ اس سیرت کو باعمل نصیحت پذیروں کے لئے وسیلۂ موعظت بنائے۔

عبدالملک بن مروان

۲۶ھ - ۸۶ھ

نام ونسب وغیرہ عبدالملک کا نام ونسب یہ ہے :۔ عبدالملک بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کی ماں عائشہ بنت معاویہ بن المغیرۃ بن ابی العاص بن امیّہ تھیں۔ عبدالملک کا نسب باپ اور ماں کی طرف سے ابی العاص سے مل جاتا ہے ان کی ماں شریفانہ صفات اور پسندیدہ عادات میں ضرب المثل تھیں۔ عبداللہ بن قیس الرقیات عبدالملک کی مدح میں کہتا ہے۔

اَنتَ ابن عائشۃ التی فضلت ارومَ نسائھا

(تم اس عائشہ کے بیٹے ہو جو اپنے یہاں کی شریف الاصل عورتوں سے افضل تھیں)

لم تلتفت للداتھا ومضت علی غلوائھا

(انھوں نے اپنی ہمجولیوں کی طرف توجہ نہ کی اور آغاز جوانی میں آگے قدم بڑھا گئیں)

ولدت اغرّ مبارکا کالشمس وسط سمائھا

(ان کے آپ جیسا مبارک اور روشن پیشانی والا بیٹا اس طرح پیدا ہوا جیسے سورج آسمان کے وسط میں طلوع ہوتا ہے)

تاریخ ولادت اور تعلیم وتربیت عبدالملک مدینے میں ۲۶ھ میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے اور شاندار طریقے پر تربیت پائی۔ ان کے باپ نے ان سے قرآن حفظ کرایا، روایت حدیث اور حفظ اشعار کی تعلیم دلوائی یہاں تک کہ وہ ان علوم میں ماہر ہو گئے۔ ان کا عہد طفولیت مدینہ منورہ میں گزرا جو اسلامی حکومت کا پایہ تخت بن گیا تھا ان دنوں اموال غنیمت و محاصل وغیرہ دار الخلافہ میں بکثرت جمع ہو رہے تھے مسلمان محلات و عمارات بنوانے میں مصروف تھے اور راحت و خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے عبد الملک کے والد مروان بن الحکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب ترین لوگوں میں سے تھے اور انھوں نے مروان کو (اپنا) مال بکثرت عطا کیا تھا۔ غرض اسی خوش حال گھرانے میں عبد الملک نے بھی بنی امیہ کے اور لڑکوں کی طرح نشو ونما پایا اور عزت و آسودگی کے اس وسیع ماحول اور دولت و ثروت کی بہتات میں جس کے ساتھ اللہ نے انھیں شریف والدین کے وجود سے سرفراز کیا تھا بڑھے اور جوان ہوئے

جس زمانے میں حضرت عثمان بن عفان کی شہادت ہوئی عبد الملک کی عمر کا نواں سال تھا۔ مدینہ میں حضرت علیؓ امیر معاویہ کے حامیوں کے درمیان فتنے کی آگ بھڑک رہی تھی مگر مروان بن الحکم نے اس خونریز شورش سے دور ہی رہنے کو ترجیح دی۔ واقعہ جمل کے بعد سیاست سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد جب تک خلافت امیر معاویہ کو نہ ملی یہ اسی حال میں رہے عبد الملک اس زمانے میں عمر کی پندرہ بہاریں دیکھ چکے تھے اور قوت و عقل کے علاوہ علم سے بھی خاصا حصہ مل چکا تھا۔ ایسا ہوا تو کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ مدینہ ان دنوں علما، محدثین اور فقہا کے لئے کعبہ مراد بنا ہوا تھا اس لئے نوجوان عبد الملک بھی اس سرچشمہ فیض سے

مرضیٔ الٰہی کے مطابق جتنا سیراب ہو سکتا تھا ہوا۔

پھر جب امیر معاویہ کی وفات ہوئی اور انھوں نے یزید کو اپنے جانشین کی حیثیت سے چھوڑا اس وقت عبدالملک کی عمر کا چوبیسواں سال تھا۔ شباب کمال کو پہنچ چکا تھا ذہن کھل گیا تھا اور دل میں صفائی آگئی تھی۔ اس زمانے میں یہ اور ان کے باپ دمشق چلے گئے جہاں ان دونوں کو یزید نے اپنا مقرب بنایا اور ان لوگوں کا بڑا خیال رکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دمشق میں جو بنی امیہ کا پایۂ تخت اور ان کا ملجا و ماوی تھا عبدالملک کی زندگی بڑی راحت سے گزری کیونکہ اس زمانہ میں اموی ملک شان و شوکت اور رونق وغیرہ میں انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

بے شبہہ ان حالات میں عبدالملک کی وہی شان تھی جو اس نئی زندگی کی مسرتوں اور خوشحالیوں میں بنی امیہ کے نوجوانوں کی ہو سکتی ہے۔ البتہ یزید بن معاویہ نے جس وقت اہل مکہ پر فوج کشی کی تو عبدالملک نے اس کی اس اوچھی سیاست کو پسند نہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر عبدالملک نے کہا:۔ خدا کی پناہ، کیا اللہ کے حرم پر فوج بھیجی جائے گی؟ جب اس لشکر کی اطلاع ہوئی جو یزید نے عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے روانہ کیا تھا تو عبدالملک نے اس بات کو درست نہ جانا۔ یحیی الغسانی راوی ہیں:۔ جب مسلم بن عقبہ مدینے میں اترا تو میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا اور عبدالملک کے پہلو میں بیٹھا، مجھ سے عبدالملک نے کہا:۔ کیا تم اس لشکر میں سے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: تمہیں تمہاری ماں روئے کیا تم جانتے ہو۔ کس کی طرف جا رہے ہو؟ اس شخص کی طرف جو اسلام میں سب سے پہلے پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے حواری کی طرف، ذات النطاقین (حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ) کے بیٹے کی طرف، بخدا، اگر تم دن کو ان کے پاس پہنچے تو انھیں روزے سے پاؤ گے اور رات کو پہنچے تو انھیں عبادت کرتا ہوا دیکھو گے۔ اگر تمام اہل زمین نے بھی ان کے قتل پر اتفاق کر لیا تو اللہ ان سب کو جہنم میں جھونک دے گا۔

مروان کی خلافت

اس کے بعد یزید بن معاویہ کی وفات ہوئی، ۶۳ھ میں معاویہ ثانی اس کا جانشین ہوا پھر ۶۴ھ میں معاویہ ثانی کا انتقال ہو گیا اور شام کے عربوں میں جو اپنے اتحاد و اتفاق کی بدولت حکومت اور اس کی قوت کے لئے رگ پٹھے بنے ہوئے تھے ہیجان پیدا ہو گیا۔ لیکن ان کا یہ اتحاد دیرپا ثابت نہ ہوا اور اس کا شیرازہ جلد ہی منتشر ہو گیا۔ قبیلۂ کلب کے لوگ بنی امیہ کی طرف مائل ہو گئے اور بنو قیس نے عبد اللہ بن زبیر کا ساتھ دیا۔ پھر خود کلب میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان میں سے ایک گروہ خالد بن یزید کا حامی ہو گیا جو اگرچہ کم عمر تھا تاہم خوش بیان و خوش تقریر تھا اور دوسرا گروہ مروان بن الحکم کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کا طرفدار بن گیا۔ بنی امیہ کے حامیوں میں باہم اختلاف برپا رہا یہانتک کہ انھوں نے موتمر جابیہ منعقد کی اور اس میں ذو القعدہ ۶۴ھ میں مروان بن الحکم کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ اس وقت عبد الملک کی عمر اٹھائیس سال تھی۔

مروان نے حکومت کا بوجھ ایسے وقت اٹھایا تھا جب اموی حکومت حوادث کے ہاتھوں تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ عبد اللہ بن زبیر حجاز میں خروج کر چکے تھے اور ان کی دعوت مصر و عراق تک پہنچ گئی تھی۔ مگر مروان نے اتنی قوت پیدا کر لی کہ ابن الزبیر کے مقابلے میں ٹھہر کر بہادرانہ مقابلہ کر سکے۔ انھوں نے مصر واپس لے لیا اور وہاں سے ابن الزبیر کے عامل عبد الرحمٰن بن جحدم

کو نکالنے کے بعد اپنے بیٹے عبدالعزیز بن مروان کو مصر کا والی بنایا۔ اس کے بعد دو لشکر تیار کئے ایک حجاز بھیجا اور دوسرا عراق۔ پھر تھوڑے ہی دنوں بعد ۶۵ھ میں مروان کو موت نے آلیا۔ مروان نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے عبدالملک کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔

خلافت عبدالملک

خلافت کا بار گراں جب عبدالملک بن مروان کے کندھے پر پڑا اس وقت ان کی عمر کا انتیسواں سال تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ قبائلی عصبیت جسے مٹانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی محنت وجانفشانی فرمائی تھی امت عربیہ کو پارہ پارہ کرنے کو تھی۔ اور اگر اللہ نے اس حکومت کے لئے اس اموی نوجوان کو تیار نہ کر دیا ہوتا تو وہ انھی دنوں میں زوال کے کنارے پر پہنچ چکی تھی۔ عبدالملک دانشمندی اور نظم ونسق پر قدرت رکھنے کے علاوہ بلا شدت احتیاط برتنے اور بلا کمزوری نرمی سے کام لینے کے اوصاف میں بھی بہت ممتاز تھا۔ ایسے زمانہ میں معاملات حکومت کی زمام اس کے ہاتھوں میں نہ آئی ہوتی تو مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا اور یہ عصبیت ہر خشک وتر کو کھا جاتی۔ خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کی اشاعت اور اس کے استقلال واستحکام اور سربلندی کے لئے جتنی کوششیں کی تھیں سب پر پانی پھر جاتا۔ عبدالملک نے اپنی بیعت کی تکمیل کے بعد جو خطبہ دیا ہے اس سے اس کی سیاست کا اظہار ہوتا ہے جس کو اس نے اپنے لئے اختیار کیا تھا۔

"معلوم ہو کہ میں نہ کمزور خلیفہ ہوں نہ چکنی چپڑی باتیں کرنے والا اور نہ کمزور عقل کا شخص ہوں۔ مجھ سے پہلے جو خلفا تھے وہ ان اموال میں سے کھاتے اور کھلاتے تھے مگر میں اس امت کے امراض کا مداوا صرف تلوار سے کروں گا

یہاں تک کہ تم میرے لئے سیدھے ہو جاؤ۔ تم ہمیں تو مہاجرین کے کاموں کی تکلیف دیتے ہو اور خود ان کے ایسے اعمال نہیں کرتے۔ اس طرح تم صرف سزا و عقوبت کو بڑھاتے ہو یہاں تک کہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرتی ہے۔ یہ عمرو بن سعید ہے اس کی قرابت قرابت ہے اور اس کا مقام اس کا مقام ہے۔ اس نے اپنی رائے سے ایسا ایسا کہا اور ہم نے اپنی تلواروں سے اس طرح جواب دیا:۔ آگاہ رہو کہ میں تمہاری ہر چیز کو برداشت کرلوں گا۔ لیکن کسی امیر کے خلاف سر اٹھانے یا علم بغاوت بلند کرنے کو برداشت نہیں کروں گا۔

عبدالملک کی سیاست

حقیقت یہ ہے کہ اس عہد میں اسلامی حکومت اپنا شیرازہ مضبوط کرنے رخنوں کو بند کرنے اور اپنی حد سے گزرنے والوں کا تدارک کرنے کے لئے ایسی ہی سخت اور قطعی سیاست کی محتاج تھی۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کی سیاست اس مقصد میں کامیاب ہوئی کہ امت اسلامیہ کی گزشتہ قوت بحال ہو اور قریب و دور کے اسلامی شہروں میں امن و امان اور اطمینان کا دور دورہ ہو سکے۔ اس دور میں مصر میں عبدالعزیز بن مروان کے عہد میں امن قائم ہوا اور حجاز میں عبدالملک کے دست راست حجاج بن یوسف کے ہاتھوں عبداللہ بن زبیر کا خاتمہ ہوگیا۔ حجاج ۷۳ھ میں حجاز کا والی مقرر ہوا اور ۷۵ھ تک یہیں رہا یہاں تک کہ وہاں کے معاملات ٹھیک ہوگئے اور باغیوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔

حجاج بن یوسف

اس کے بعد عبدالملک نے حجاج کو عراق روانہ کیا۔ یہ کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے اہل کوفہ کے سامنے

اپنا مشہور خطبہ دیا جس میں انھیں ڈرایا دھمکایا۔ پھر بصرہ گیا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا جو اہل کوفہ کی ساتھ کر چکا تھا۔ اسے اپنی محتاط اور رشید سیاست کی بدولت عراق اور قریب کے مشرقی علاقے عبدالملک کے زیرنگین بنانے میں کامیابی ہوئی جس کی حکومت کے پائے مضبوط ہو چکے تھے۔ اس طرح بیدار مغزی سے کام لینے اور رعایا کے لئے اعمال خیر سرانجام دینے کی بدولت عبدالملک کے ملک میں امن وامان کی اشاعت ہوئی۔۔۔
عبدالملک کا میلان عدل کی طرف تھا اور وہ خطاکاروں کو سزا دینے میں اعتدال سے گزرنا ناپسند کرتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو والی مصر بناتے وقت جو نصیحت کی اس سے عبدالملک کی باصواب سیاست اچھی طرح جھلک رہی تھی۔ اس نے کہا:۔ کشادہ روئی اختیار کرو۔ دل کو نرم بناؤ۔ معاملات میں رفق وملائمت کو ترجیح دو یہ تمہارے لئے زیادہ کارآمد ہے۔ اپنے حاجب پر نظر رکھو جسے تمہارے گھر والوں میں سب سے بہتر شخص ہونا چاہئے کیونکہ وہی تمہارا چہرہ اور زبان ہے۔ تمہارے دروازے پر جو شخص بھی کھڑا ہو وہ تمہیں اس کے مرتبے سے آگاہ کردے تاکہ تم اسے اندر آنے کی اجازت دو یا اسے واپس کر دو۔

عبدالملک کے عہد کی فتوحات

عبدالملک کے عہد میں ہرقلہ فتح ہوا۔ ان کی فوجیں مغرب میں آرمینیہ اور صنہاجہ میں لڑیں اور واسط اور اردبیل نامی دو شہر بنائے گئے۔

ان کے عہد میں اسلام مغرب کے مقامات پر اور بلاد ماوراالنہر میں پھیل گیا اور اسلامی حکومت قوت ووحدت کے اعتبار سے نہایت مضبوط ہو گئی۔ ان وجوہ سے عبدالملک کو بجا طور پر دولت امویہ کا بانی ثانی خیال کیا

جاتا ہے کیونکہ انھوں نے اس کی عظمت کا محل ایسی بنیادوں پر کھڑا کر دیا جن کی نظیر اس سے پہلے کے خلفا میں نہیں ملتی۔ ان کی خلافت کو قائم ہوئے سات برس بھی نہ گزرے تھے کہ ان کے تمام معاملات ٹھیک ہو گئے اور حالات سکون پر آ گئے۔ ان کے بقیہ عہد میں اور ان کے بعد ان کی اولاد کے زمانے میں امن وسلامتی قائم ہو گئی۔

اصلاحات

عبدالملک نے حکومت کو صحیح اور درست بنیادوں پر قائم کرنے کی غرض سے متعدد اصلاحات کیں جنھیں تاریخ نے انکا دوامی کارنامہ بنا دیا ہے۔ انھوں نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ اسلامی دینار ڈھلوائے اس کے علاوہ بہت سی دور رس اقتصادی اصلاحات بھی پیش نظر رکھیں دینار کا معیار قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جلد ہی خراج اور جزیہ کے امور منضبط ہو جائیں اور تجارتی معاملات استوار ہوں۔ چنانچہ ان اصلاحات کی بدولت بیت المال بھر گیا اور بکثرت اموال جمع ہونے کی وجہ سے عبدالملک کو اپنی وسیع اصلاحات کے نفاذ میں بڑی کامیابی ہوئی۔ عبدالملک سے پہلے دفاتر عراق میں فارسی زبان میں تھے اور مصر و شام میں یونانی زبان میں، عبدالملک نے انہیں عربی میں کر دیا۔ مصر کے دفتر ولید بن عبدالملک کے زمانے میں یونانی اور قبطی زبانوں سے عربی میں منتقل کئے گئے۔ عبدالملک پہلے شخص ہیں جس نے کعبہ کے لئے ریشمی (دیباج کی) پوشش تیار کی۔

ذاتی فضائل

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے عبدالملک مدینے میں پیدا ہوئے تھے۔ مدینے ہی کے محلوں میں چلنا پھرنا سیکھا اور مدینے ہی کے آسمان تلے جوان ہوئے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے قرب کی وجہ سے تقویٰ و پرہیزگاری

اور صحیح ایمان ان کے دل میں خوب بسج گیا تھا۔ انھوں نے قرآن حفظ کرنے، حدیث کی روایت کرنے اور دین میں سوجھ بوجھ پیدا کرنے کا شغل اختیار کیا۔ ابن سعد کہتے ہیں:۔ عبدالملک خلافت سے پہلے مدینے میں عابد وزاہد شخص تھے۔ نافع کا قول ہے:۔ میں نے مدینہ دیکھا تو وہاں کوئی نوجوان عبدالملک سے زیادہ مستعد اور ان سے زیادہ فقیہ وعبادت گزار اور ان سے زیادہ کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والا نہ تھا۔ وہ نماز بہت پڑھتے تھے اور اللہ کے حضور میں بہت خضوع وخشوع کرتے تھے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں:۔ جس نے مسجد میں ظہر وعصر کے درمیان نماز پڑھی وہ عبدالملک بن مروان اور ان کے ساتھ دو نوجوان تھے، جب امام ظہر کی نماز پڑھتا تو یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوتے اور عصر تک نماز پڑھتے رہتے۔ سعید بن المسیب سے کہا گیا: کاش کہ ہم کھڑے ہوتے اور ان لوگوں کی طرح نماز پڑھتے۔ اس پر سعید بن المسیب نے کہا:۔ عبادت صلوٰۃ وصوم کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ اصل عبادت تو اللہ کے معاملے میں فکر کرنا اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا ہے۔

علم وروایت حدیث وغیرہ

عبدالملک کو علم سے بڑا حصہ ملا تھا اس کی شہادت حضرت عبداللہ بن عمر کی زبان سے سنئے:۔ کسی نے عبداللہ بن عمر سے کہا:۔ آپ لوگ جو قریش کے شیوخ ہیں عنقریب اٹھ جائیں گے۔ ہم آپ کے بعد کس سے پوچھا کریں؟ انھوں نے جواب دیا:۔ مروان کا ایک بیٹا فقیہ ہے اس سے پوچھ لیا کرو۔ اسی طرح عبدالملک ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا:۔ یہ عرب پر حکومت کرے گا، ایک مرتبہ ام الدرداء نے عبدالملک سے کہا: میں نے تم سے

اچھا حدیث بیان کرنے والا اور تم سے اچھا یاد رکھنے والا کسی کو نہ دیکھا، شعبی کہتے ہیں :- میں جس کے پاس بھی بیٹھا میں نے اپنے آپ کو اس سے بہتر پایا بجز عبدالملک بن مروان کے۔ میں نے عبدالملک سے جو حدیث بھی بیان کی انھوں نے اس کی نسبت میرے علم میں اضافہ کیا اور جو شعر بھی سنایا اس کی نسبت میری معلومات زیادہ کیں۔ عبدالملک نے حضرت عثمان ابوہریرہ، ابوسعید، ام سلمہ، بریرہ[۱]، ابن عمر اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی، عبدالملک سے عروہ، خالد بن معدان اور زہری و یونس بن میسرہ وغیرہ نے روایت کی۔

عبدالملک اپنی اس قابلیت و شائستگی کے ساتھ ہی بڑے فصیح و بلیغ شخص تھے اصمعی کہتے ہیں :- چار شخص ایسے ہیں جنھوں نے سنجیدگی میں قسم کھائی نہ تمسخر کی حالت میں : الشعبی، عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف اور ابن القریہ :

الاخطل کو انعام

عبدالملک اشعار کو حفظ کرتے اور ان کی روایت کرتے اور لطف اٹھاتے تھے وہ شعر کہنے والے کو پسندیدہ صلہ دیتے تھے ایک دن ان کے پاس الاخطل آیا اور یہ شعر سنایا :-

شمس العداوۃ حتی یستقاد لھم ۔۔۔۔ واعظم الناس احلاماً اذا قدروا

(وہ عداوت میں آفتاب کی طرح ہے یہاں تک کہ اس سے دشمنوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور حلم کی صفات میں ایسے وقت بھی جبکہ لوگ اسکی قدرت واختیار میں ہوں سب سے بڑا شخص ہے)

---

[۱] بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں (ادارہ)

عبدالملک نے کہا :۔ اے غلام انھیں لے جا اور خلعتوں سے ڈھانپ کر روانہ کر۔ پھر کہا :۔ ہر قوم کا ایک شاعر ہوتا ہے، بنی امیہ کا شاعر الاخطل ہے۔

حکمت و دانائی عبدالملک بڑے دانشمند اور حکیم تھے۔ ان کی باتوں نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا :۔ سب سے بہتر کون شخص ہے؟ کہا: جو سربلندی کی حالت میں تواضع، قدرت کی حالت میں زہد اور قوت کی حالت میں انصاف کرے۔ ابن عائشہ کہتے ہیں :۔ جب کہیں سے کوئی شخص عبدالملک کے پاس آتا تو وہ کہتے :۔ مجھے چار باتوں سے معاف کرو اور ان کے بعد جو چاہو کہو :۔ مجھ سے جھوٹ نہ کہو۔ کیونکہ جھوٹے کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ جو بات میں تم سے نہ پوچھوں اس کی نسبت مجھے کوئی جواب نہ دو۔ میری تعریف نہ کرو کیونکہ میں اپنے آپ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مجھے رعیت کے خلاف نہ بھڑکاؤ کیونکہ میں ان کے ساتھ موافقت رکھنے کا زیادہ محتاج ہوں" انھی وجوہ سے عبدالملک کی نسبت یہ کہا گیا ہے :۔ معاویہ زیادہ حلیم تھے اور عبدالملک زیادہ محتاط۔

وفات عبدالملک کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو کہا :۔ بخدا میں چاہتا تھا کہ جب سے پیدا ہوا ہوں آج کے دن تک حمال (مزدور) رہا ہوتا، اس کے بعد اپنے بیٹوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کی اور انھیں تفرقہ و اختلاف سے ڈرانے کے بعد کہا :۔ نیک چلن ماں کے بیٹے بن کر رہو۔ جنگ اور نیکی کے لئے یکساں (طور پر ثابت قدم) رہو کیونکہ جنگ وقت سے پہلے موت کو نہ لے آئے گی اور نیکی کا ثواب اور اس کا ذکر باقی رہے گا، تلخی کی حالت

میں شیریں اور شدت کی حالت میں، نرم بن جاؤ اور ویسے بن کر رہو جیسا کہ
ابن عبد الاعلیٰ نے کہا ہے :-

ان القداح اذا اجتمعن فرامها
بالکسر ذو حنق وبطش بالید
عزت فلم تکسر وان ھی بددت
فالکسر والتوھین للمتبدد

(جب تیر اکٹھا ہوں اور اس وقت کوئی سخت گرفت والا غضبناک شخص انھیں ہاتھ سے توڑنا چاہے تو یہ کام مشکل ہوگا اور وہ نہ ٹوٹیں گے لیکن یہی تیر اگر بکھر جائیں تو بکھر جانے والے کے لئے تو ضعف اور شکست ہی ہے یعنی اس حالت میں بڑی آسانی سے ٹوٹ جائیں گے)

عبد الملک نے زاہد کی حیثیت سے زندگی گزاری اور زہد ہی میں انتقال کیا۔ اللہ جنت کو ان کا مسکن بنائے۔

ولید بن عبدالملک

وفات سنہ ۹۶ھ

نام ونسب ولید کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ولید بن عبدالملک بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس ابن عبدمناف۔

ولید کے باپ عبدالملک بن مروان وہ عظیم المرتبہ اموی خلیفہ ہیں جنھیں دولت امویہ کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ اور دادا مروان بن الحکم ہیں جنھوں نے اس حکومت کو پستی سے ابھارا اور ان خطرات سے بچایا جنھوں نے اسے تباہی کے کنارے پہنچا دیا تھا۔

ولید کا عہد وہ زریں عہد ہے جس میں اموی تمدن پھلا پھولا اور ہرطرف سرسبزی وشادابی پھیل گئی۔ اس کے عہد میں خلفائے بنی امیہ کا دارالخلافت دمشق بہت بارونق ہوگیا۔ مسلمانوں کے بیت المال میں مال ودولت کے انبار پر انبار لگ گئے۔ اور حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے بعد عظیم الشان اسلامی فتوحات از سرنو زور وشور سے شروع ہوگئیں۔ اس کے زمانے میں دولت اسلامیہ اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئی۔ اس کا سلسلہ مغرب میں جبال برانس (پیرنیز) سے لے کر مشرق میں بلاد چین تک اور شمال میں ایشیائے کوچک سے لے کر جنوب میں بلاد نوبہ تک پھیل گیا۔

تخت نشینی عبدالملک بن مروان نے سنہ ۹۶ھ میں وفات پائی تو ان کا

بیٹا ولید ان کا جانشیں بنا۔ باپ نے اس کے خلیفہ ہونے کی وصیت اس شرط پر کی تھی کہ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان اس کا جانشین ہو ولید بڑی خوشحالی کے عالم میں جوان ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس نے خلیفہ ہو کر دولت اسلامیہ کی قیادت ایسی ہوش مندی اور دور اندیشی سے کی کہ مورخین اور سیرت نگار حیران رہ گئے۔ اس کے گھر والوں کی رائے اس کی نسبت کچھ اچھی نہ تھی۔ ولید نے ان کے اندیشوں کے برخلاف اسلامی فتوحات کا رخ اس طرح پھیرا کہ لوگ اس کے حسن انتظام، دور اندیشی اور کمال عقل و دانشمندی کی شہادت دینے لگے

عہد ولید کی عظیم الشان فتوحات

تاریخ میں ولید کی کوئی ایسی خاص سیرت تو محفوظ نہیں ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہو مگر تاریخ کے صفحات میں اس کی عظیم الشان فتوحات اور تابناک ماثر کا ذکر البتہ بقائے دوام حاصل کر چکا ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ولید کی تاریخ میں ان تین نامور اور عظیم المرتبت بہادران اسلام کی تاریخ ہے جنھوں نے بڑے بڑے ملکوں کو مسخر کیا اور زبردست معرکے سر کر کے دولت اسلامیہ کا دائرہ وسیع کیا۔ ان ذیشان قائدین سے ہماری مراد قتیبہ بن مسلم الباہلی فاتح ماوراء النہر، محمد بن قاسم بن محمد الثقفی فاتح سندھ اور موسیٰ بن نصیر ہیں جنھوں نے مغرب کی فتح مکمل کر کے اندلس کو فتح کیا۔ ان شجاعان اسلام کی سیرتیں اس دور کی زرخیزی و خوش بختی کی شاہد ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں کیسے کیسے نامور اور عالی مرتبہ بہادر پیدا ہوئے تھے۔ اگر ان میں سے ہر ایک کے کارنامے

بیان کئے جائیں جو انھوں نے پرچم اسلام کو بلند کرنے اور اس کے لئے ایثار وجد وجہد کرنے کی صورت میں سرانجام دیئے تو غالباً یہ عبارت بے موقع نہ ہوگی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قائدین کی قوت وامداد کا سرچشمہ اسی اموی سلطان کی روح تھی۔ جو دمشق میں تخت خلافت پہ بیٹھے بیٹھے ان میں جوش عمل پیدا کرتا رہتا اور ان کے کارناموں میں ان کا رہنما بنتا۔

قتیبہ بن مسلم

قتیبہ بن مسلم کو حجاج نے ۸۶ھ میں خراسان کا والی بنا کر بھیجا۔ وہ بلخ روانہ ہوا تو وہاں کے زمینداروں اور سرداروں نے اس کی پیشوائی کی اور خود بھی قتیبہ کے ساتھ ہو لئے۔

جس وقت دریائے جیحوں کو عبور کیا تو صغانیاں کا حکمران آکر ملا اور قتیبہ کو بہت سے ہدیئے دیئے اور اپنا ملک اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد اسے پے در پے فتوحات ہوتی رہیں ۸۷ھ میں بیکند میں جنگ کی جو بخارا سے ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں سے صغد پر چڑھائی کی اور دشمنوں سے سخت معرکہ ہوا۔ جس کی تاب نہ لا کر وہ پسپا ہو گئے اور منتشر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ۸۸ھ کے موسم بہار میں اسلامی جھنڈا بلاد کرمینیا میں سمرقند و بخارا کے درمیان اطراف صغد میں لہرانے لگا۔

اس کے بعد قتیبہ نے بخارا کی سمت کوچ کیا اور بڑی محنت وجانفشانی کے بعد اسے بھی فتح کیا۔ ۹۳ھ میں قتیبہ نے خوارزم کے شہر بحالت صلح مسخر کئے۔ پھر بڑی گھمسان کی جنگ کے بعد سمرقند فتح کیا اور اس کا صدر مقام ماوراء النہر میں قائم کیا۔ اس کے بعد اس عظیم المرتبت فاتح نے فیصلہ کیا کہ دولت عربیہ کے حدود ایشیائے وسطی مقامات تک وسیع کر دے اور

دریائے جیحوں کو عبور کر کے بخارا کے (بقیہ) نصف حصّے کا قصد کرے۔ چنانچہ اس مقام پر اس نے خوارزم و بخارا اور کش اور نسف کے بیس ہزار سپاہیوں سے تیار کئے ہوئے لشکر کے ساتھ جنگ کی اور زبردست فتح حاصل کی۔

خلیفہ ولید نے اپنے سپہ سالار کے ان کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور قتیبہ کے پاس یہ پیام بھیجا: مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں تم نے جو جد وجہد اور بہادری دکھائی ہے۔ امیر المومنین اس سے خوب واقف ہیں۔ وہ تمہارے مراتب بڑھائیں گے اور شایان شان سلوک کریں گے۔ اس لئے تم اپنی لڑائیاں مکمل کرو، اپنے پروردگار کے ثواب کا انتظار کرو اور اپنے خطوط امیر المومنین کے پاس برابر بھیجتے رہو۔ یہ طریقہ اس اہتمام سے جاری رکھو گویا تمہاری بہادری کو اور اس سرحد کو جس میں تم موجود ہو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

ایمان اور عقیدے کی پختگی

ماوراء النہر کی فتح کا اثر یہ ہوا کہ اسلام اس ملک میں داخل ہو گیا۔ جس وقت قتیبہ سمرقند پہنچا وہاں اس نے بہت سے بت پائے۔ ان بتوں کے پجاریوں کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ جو شخص ان مورتوں پر زیادتی کرے گا اسی وقت مر جائے گا۔ مگر اس مسلمان فاتح نے ان خرافات کی ذرا پروا نہ کی اور انھیں جلانے سے باز نہ آیا۔ مورخین نے روایت کی ہے کہ قتیبہ کے پاس بت لائے گئے۔ جو بڑے محل کی طرح تھے۔ اس نے ان پر جو چیزیں تھیں لے لیں اور بتوں کے جلانے کا حکم دیا۔ اس وقت غورک اس کے پاس آیا اور کہا: مجھ پر آپ کی شکر گزاری واجب ہے، مگر آپ ان بتوں کو نہ

چھیڑئے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بت بھی ہیں جو شخص انھیں جلائے گا ہلاک ہو جائے گا۔ قتیبہ نے یہ سن کر جواب دیا: میں انھیں اپنے ہاتھوں سے جلائے دیتا ہوں۔ پھر اس نے آگ منگوائی۔ اور بتوں میں لگادی جس میں وہ جل کر رہ گئے۔

قتیبہ اور بادشاہ چین

لیکن قتیبہ کے حوصلے اسی حد تک محدود نہ رہے۔ اس نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں کا لشکر چین کے بڑے مقامات پر بھی حملہ کرے۔ اس لئے وہ سنہ ۹۶ھ میں دلیرانہ قدم بڑھاتا ہوا مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر ساتھ لئے ہوئے چین کی حدود کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اسے ولید کے انتقال کی خبر ملی مگر اس اطلاع نے بھی قتیبہ کے ارادۂ جہاد کو متزلزل نہ کیا اور وہ کوچ کرتا ہوا ملک چین کے قریب جا پہنچا۔ یہاں اس نے ہبیرۃ بن المشمرج الکلابی کی سرکردگی میں ایک وفد بادشاہ چین کے پاس بھیجا۔ اس وفد کے اور بادشاہ کے درمیان کئی بار خط وکتابت ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہِ چین نے ہبیرہ کو مخاطب کر کے کہا: اپنے سردار کے پاس جا کر کہو واپس چلا جائے۔ مجھے اس کی حرص اور سپاہ کی کمی کا حال معلوم ہو چکا ہے نہ مانوگے تو میں ایسے شخص کو بھیجوں گا۔ جو تمھیں اور تمہارے سردار کو ہلاک کر دے گا۔" ابو ہبیرۃ نے کہا: ایسا شخص تھوڑی سپاہ والا کیسے ہو سکتا ہے جس کے سواروں کا اگلا حصہ تمہارے ملک میں ہو اور دوسرا آخری حصہ زیتون کے کھیتوں میں ہیں۔ پھر ایسا شخص حریص کیونکر ہو سکتا ہے جس نے دنیا پر قادر ہونے کے باوجود اسے چھوڑ دیا ہو اور تم سے لڑنے آیا ہو؟ رہی ہمیں قتل کرنے کی نسبت تمہاری دھمکی

تو ہمارے یہاں موت کے اوقات مقرر ہیں۔ جب بھی آجائیں اور ان میں سب سے زیادہ شریفانہ موت شہادت ہے۔ اس لئے ہم موت سے نفرت نہیں کرتے نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ اس بات پر بادشاہ چین نے اسے جواب دیا " آخر وہ کیا صورت ہے جس سے تمہارا سردار راضی ہو جائے؟ ہبیرہ نے کہا: اس نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تمہاری زمین کو پامال اور تمہارے بادشاہوں کو ختم نہ کرے گا یا اسے جزیہ نہ دیا جائے گا واپس نہ ہوگا۔ چنانچہ بادشاہ چین نے جزیہ ادا کر دیا اور قتیبہ نے مرو کی جانب مراجعت کی۔

محمد بن القاسم دوسرا قائد جس پر ولید بن عبدالملک کا عہد فخر کرتا ہے محمد بن القاسم بن محمد ثقفی ہے جسے حجاج بن یوسف نے ہندوستان میں جنگ کرنے کی مہم سپرد کی تھی۔ یہ نوجوان بہادر ۸۹ھ میں ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ اور دیبل کی سرحد پر پہنچ کر اسکا محاصرہ کر لیا اور اسے فتح کر لیا۔ پھر اس ملک میں فتوحات کا ڈنکا بجاتا ہوا دریائے سندھ تک جا پہنچا جو اس زمانے میں دریائے مہران کے نام سے مشہور تھا۔ اس جگہ محمد بن قاسم اور سندھ کے راجہ داہر کا مقابلہ ہوا۔ دوران جنگ میں محمد بن قاسم اور اس کے سپاہی ہاتھیوں سے لڑتے تھے۔ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ آخر اس جنگ کا اختتام داہر کے قتل اور اس کے آدمیوں کی ہزیمت پر ہوا۔ محمد بن قاسم کے لشکریوں میں سے ایک شخص فخریہ کہتا ہے:-

الخیل تشھد یوم داھر والقنا ومحمد بن قاسم بن محمد

داہر کی جنگ کا حال سوار جانتے ہیں اور نیزے اور محمد بن القاسم بن محمد اس کے

حال سے واقف ہیں)

اَنّی فرَجتُ الجمعَ غیر مُصَرّدٍ ‏ حتی علوتُ عظیمھم بمُہنّدٍ

(میں نے بغیر پسپا ہوئے دشمن کی جماعت کو چیر دیا یہانتک کہ میں نے ہندی تلوار سے ان کے سردار پر غلبہ پالیا)

وترکتہ تحت العجاج مُجدّلاً ‏ مُتعفّرَ الخدّین غیر موسّدٍ

(میں نے اسے خاک کے نیچے اس حال میں چھوڑا کہ وہ پچھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے رخسار بغیر تکیئے کے اور گرد آلود تھے۔)

اس طرح محمد بن قاسم نے اپنی فتوحات کا دائرہ سندھ کے تمام اکناف و اطراف میں پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے ملتان کے اندر داخل ہوگیا۔

موسیٰ بن نصیر اسی اثنا میں توفیق الٰہی ایک اور سمت میں مسلمانوں کے لشکروں سے موافقت کا عہد و پیماں باندھ رہی تھی عبدالعزیز بن مروان کے مولیٰ موسیٰ ابن نصیر کو ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں افریقہ کا والی بنایا۔ وہ اپنی سرکردگی میں مصر سے ایک لشکر لیے ہوئے اس ملک کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو ایک لشکر اور اس سے آملا۔ موسیٰ نے اس کا سپہ سالار اپنے مولیٰ طارق بن زیاد کو بنایا۔ موسیٰ نے بربریوں سے لڑنا، امویوں کا اثر و اقتدار پھیلانا اور بلاد مغرب میں اسلام کو رائج کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی اس جدوجہد میں طنجہ تک جا پہنچا جو بربریوں کا مرکزی مقام اور ان کے شہروں کی ناک[۱] تھا۔ موسیٰ نے اس شہر کا محاصرہ جاری رکھا یہانتک کہ اس پر کامل فتح ہوئی اور طنجہ کے لوگ

---

[۱] اُم مدائنہم۔

مسلمان ہو گئے۔ اس طریقے سے موسیٰ مغرب کا تمام ملک مسخر کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس موقع پر موسیٰ اپنے راستے میں سبتہ کے مضبوط قلعوں کے سوا کہیں نہ ٹھہرا۔ جو آبنائے کے راستے پر واقع تھے۔ یہ قلعے جنوبی بحر روم کے ملک کی طرح شہنشاہ روم کے زیر حکومت تھے۔ مگر قسطنطنیہ سے دور ہونے کی وجہ سے اپنی معاشی ضروریات کے لئے مملکت اسپین کا منہ دیکھتے رہتے۔

جس طرح قتیبہ بن مسلم حدود چین تک اور محمد بن القاسم بلاد سندھ تک جا پہنچے تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو بھی اس کا بڑا شوق تھا کہ ابنائے (جبل الطارق) کے اس پار والے ملک اندلس کو فتح کرے۔ موسیٰ نے اسلام کے لئے ایک نیا قصر مہیا کرنے اور اندلس کی فتح کا ثواب اپنے حصے میں لکھوانے کا مصمم عزم کر لیا۔

طارق بن زیاد شعبان ۹۲ھ میں مسلمانوں کی کشتیاں طارق کی قیادت میں موسیٰ کی فوج لئے ہوئے صخرۃ الاسد کے پاس جزیرۃ الخضرا کے سامنے لنگر انداز ہوئیں اور مسلمان جنوبی اسپین کے اس مقام پر اترے جسے البحیرہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح موسیٰ نے تاریخ اسلام میں ایک نئے عظیم الشان صفحے کا آغاز کیا۔ جس نے پوری اسلامی تاریخ میں ترقی و سربلندی کی زبردست راہیں ہموار کر دیں۔ اب اسپین میں عربی تہذیب پھلنے پھولنے اور برگ و بار پیدا کرنے لگی اور اس کے چشمہ فیض سے یورپ نے بھی جتنی پیاس بجھانا چاہتا تھا بجھائی۔ موسیٰ اندلس میں داخل ہوا اور شمالی کوہستانی علاقوں کو چھوڑ کر جن میں قوم قوط (گاتھ) کے شرفاء اور سردار پناہ لینے کے لئے چلے گئے تھے۔ تمام ملک فتح کر ڈالا۔ موسیٰ کے

حوصلے جبال پیرانس ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اس نے عزم کر لیا کہ موجودہ فرانس کے جنوب میں بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے۔ اور مشرق کی جانب رخ کر کے قسطنطنیہ تک جا پہنچے جس کو فتح کرنے سے عرب قاصر رہے تھے۔ پھر وہ فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا اموی دارالخلافت دمشق جائے اور اس طریقے سے بحر ابیض متوسط کو عربی بحیرہ بنا دے۔

موسی اپنی اس تجویز کو پورا کرنے کی فکر ہی میں تھا کہ ولید نے اسے بلا لیا اور وہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا اور دوسرے بیٹے عبداللہ کو افریقیہ کا والی بنا کر ۹۶ھ میں دمشق روانہ ہوا مگر جس وقت وہاں پہنچا تو ولید کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک اس کا جانشین تھا۔

عجیب بات ہے کہ اتنے زبردست فاتح اور ہوشمند و ذکی سپہ سالار کی آخری زندگی بڑے المناک حالات میں گذری جو اس کی اسلامی و دینی خدمات اور جہاد کو دیکھتے ہوئے اس کے شایان شان نہیں معلوم ہوتے موسی پر سلیمان بن عبدالملک کا عتاب نازل ہوا اور اس نے موسی سے بدترین انتقام لیا۔ اسی طرح قتیبہ بن مسلم اور محمد بن القاسم بھی اس کے انتقام کا نشانہ بنے۔

اسلامی فتوحات کی برکت

بہر حال اسلامی فتوحات نے اہل اندلس کے حالات میں عمومی تبدیلی پیدا کر دی۔ قوطیوں کی حکومت ہی زائل نہیں ہوئی بلکہ اس ملک سے اس کے آثار بھی مٹ گئے۔ ان کی کوئی شان و شوکت باقی نہ رہی۔ ان کے اموال و املاک عرب فاتحین کے قبضے میں آ گئے۔ رہے یہودی جو قوطیوں کے عہد حکومت میں

ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتے تھے عربوں نے انھیں آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ اور انھیں اور ان کی اولاد کو جان کی امان عطا کی۔ اسی طرح غلاموں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا۔ جو پہلے شقاوت و بدبختی کا شکار رہتے تھے۔ ان لوگوں نے عربوں کے عہد میں ایسے بہت سے حقوق پائے جن سے وہ قوطیوں کے زمانے میں محروم تھے۔ اندلس میں یہ عربوں ہی کے دم قدم تھے کہ وہاں کی مختلف قوموں کے درمیان امن وامان کا دور دورہ ہوا۔ انھی وجوہ سے جب اہل اسپین کو اس ملک میں حسن سلوک اور عفو و درگزر کی وہ صفات میسّر آئیں جن کی انھیں تلاش تھی تو انھوں نے عربوں کی اطاعت قبول کر لی۔

ولید کے تعمیری کارنامے

ولید بن عبد الملک کی سیرت میں صرف فتوحات ہی ایسی چیز نہیں جسے سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ اس نے بہت سے کام اور بھی کیے جو قابل تعریف ہیں۔ اصلاحات کی جو سیاست اس سے پہلے اس کے باپ نے شروع کی تھی اسے ولید ہی نے درجہ کمال کو پہنچایا۔ ان میں دفاتر کو عربی زبان میں منتقل کرنا بھی اسی کا کارنامہ ہے جس کا مقصود یہ تھا کہ اسلامی حکومت روایات، نظم ونسق اور شائستگی وغیرہ میں ہر اعتبار سے عربی شان دکھائے اسی لئے ولید نے مصر کے دفاتر یونانی اور قبطی زبانوں سے عربی میں منتقل کئے۔ اسی بنا پر اس عہد کو مصر میں عربیت کے غلبے کا عہد خیال کیا جاتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد عربوں کو اندلس میں بڑے بڑے منصب سپرد ہوئے۔ اور حکومت کے تمام کام عربی زبان میں سرانجام پانے لگے۔

ادھر ولید کے باپ نے جو معاشی سیاست وضع کی تھی۔ اس کی بدولت

ولید کے عہد میں بیت المال اموال سے بھر پور تھا۔ مال و دولت کی اس فراوانی کے اثرات بھی بڑے شاندار اور دور رس تھے۔ تعمیرات کے کام سے ولید کو بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے اس مشغلے کو اپنی تفریح اور دل بہلانے کا وسیلہ بنا لیا تھا۔ اس نے دمشق اور مضافات دمشق کو پبلک عمارات کے ذریعے اتنا خوشنما بنا دیا تھا کہ اس وسیع و عریض شہنشاہیت کے پایہ تخت میں شایان شان حسن پیدا ہو گیا۔ عمارات کے ساتھ ولید کا یہ شغف ضرب المثل بن گیا تھا۔ چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ: ولید کے عہد میں لوگ دمشق میں عمارات اور ان کی خوشنمائی کا چرچہ کیا کرتے تھے، سلیمان کے عہد میں کھانوں اور عورتوں کی اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں دین اور قرآن کی گفتگو میں رہا کرتی تھیں"

دمشق کی جامع مسجد ولید نے ۸۸ھ اور ۹۶ھ کے درمیانی زمانے میں تعمیر کرائی تھی۔ جب اس نے مسجد کی تعمیر کا عزم کیا تو دمشق کے نصرانی سرداروں اور پیشواؤں کو جمع کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ سینٹ جان (قدیس یوحنا) کا گرجہ مسلمانوں کی مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ اس کے عوض عیسائی جہاں چاہیں ان کے لیے دوسرا کنیسہ بنوا دیا جائے۔ اور مطلوبہ گرجے کی دو چند قیمت ادا کر دی جائے۔ مگر عیسائی نہ مانے اور انھوں نے حجت کی کہ مسلمانوں نے عہد کیا تھا کہ وہ عیسائیوں کے گرجے سے برا سلوک نہ کریں گے۔ لیکن ولید نے اس گرجے کو مسجد میں داخل کر لیا۔ اور حکم دیا کہ لاجورد کے کتبے پر سونے سے یہ عبارت لکھوا کر مسجد کی دیوار پر نصب کر دی جائے: ہمارا رب اللہ ہے، ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ امیرالمومنین ولید نے اس مسجد کے بنانے اور اس کے اندر جو کنیسہ تھا اسے منہدم کرنے کا حکم ذی الحجہ ۸۷ھ میں دیا"۔ کہتے ہیں اس مسجد کی تعمیر میں جو اخراجات

ہوئے تھے۔ ان کے رجسٹر اٹھارہ اونٹوں پر لاد کر ولید کے محل میں پہنچائے گئے تاکہ وہ انکی تنقیح و توثیق کرے مگر خلیفہ نے انھیں بغیر دیکھے بھالے واپس کر دیا اور اخراجات کی توثیق کرتے ہوئے کہا: ہم نے تعمیر کی یہ رقم اللہ کے لئے نکالی ہے اور ہمیں اس کے سوا اس سے کچھ مطلب نہیں۔" ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ شہنشاہ روم کے سفیروں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دمشق کی جو مسجد ولید نے بنوائی ہے اس کی زیارت کریں۔ جب وہ مسجد کے صحن سے گزر کر قبلے کے سامنے آئے تو انھوں نے اپنے سر اٹھائے۔ اس وقت ان کے سردار کا سر جھک گیا اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے ساتھ جو شخص تھا اس نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: ہم اہل روم کہا کرتے تھے کہ عربوں کی عمارتیں بہت تھوڑی ہیں لیکن جو کچھ انھوں نے بنایا ہے میں نے اسے دیکھا تو جان لیا کہ ان کا بھی ایک دور رہے گا۔ اور یہ اس دور تک پہنچ کر رہیں گے۔" اس کے بعد جب یہ قول عمر بن عبدالعزیز کے کانوں میں پہنچا تو انھوں نے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ مسجد کفار کو غصے میں لے آتی ہے۔ پھر انھوں نے مسجد کے ان رنگین پتھروں کو جن سے پچی کاری کی گئی تھی اکھڑوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ولید کے جو کارنامے اس کے لئے سرمایۂ مباہات ہیں ان میں حرم نبوی کی اصلاح بھی ہے۔ اس نے اپنے عامل مدینہ عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں داخل کر لیں۔ اس طرح حرم شریف کا رقبہ دو سو ہاتھ مربع ہو گیا۔ ولید نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے شہنشاہِ روم کو معمار بھیجنے کے لئے لکھا۔ اس نے چالیس کاریگر روم سے اور چالیس قبطیوں میں سے بھیجے۔ چالیس ہزار مثقال سونا اور بہت سا منقش و رنگین

پتھر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بنیاد، دیواریں اور ستون پتھر سے بنائے اور مسجد کے کھم لوہے اور سیسے کے ستونوں سے بھرے ہوئے پتھر سے تعمیر کیے۔ پھر محراب اور مقصورہ ساکھو (ساج) کی لکڑی سے بنایا۔

عادات واطوار ولید کو شعر وشاعری سے بہت محبت تھی۔ خود بھی شعر کہتا تھا اور اچھے گانوں سے خوش ہوتا تھا۔ اسی طرح اس کی بیوی ام البنین فصاحت وبلاغت، قوت استدلال اور دوربینی میں مشہور تھی۔ خلیفہ کے محل میں اس کا ایک خاص مرتبہ تھا۔ اور ولید اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

ولید خیر وخیرات کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ یتیموں کے ختنے کروا تا اور ان کے لیے معلم مقرر کرتا۔ مریضوں کی خدمت کیلئے تیمار دار مقرر کرتا اور نابیناؤں کو ہاتھ پکڑ کر لے جانے کیلئے خادم معمور کرتا تھا۔ اس نے مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کی۔ فقہا، ضعفا اور فقرا کے روزینے مقرر کیے، اور لوگوں سے سوال کرنا ان کے لئے ممنوع قرار دیا ان کے لئے ایسے وظیفے منظور کیے جو ان کی ضروریات کے لئے کفایت کرتے تھے۔ اس نے تمام معاملات نہایت خوبی کیساتھ منظم کر دیئے تھے۔ ابن ابی عبلہ کہتے ہیں: اللہ ولید پر رحم کرے۔ ولید کی مثال کہاں ملتی ہے؟ اس نے ہندوستان اور اندلس کو فتح کیا، دمشق کی مسجد بنوائی۔ وہ مجھے چاندی کے پیالے دیا کرتا تھا۔ جنھیں میں مسجد بیت المقدس کے قاریوں کو تقسیم کر دیتا تھا۔"

وفات ۹۶ھ میں اس اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی جو بڑا سیر چشم، نیکو کار اور سخی تھا۔ فقرا واہل حاجت پر نہایت مہربان تھا۔ اور جس نے حق وانصاف اور دین کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اللہ تعالی اس پر رحم فرمائے اور اس پر رحم کرنے والے پر بھی رحم کرے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز

(وفات سنہ ۱۰۱ھ)

عمر بن عبد العزیز سیرت میں تمام خلفائے بنی امیہ سے بہتر اور خصائل و عادات میں ان سب سے افضل تھے۔ اختیارات کے استعمال میں برائی سے بچنے زبان کو پاکیزہ رکھنے اور علم اسلام کو بلند رکھنے میں ان کا درجہ ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ ان کا عہد حکومت اموی دور میں نہایت درخشاں و تابناک نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان ان کی خلافت کو ان کے عدل و زہد کے اعتبار سے حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ولادت ان کی ولادت شہر حلوان میں ہوئی۔ جہاں ان کے والد عبد العزیز نے اپنی ولایت کے دفاتر منتقل کئے تھے۔ اور اسی مقام کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ ان کے والد اور والدہ دونوں بڑے نیک اور خوش خصال تھے۔ عبد العزیز شرافت اور فیاضی کے علاوہ تقوی و پرہیز گاری کی صفات میں بھی بہت مشہور تھے اور ان کی بیوی ام عاصم جو عمر بن عبد العزیز کی والدہ تھیں عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ یہ بھی بڑی خوش اخلاق اور نیک طینت تھیں۔ پاکبازی و خدا ترسی ان کی سیرت کے نمایاں اوصاف تھے۔

تحصیل علم عمر بن عبد العزیز نے قرآن مجید کم سنی ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد انھیں ان کے والد نے طلب علم کے لئے مدینے بھیج دیا۔ وہاں

انھوں نے دینی علوم کی تحصیل کی اور فقیہ کے درجہ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد روایت حدیث میں مشغول ہوئے پھر ادب اور شعر گوئی پر متوجہ ہوئے۔ اس طرح علم میں ترقی کرتے کرتے اتنے متبحر عالم ہو گئے کہ ان کی نسبت یہ قول مشہور ہو گیا: دوسرے علما عمر بن عبد العزیز کے مقابلے میں تلامذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔"

مدینے کی ولایت عمر باپ کا انتقال ہونے تک مدینے ہی میں رہے یہاں تک کہ عبد الملک بن مروان خلیفہ ہو گئے۔ عبد الملک نے اپنے بھتیجے (عمر) کو بلا بھیجا اور اپنی بیٹی فاطمہ سے ان کو بیاہ دیا۔ اس کے بعد عمر دمشق میں رہے۔ ۸۶ھ میں جب ولید کو خلافت ملی تو اس نے عمر کی صلاحیت اور کاردانی سے واقف ہو کر انھیں اسی سال مدینے کا والی بنا دیا۔ اس ضمن میں انھوں نے مدینے میں سات برس اس طرح گزارے کہ لوگ زہد و تقویٰ میں ان کی مثال کی پیروی کیا کرتے تھے۔

لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ہی عمر بن عبد العزیز میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مرتبے اور اصل و نسب سے بہت متاثر تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ لڑکپن میں ناز و نعمت کی زندگی بسر کرنے میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔ اور ان کی رفتار میں تبختر پایا جاتا تھا۔ غالباً اس کا باعث یہ ہوگا۔ کہ اس وقت لڑکپن کے آغاز اور نوجوانی کی بے خبری کا زمانہ تھا۔ جب سن زیادہ ہوا اور امارت و خلافت نے ان کے شانے کو بوجھل کر دیا تو ان میں دنیا اور اس کی زینت کی طرف سے بے تعلقی اور زہد و تقوی کے اوصاف بڑھ گئے۔

حق گوئی و حق پرستی یہ ایک حقیقت ہے کہ اس خوش حال اور آرام و آسائش میں پلے ہوئے نوجوان نے دین کا دامن پکڑنے میں غفلت

نہیں کی اور سلمان پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں انھیں پورا کرنے میں کمی نہ کی۔ ولید نے ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر دے اور لوگوں سے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لے۔ اس کی اس خواہش کو طوعاً و کرہاً پورا کرنے کیلئے بہت سے اشراف نے اس کی اطاعت کر لی مگر عمر بن عبدالعزیز نے ایک ایسے شخص کو معزول کرنے سے انکار کر دیا جس کے لئے پہلے بیعت کی جا چکی تھی۔ انھوں نے حق کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ذرا خوف نہ کیا نہ خلیفہ کے عتاب کا کچھ خیال کیا۔ اور اپنے طریقے پر قائم رہے۔ ان کے انکار کی وجہ سے ولید نے انھیں اتنا تنگ کیا کہ جان پر بن گئی۔ اگر بنی امیہ میں سے بعض لوگوں نے سفارش نہ کی ہوتی تو ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ آخر ولید نے انھیں رہا کر دیا اور مدینے کی ولایت سے معزول کرنے پر اکتفا کی۔

ولی عہدی اس کے بعد زمانے کا دور بدلا اور خلافت کی باگ سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھ میں آئی۔ سلیمان نے عمر بن العزیز کے اس پسندیدہ موقف کو فراموش نہ کیا جس پر وہ پہلے قائم رہ چکے تھے۔ جب سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ تو اس نے چاہا کہ اپنے لڑکوں میں سے کسی کے لئے بیعت لے۔ اس کے بعض[1] دوستوں نے اس بات سے اسے منع کیا اور کہا: اے امیر المومنین خلیفہ کسی صالح شخص کو بنائیے جس کی وجہ سے آپ قبر میں محفوظ رہیں۔" سلیمان نے جواب دیا: میں خدا سے استخارہ کروں گا۔ پھر جانشین مقرر کروں گا۔ پھر سلیمان نے اسی شخص سے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق

---

[1] مثلاً رجاء بن حیوۃ جو سلیمان کے خواص میں تھے۔ (ادارہ)

مشورہ کیا تو اس نے عمر کی تعریف کی اور ان کی ولیعہدی کا مشورہ دیا۔ خلیفہ نے اسے قبول کیا اور عمر بن عبد العزیز کے سابقہ ردیئے اور ان کے حسن خلق اور اوصاف پسندیدہ کی وجہ سے ان کیلئے بعیت لینے میں کوئی تردد کیا۔

عمر بن عبد العزیز جس زمانے میں لڑکے ہی تھے۔ سواری کے ایک جانور نے ان کی پیشانی زخمی کر دی۔ ان کے والد عمر کا خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے: "اگر بنی امیہ کے زخم خوردہ سر والے شخص تم ہی ہو تو بڑے خوش نصیب ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ میری اولاد میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کے چہرہ پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ عمر بن عبد العزیز کی عدل میں بڑی شہرت تھی یہاں تک کہ ان کی نسبت یہ قول مشہور ہے: اشج (جس کے سر پر زخم کا نشان ہو) اور ناقص بنی مروان میں بڑے عادل تھے" اشج تو یہی عمر بن عبد العزیز ہیں اور ناقص سے یزید بن الولید بن عبد الملک مراد ہے اسے ناقص کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے اہل حجاز کے جو عطیات بڑھا دیئے تھے۔ وہ یزید نے کم کر دیئے تھے۔

خلافت جب عمر بن عبد العزیز کے ہاتھ پر خلافت کی بعیت کی گئی اور ان کے نام سے عہد نامہ پڑھا گیا۔ تو انھوں نے کہا: خدا کی قسم میں نے اس بات کے لئے خدا سے کبھی درخواست نہیں کی تھی۔" پھر جب ان کے سامنے خلیفہ کی سواری کے گھوڑے لائے گئے تو انھوں نے انھیں لینے سے انکار کر دیا اور کہا: مجھے میرا خچر لا دو" اس کے بعد گھوڑوں کا عملہ آیا اور ان لوگوں نے گھوڑوں اور ان کے خادموں کے لئے چارے اور روزینے کا مطالبہ کیا تو عمر نے کہا: انھیں حدود شام میں بھیجدو جو لوگ ان کے خواہشمند ہوں

ان کے ہاتھ انھیں بیچ دیا جائے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کردی جائے۔ مجھے تو میرا یہ اشہب خچر کافی ہے۔

سلیمان بن عبدالملک کے جنازے میں شرکت کے بعد جب عمر اپنے گھر واپس آئے تو ان سے ان کے غلام نے کہا: کیا بات ہے میں آپ کو کچھ مغموم دیکھتا ہوں؟ انھوں نے: میں جیسی حالت میں ہوں اس میں تو مغموم ہی ہونا چاہیئے۔ امت میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو میں بغیر اس کی اطلاع اور مطالبے کے اس کا حق پہنچانا چاہتا ہوں"۔ پھر وہ (مسجد میں گئے) منبر پر چڑھے (اور لوگوں سے مخاطب ہو کر) کہا: لوگو، بے شبہ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب نہیں اور نہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی اور نبی ہوگا۔ آگاہ رہو کہ میں (اپنی رائے سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں بلکہ (خدا اور رسول کے احکام کا) نفاذ کرنے والا ہوں، میں کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں بلکہ متبع ہوں، میں تم میں سے کسی سے بہتر بھی نہیں البتہ تم سب سے زیادہ بوجھل ہوں۔ جو شخص ظالم حاکم سے بھاگے خطا کار نہیں، واضح رہے کہ اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔

اس طریقے سے حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے زہد و تقوی، ایمان باللہ اور کتاب و سنت رسول اللہ پر عمل کی صفات میں اپنے نانا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بہت مشابہ تھے۔

اصلاحات

انھوں نے اپنے دور میں بہت سی اصلاحات رائج کیں جو بیت المال سے زیادہ اسلام کی مصلحت کے لئے تھیں۔ ذمیوں میں سے جو شخص اسلام لاتا اس کا جزیہ معاف ہو جاتا۔ اسی سیاست کا اثر تھا کہ لوگوں کی توجہ اسلام پر بڑھ گئی۔ مگر بیت المال کی آمدنی میں نمایاں

کمی ہو گئی۔ لوگوں کے بڑی تعداد میں مسلمان ہونے کی وجہ سے جزیہ کی وصول میں نقصان ہوا تو بعض والیوں نے نومسلموں پر سے جزیہ نہ لینے پر اعتراض کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کا جزیہ موقوف نہ کیا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایمان کی شدت اور اشاعت دین کی حرص کیوجہ سے ان والیوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی دلیل میں ان کا وہ جوابی مکتوب کافی ہے۔ جو انھوں نے والیٔ مصر کو لکھا تھا۔ والی مصر نے ان سے شکایت کی کہ اسلام سے جزیہ کی آمدنی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اجازت ہو تو نو مسلموں پر جزیہ فرض کر دیا جائے "۔ اس کے جواب میں انھوں نے جو خط لکھا ہے (صفحات تاریخ میں) غیر فانی بن کر رہ گیا ہے۔ لکھتے ہیں: اللہ تمہاری رائے کو رسوا کرے۔ جو شخص اسلام لائے اس کا جزیہ ساقط کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا ہے انھیں خراج کا محصل نہیں بنایا ہے۔ میری جان کی قسم اگر تمام لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیں تب بھی عمر کا تقویٰ بڑھ کر رہے گا۔ (یعنی جزیہ کی مد میں کچھ وصول نہ ہو تب بھی وہ خلاف شرع کوئی کام نہ کرے گا۔

اشاعت اسلام کیلئے جدوجہد

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے اس امر خیر کا وقوع میں آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انھوں نے جو تحریک اشاعت اسلام کے لئے جاری کی تھی اسے بڑی جرأت وبے باکی کے ساتھ پھیلایا۔ جن ملکوں کو عربوں نے فتح کیا تھا۔ وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے ہر قسم کی ترغیب دی۔ یہاں تک کہ وہ ان لوگوں کو مالی عطیات دیتے۔ ایک مناسب موقع پر انھوں نے ایک نصرانی قائد کو تالیف قلب کے لئے ایک ہزار دینار دیئے تاکہ اس کے دل میں اسلام

قبول کرنے کی رغبت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح انھوں نے ولایات کے عاملوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ یہ بھی مشہور ہے۔ کہ ان کے عاملِ خراسان جراح بن عبداللہ نے تقریباً چار ہزار اشخاص کو اسلام میں داخل کیا۔ اسی طرح ایک روایت یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لیو ثالث بادشاہِ روم کو اسلام لانے کی دعوت دی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز کی اس تبلیغی تحریک ہی کی بدولت ماوراءالنہر کے لوگ بھی بکثرت مسلمان ہوئے۔ بہت سے امرائے سندھ نے بھی ان کی دعوت کو لبیک کہا۔ ان لوگوں کو عمر کی سیرت اور مذہب کے حالات معلوم ہو چکے تھے اس لئے داہر کا بیٹا حلیشہ اور دوسرے ملوک اسلام لے آئے اور انھوں نے عربوں کے ایسے نام رکھ لیے۔ جس وقت عمر نے اسماعیل بن عبداللہ کو بلادِ مغرب کا والی مقرر کیا تو ان کے ساتھ دس فقہا روانہ کئے تاکہ بربر کے مسلمانوں کو ان کے دینی امور سمجھائیں۔ اس نئے والی نے بربریوں کو اسلام کی طرف بلانے میں اتنی مستعدی دکھائی کہ ان میں سے ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو اس دین میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ عمر بن عبدالعزیز ذمیوں کے ساتھ پسندیدہ سلوک اور درگزر کرنے کے علاوہ خود بھی پرہیزگاری اور خدا ترسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کی شہرت کا اثر تھا کہ ایک نسطوری معلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ تعظیم و تکریم کے الفاظ اضافہ کیا کرتا اور یہی طریقہ خلفائے اوّلین کا نام آتے وقت استعمال کرتا اور عمر بن عبدالعزیز کے لئے نزولِ رحمت کی دعا کرتا۔

اصول سیاست

حضرت عمر بن عبدالعزیز لوگوں کو دل سے محبوب تھے۔ ان کی سیاست مصالحت کی طرف مائل تھی۔ غور سے دیکھئے تو اس میں تمام مشکلات کا حل نظر آتا ہے۔ اس میں سب کو متحد اور

یک جہت کرنے کی خصوصیت پائی جاتی تھی۔ جب خوارج نے ان کے خلاف سر اٹھایا تو انھوں نے یہ نہ چاہا کہ ان کے ساتھ سختی اور شدت سے پیش آئیں جیسا کہ اس سے پہلے ان کے چچا عبدالملک بن مروان کر چکے تھے۔ اس کے برخلاف عمر کے اخلاق کریمیہ اور جذبۂ امن دوستی نے پہلے حجت و استدلال سے کام لینا پسند کیا۔ انھوں نے خوارج کے سردار شوذب کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے نبی سے ناراض ہو کر خروج کیا ہے۔ اس لئے آؤ ہم تم مناظرہ کرلیں، اگر حق ہماری طرف ہو تو جس بات کو لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں تم بھی اسے اختیار کرلو اور اگر تم حق پر ثابت ہو تو ہم اپنے معاملے پر غور کرلیں۔" شوذب نے اس کے جواب میں لکھا: آپ نے انصاف کیا ہے، میں آپ کے پاس دو شخصوں کو بھیج رہا ہوں جو آپ سے بحث و مناظرہ کریں گے۔" پھر جب خارجیوں کے قاصد آئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے مناظرہ کرکے انھیں لاجواب کردیا اور ان سے کہا کہ اب تم واپس جاکر اپنے سردار سے مشورہ کرو۔ لیکن اس کے بعد تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ عمر بن عبدالعزیز کا وقت آپہنچا اور جو بیج انھوں نے بویا تھا اس کے پھل نہ توڑ سکے[1]

---

[1] طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں خوارج کے اس سردار کا نام بسطام لکھا ہے۔ اور یہ توضیح کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان پر افہام و تفہیم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ اپنی مفسدانہ روش سے کسی طرح باز نہ آئے۔ آخر میں انھوں نے مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ خوارج سے جنگ کرنے کی اجازت دی کہ (۱) عورت، بچے و قیدی قتل نہ کئے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے (۲) فتح کے بعد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عمر بن عبدالعزیز نتہا درجہ کی تواضع، نرم دلی اور پرہیزگاری کی صفات سے متصف تھے۔ ان ہی وجوہ سے ان کے پایۂ تخت میں جو متقیوں اور پرہیزگاروں سے بھرا ہوا تھا شرا کا کوئی حصہ نہ تھا انھوں نے بنی امیہ کے مقرر کئے ہوئے پہلے عمال کو ہٹا دیا اور جو لوگ مل سکتے تھے ان میں سے زیادہ سے زیادہ نیک چلن اشخاص کو عامل بنایا۔ اسی لئے عمال نے بھی ان ہی کا طریقہ اختیار کیا۔

لعن کی موقوفی عمر بن عبدالعزیز نے حضرت علی پر برسر منبر لعنت کرنے کا طریقہ موقوف کر دیا۔ ان سے پہلے بنوامیہ حضرت علی پر سب وشتم کیا کرتے تھے اس معاملے میں عمر نے اپنے باپ عبدالعزیز کے طریقے پر عمل کیا جن کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ حضرت علی کے ذکر پر آتے تو ہکلانے لگتے (ایک بار) جب ان کے بیٹے عمر نے ان سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو کہا، بیٹے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم حضرت علی کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں اگر عوام اس سے واقف ہو جائیں تو ہمیں چھوڑ کر ان کے بیٹے کے پاس چلے جائیں۔ اس کے بعد جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے لعن کا طریقہ موقوف کر دیا اور اس کے بجائے (خطبہ میں) اللہ تعالیٰ کا یہ قول رکھ دیا۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم

(بقیہ نوٹ) جو مال غنیمت ہاتھ آئے ان کے اہل وعیال کو واپس کر دیا جائے (۳) قیدی اس وقت تک مقید رہیں جب تک راہ راست پر نہ آجائیں۔ چنانچہ عبدالحمید والی کوفہ نے ان پابندیوں کے ساتھ خوارج پر حملہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسلمہ بن عبدالملک کو روانہ کیا انھوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کر لیا۔ (از تابعین ص ۳۴۹) (امارہ)

تذکرون . (بیشک اللہ عدل و احسان کا اور اقربا سے سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، بے حیائی اور گناہ سے منع فرماتا ہے، وہ تمھیں اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم عبرت حاصل کرو)

عوام کے لئے ایثار

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زہد اس درجے تک پہونچ گیا تھا کہ عوام کی مصلحت کو خواص کی مصلحت پر ترجیح دیتے تھے۔ روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے جن کے پاس ان کے باپ کا دلوایا ہوا ایک بے مثال جوہر تھا کہا: ان دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرو۔ یا تو اپنا یہ زیور بیت المال کو واپس کردو یا مجھے اجازت دو کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے اس بات سے نفرت ہے کہ میں، تم اور وہ جوہر ایک ہی گھر میں رہیں۔ بیوی نے جواب دیا: نہیں، میں اس جوہر پر بلکہ اس سے کبھی کئی گنی زیادہ قیمتی چیزوں پر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔ چنانچہ وہ جوہر عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے بیت المال میں رکھ دیا گیا۔ جب انکا انتقال ہوا اور یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا: تم چاہو تو میں وہ جوہر تمہیں واپس کردوں: فاطمہ بنت عبدالملک نے جواب دیا کہ بخدا میں نے ان کی زندگی میں اس سے اپنا دل خوش نہ کیا تو ان کی موت کے بعد بھی اسے واپس نہ لوں گی۔

زاہدانہ زندگی

خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا لباس ایک ہزار دینار میں خریدا جاتا تھا جب وہ اسے پہنتے تو انھیں بدن پر کھردرا محسوس ہوتا اور اسے پسند نہ کرتے۔ پھر جب خلیفہ ہوئے تو دس درہم کی قمیص خریدی جانے لگی اور وہ اسی کو پہن کر آرام محسوس کرتے۔

عمر بن عبد العزیز کا زمانہ خلافت مختصر ہونے کے باوجود خلفائے بنی امیہ کے زمانوں میں سب سے بہتر تھا۔ یہاں تک کہ اس عہد کو بعض مورخین نے خلفائے راشدین کا ملکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد تک کا تتمہ قرار دیا ہے۔ لوگوں کا قول ہے: خلفا تین تھے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور عمر بن عبد العزیز، اگرچہ ان کی مدت خلافت دو سال پانچ مہینے سے زیادہ نہیں ہوئی تاہم اس نے تاریخ اسلام اور تاریخ دولتِ بنی امیہ میں ایک با وقعت صفحے کا افتتاح کیا۔

انھوں نے ماہ رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ اگر دولتِ عباسیہ کے قیام کے بعد خلفائے بنی اُمیّہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں اور عمر بن عبد العزیز کی قبر محفوظ رہی تو کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ بکثرت لوگ انھیں عزت و عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

طارق بن زیاد

طارق بن زیاد کی سیرت ہماری نگاہوں میں اسلام کی رواداری، عدل و انصاف اور مساوات کا نقشہ کھینچ دیتی ہے اور یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے تمام مسلمانوں کو مساوی کر دیا تھا۔ عرب ہوں یا عجمی اس کی نظر میں سب برابر تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے آزاد کئے ہوئے غلاموں نے جنھیں موالی کہا جاتا ہے اسلامی افواج کی قیادت کی، بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئے اور اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی سربلندی کے لئے بڑے کام کئے۔

نام و نسب

طارق انہی موالی میں سے ہیں جنھیں اسلامی فتوحات میں ایک امتیازی شان حاصل رہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ مورخین اور سیرت نگار اشخاص کے درمیان اس بے نظیر اور مشہور فاتح شخص کے نسب پر اختلاف ہے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ طارق اصلاً بربری تھے اور افریقہ کے بربروں میں قبیلہ نفزاوہ سے منسوب تھے۔ یہ وہی علاقہ ہے جسے آجکل تونس کہا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق انھیں قبیلہ زنانہ سے نسبت تھی۔ بعض کے نزدیک یہ شہر ہمدان (ہمدان) کے ایرانی موالی میں سے تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا نام طارق بن عمرو ہے۔ طارق بن زیاد نہیں لیکن اتنی بات

میں کسی کو شبہ نہیں کہ یہ موسیٰ بن نصیر کے مولیٰ (آزاد کردہ) تھے۔ موسیٰ کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ انھوں نے طارق کو اپنا مقرب بنا لیا تھا اور جب موسیٰ کو ۸۹ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے افریقہ کی ولایت تفویض ہوئی تو انھوں نے طارق کو بعض لشکروں کا امیر مقرر کیا۔ پھر جب وہ مصر سے نکل کر افریقہ پہنچے تو خلیفہ نے ایک لشکر اور موسیٰ کے پاس بھیج دیا۔ موسیٰ نے اس کا ہراول طارق بن زیاد کو بنا دیا۔

فتوحات یہ دونوں قائد بربریوں سے لڑتے، امویوں کا اقتدار بڑھاتے اور اس ملک کے علاقوں میں اسلام پھیلاتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ طنجہ پہنچے جو بربریوں کا صدر مقام اور ان کے شہروں کی ناک تھا۔ انھوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور طنجہ کے مفتوح ہونے کے بعد وہاں کے باشندے اسلام لے آئے۔

اس طرح موسیٰ اور طارق ملک مغرب کا پورا علاقہ مسخر کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کی راہ میں سبتہ کے مضبوط قلعوں کے سوا کوئی شئے حائل نہ ہوئی۔ یہ قلعے آبنائے کی گزرگاہ پر واقع تھے اور بحر روم کے دوسرے جنوبی ملکوں کی طرح یہ بھی شہنشاہِ روم کے زیرِ نگیں تھے لیکن قسطنطنیہ سے دور ہونے کی وجہ سے انھیں اپنی معاشی ضروریات کے لئے حکومت ہسپانیہ کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اس اعتبار سے سبتہ حکومت کے لحاظ سے رومیوں کا تابع تھا لیکن حمایت اور مدافعت وغیرہ کے اعتبار سے درحقیقت بادشاہ طلیطلہ سے منسوب تھا۔ مگر اسپینی حکومت کی امداد سبتہ کے لئے کافی نہ تھی اور عرب فاتحوں کا بڑھتا ہوا سیلاب اس کے روکے رک نہ سکتا تھا۔ جن کی فتوحات کا دائرہ مشرق میں چین کے شہروں سے لے کر مغرب میں ہرقل (قیصر) کے

علاقوں یعنے بحر اطلس کے سواحل تک پھیل چکا تھا اور وہ ہر قل کو الجھنوں میں مبتلا دیکھ کر اسپین کی ولایتوں پر نظر ڈال رہے تھے۔

قوطیوں کے عہد میں اسپین کی خستہ حالی

قوطیوں رگا تھ قوم کے لوگوں کے آخری دور میں اسپین مصائب و بدبختی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ متوسط طبقہ محصولوں کے بوجھ سے دبا جا رہا تھا جنھیں لوگ دولت مندوں اور دینی پیشواؤں کے لئے جمع کرنے پر مجبور تھے۔ امور حکومت میں ان لوگوں کا اثر و نفوذ بہت نمایاں تھا۔ وہاں کے یہودی جب بہت تنگ ہوئے تو انھوں نے کئی مرتبہ بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی۔ ادھر غلاموں کا ادنیٰ طبقہ ہمیشہ کے لئے متمولوں کی زمینیں جوتنے کے لئے وقف ہو گیا۔ وبار الگ پھیل گئی تھی جس میں اسپین کے نصف سے زیادہ باشندے موت کے گھاٹ اتر گئے۔

جس زمانے میں شمالی افریقہ کے لوگ عربوں کی حکومت اور ان کے عدل و انصاف کی وجہ سے امن چین کی زندگی گزار رہے تھے۔ عین اسی زمانے میں اندلس کے لوگ اس قسم کی تنگیوں اور بے چینیوں کا شکار بنے ہوئے تھے۔ اس لئے اگر اہلِ اسپین نے عموماً اور یہودیوں اور غلاموں نے خصوصاً قوطیوں کے پنجۂ استبداد سے نجات پانے کی تمنا کی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

روڈریک

پہلے اسپین کا تخت نشین وٹیکا تھا جسے عرب غیطشہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن یہ جلد ہی معزول ہو گیا اور اخیلا اس کا جانشین ہوا۔ یہ بھی امرار قوط اور اکابر کنیسہ کے ہاتھوں اسی سال تخت سے اتار دیا گیا۔ اب ان لوگوں نے اخیلا کی جگہ قوطی لشکر

کے سپہ سالار "رودڑ ریک" کو دی جو عربوں میں لذریق کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ نیا بادشاہ جلد ہی نفسانی خواہشوں کا شکار بن کر عیش پرستی میں پڑ گیا۔ اس لئے لوگوں کے دل اس سے متنفر ہو گئے۔ اس طرح اخیلا کی جماعت کے لئے راستہ ہموار ہو گیا جو پھر تخت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جولیان (جولین) جو قوطیوں کی طرف سے سبتہ کا حاکم تھا وہ بھی اس جماعت سے مل گیا۔ بادشاہ سے اس کی عداوت کا سبب یہ تھا کہ اس نے جولیان کی بیٹی سے بدسلوکی کی تھی۔ اس سے جل کر یہ سازشیوں سے جا ملا اور رودڑریک سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اسے اپنی اغراض پوری کرنے اور انتقام کی پیاس بجھانے کا بہترین ذریعہ شمالی افریقہ کے بربری اور عرب نظر آئے۔

اسی مقصد سے جولیان نے موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کی اور ان سے بیان کیا کہ اندلس کی حالت بہت کمزور ہے اور وہاں کے لوگوں میں دلیری و قوت کی کمی ہے ساتھ ہی وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے آملے گا اور لڑائیوں میں ان کی امداد کرے گا لیکن موسیٰ کو اس پر اطمینان نہ ہوا اور اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مسلمانوں کی افواج کو دھوکہ دینا نہ چاہتا ہو لیکن جولیان نے اپنی خیر خواہی اور سچائی ثابت کرنے کا عزم کر لیا تھا اس نے اسپین کے جنوبی علاقے جزیرۃ الخضراء[1] پر حملہ کر دیا

---

[1] جزیرۃ الخضراء پر جولیان کے حملہ کرنے کی تصدیق اور تاریخوں سے نہیں ہوتی۔ اندلس میں سب سے پہلے مسلمانوں نے جزیرہ اندلس فتح کیا جسے جزیرہ طریف بھی کہا جاتا ہے اسکا حال خود مؤلف نے آئندہ سطور میں بیان کیا ہے۔ بہرحال جزیرۃ الخضراء جبل الطارق کے پاس ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جہاں موسیٰ بن نصیر اوّل اوّل افریقہ سے اترے تھے۔ جبل الطارق سے اس کا فاصلہ تقریباً ۱۲ میل ہے۔

(سفر نامہ اندلس ماسٹر ولی محمد ص ۲۹)

اور اموالِ غنیمت سے لدا پھندا واپس ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کو اطمینان ہوا اور وہ اس پر اعتماد کرنے لگے۔

ابتدائی فتوحات

اس معاملہ میں موسیٰ نے خلیفہ ولید کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا جس نے اول اول تردد کیا اور پھر موسیٰ کو اس طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ موسیٰ نے طریف بن مالک کو روانہ کیا جو بربریوں میں سے تھا اور جزیرہ طریف جہاں اس نے پڑاؤ ڈالا اسی کے نام سے موسوم ہے۔ اس شخص نے پانچسو سپاہیوں کے ساتھ جولیان کے چار جہازوں میں سمندر کو عبور کیا اور اس کی مدد سے جنوبی اسپین کی بعض سرحدوں پر حملہ کیا۔ اس کا اطمینان کرنے کے بعد کہ اہلِ اسپین میں مدافعت کے قوائے موجود نہیں ہیں، بہت سے اموالِ غنیمت ساتھ لئے ہوئے فاتحانہ شان سے واپس ہوا۔

طارق کا حملہ

اس معرکے میں طریف کی کامیابی نے موسیٰ بن نصیر کے حوصلے بڑھا دیئے اور ان میں فتح اسپین کا عزم پیدا ہو گیا۔ انھوں نے یہ زبردست مہم اپنے مولیٰ طارق بن زیاد کے سپرد کی جو ان کے لشکر کا سپہ سالار اور طنجہ کا حاکم تھا۔ موسیٰ نے اس کا اندازہ اچھی طرح لگا لیا تھا کہ طارق کے اندر عزم کی پختگی، اور خودداری و غیرت مندی و بہادری کے جوہر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ قوتِ بیان، تاثیرِ کلام اور جہاد کی مخلصانہ نیت کی صفات سے بھی آراستہ ہے۔ جس شخص کی یہ شان ہو اور سیرت و کردار کے لحاظ سے اتنا ممتاز و مشہور ہو وہی اس لائق ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی مہم سرانجام دے۔ پھر طارق افریقہ کے بربریوں میں سے تھا اور اس کے تمام سپاہی بھی بربری تھے۔ اس میں اتنی قدرت پائی جاتی تھی کہ ان کے

دلوں میں گھر کرے اور دلوں پر اثر انداز ہو کر جدھر چاہے کامیابی کے ساتھ ان کا رخ پھیر دے۔ وہ انھیں مقصدوری و کامیابی کی راہ پر ڈال کر ان سے بخوبی کام لے سکتا تھا۔

چنانچہ ماہِ شعبان ۹۲ھ میں طارق نے جولیان کے مہیا کئے ہوئے چار جہازوں میں اپنے سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ سمندر کا سفر شروع کیا۔ اثنائے راہ میں طارق کشتی پر بیٹھا ہوا عجائبات عالم پر غور کر رہا تھا اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آسمان کی طرف نظریں جمائے ہوئے خدا سے امداد کی دعا کر رہا تھا۔ اس وقت اسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یاد آئے اور آپؐ کی ان تمام مشقتوں اور تکلیفوں کا خیال آیا جو حضورؐ نے اشاعت اسلام کے لئے اٹھائی تھیں۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی اور اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور آپؐ کے اردگرد مہاجرین اور انصار ہیں جو تلواروں کے پرتلے گلے میں اور کمانیں شانوں پر ڈالے ہوئے ہیں۔ آپؐ طارق سے فرما رہے ہیں: "اے طارق! اپنی مہم میں بڑھے جاؤ۔" پھر اس نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ اس کے سامنے اندلس میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس بشارت کی خوشی سے طارق کی آنکھ کھل گئی اور دل قوی ہو گیا۔ اب اسے فتح نصیب ہونے میں کوئی شک نہ رہا۔

جو شخص بھی اپنے دین میں مخلص اور عقیدہ میں مضبوط ہو اس کی یہی شان ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنا مقصد پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور ان کی تمنا پوری ہو کر رہتی ہے۔

ہاں طارق اور اس کے سپاہیوں کی یہی حالت تھی جو ایک سیسہ پلائی

دیوار کی طرح ایک دوسرے کی اعانت میں ثابت قدم تھے۔ جب اللہ تعالےٰ کے حکم سے یہ جہاز جزیرۃ الخضراء کے مقابل لنگر انداز ہوئے اور مسلمان اس مقام پر اترے جو جنوبی اسپین میں البجیرہ کے نام سے مشہور ہے تو اسپین کا بادشاہ لذریق تیزی کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھا۔ وہ اس زمانے میں شمالی اسپانیہ کے مقام بمبلونہ میں اخیلا کی شورش دفعہ کرنے میں مشغول تھا۔ مسلمانوں کی فوج کشی کی خبر سنتے ہی اپنے ملک کے بچاؤ کے لئے چل کھڑا ہوا اور ایک لشکر جرار جمع کیا جو ستر ہزار اور بقول بعض ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن کامل ساز وسامان اور اسلحہ وسپاہ سے ایسی آراستہ اور کثیر التعداد فوج بھی طارق کو اس کے عزم سے باز نہ رکھ سکی نہ اس کے ایمان میں کوئی کمزوری پیدا ہوئی۔ اس نے بڑھ بڑھ کے اندلس کے شہر اور قلعے فتح کرنے شروع کر دیئے۔ کہتے ہیں جزیرۃ الخضراء کے لوگوں کی ایک بوڑھی عورت مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گئی۔ جب اس بڑھیا کی نظر طارق پر پڑی تو اس نے کہا: میرا شوہر حوادث عالم کا عالم تھا[1]۔ وہ لوگوں سے ایک امیر کا ذکر کیا کرتا تھا جو ان کے شہر میں داخل ہو کر اس پر غالب آئے گا۔ اس نے اس امیر کی صفت میں بیان کیا تھا کہ وہ لحیم وشحیم جسم والا ہوگا تم بھی ایسے ہی ہو۔ اور ایک نشان یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس کے بائیں شانے پر تل ہوگا جس پر بال ہونگے اگر تم میں یہ نشانی پائی جاتی ہے تو وہ شخص تمھیں ہو۔ طارق نے اپنا کپڑا ہٹایا تو اس کے شانے پر جیسا تل بڑھیا نے بتایا تھا ویسا ہی موجود تھا۔ اس بات سے طارق اور اس کے ساتھیوں کو خوشی ہوئی۔

---

[1] عالم بالحدثان۔ غالباً اس سے نجومی مراد ہے۔ (ادارہ)

اس کے بعد طارق نے موسیٰ بن نصیر کے پاس قاصد بھیج کر مدد مانگی تاکہ لذریق کے لشکر کے مقابلے میں ٹھہر سکے۔ موسیٰ نے پانچ ہزار سپاہی کمک کے لئے بھیج دیئے۔ اس طرح طارق کے لشکریوں کی تعداد بارہ ہزار ہوگئی جس وقت مسلمانوں کو لذریق کے عظیم الشان لشکر کے قریب آنے کا حال معلوم ہوا تو ان میں خوف اور اندیشہ پیدا ہوگیا مگر طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اسکی دلاوری اور بہادری اور ترقی کر گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہوکر پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا، کی پھر ایک پر جوش تقریر کی جس میں انھیں جہاد کرنے اور صبر و استقلال اختیار کرنے کی نصیحت کر کے خوش آیند امیدیں دلائیں اور خوشخبری دی کہ تم لوگ عنقریب ملکوں کے فاتح بنوگے، اَموالِ غنیمت حاصل کروگے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالامال ہوجاؤ گے۔

طارق نے اس موقع پر کہا۔

طارق کی معرکۃ الآرا تقریر

"لوگو! تمھیں سوچو تمھیں اس جنگ سے کہاں مفر ہے؟ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ خدا کی قسم اس وقت صبر اور سچائی کے سوا تمہارے لئے کوئی صورت نہیں۔ یہ سمجھ لو کہ یہاں تمہاری حالت ان یتیموں سے زیادہ تباہ ہے جو کنجوسوں کی دعوت میں بلائے جاتے ہیں۔ دشمن اپنی فوج اور ہتھیاروں کے ساتھ سامنے آپہنچا ہے۔ اس کے یہاں خوراک ور رسد بکثرت ہے اور تمہارے پاس تمہاری تلواروں کے سوا کچھ نہیں۔ تمہارا سامان خوراک تو وہی ہے جو تم اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے چھینوگے۔ اگر تم نے اس احتیاج کے عالم میں زیادہ دن گزارے اور کوئی کامیابی حاصل نہ کی تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ لوگوں کے دل تم سے مرعوب ہونے کی بجائے

تمہارے خلاف جرأت پیدا کرلیں گے۔ اس لئے اس باغی سے لڑکر اپنے سر سے ایسے انجام کی رسوائی کا بوجھ اتار پھینکو۔ اس کے ذریعے اس کا مضبوط شہر تمہارے قدموں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اس موقع پر اگر تم اپنی جانیں نثار کرنے پر راضی ہو گئے تو اس پر قابو پانے کا امکان ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں کسی ایسے خطرے سے نہیں ڈرا رہا ہوں جس سے میں خود محفوظ ہوں۔ میں نے تمھیں ایسی زمین پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ نہیں کیا ہے جہاں جانیں بہت زیادہ ارزاں ہیں۔ حملہ کا آغاز میں خود اپنی ذات سے کرونگا۔ تمہیں معلوم رہے کہ اگر اس موقع پر تم نے تھوڑی سختی پر صبر کر لیا تو مدتوں خوش حالی سے لطف اٹھاؤ گے۔ اس جزیرے میں یونان کی لڑکیوں کی ایسی حسین اور خوب رو عورتیں پیدا ہوتی ہیں اور موتیوں اور مونگوں سے اور زر بفتی لباسوں سے جس طرح آراستہ رہتی ہیں اور تاجدار بادشاہوں کے محلات کی زینت بنی ہوئی ہیں تم نے ان کا حال سنا ہوگا۔ امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک نے تمھیں ان مہ جبینوں کا بر انتخاب کیا ہے اور وہ اس بات پر رضامند ہیں کہ اس جزیرے کے بادشاہوں سے تمہارے سسرالی رشتے قائم ہوں اس لئے کہ وہ تمہاری جنگجوئی پر بھروسہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ تم بہادروں اور شہسواروں کے ساتھ کیسی جوانمردی سے لڑتے ہو۔ اس مہم سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اس جزیرے میں اللہ تعالےٰ کے کلمہ کو بلند اور اس کے دین کو غالب کرنے کا ثواب تمہاری طرف سے ان کے حصے میں آئے اور اسکے اموالِ غنیمت خالص تمہارے لئے رہیں جن میں ان کا اور تمہارے سوا اور مومنین کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ایسی بات میں جو دونوں جہان میں تمہاری یادگار بن جائے تمہاری مشکلات میں تمہارا کفیل و کارساز ہو۔ میں تمہیں جس بات

کی طرف بلا رہا ہوں تم پر واضح رہے کہ سب سے پہلے میں اس کی طرف قدم بڑھاؤں گا میں اس وقت دونوں جماعتوں کے مقام اتصال پر کھڑا ہوں۔ اس قوم کے باغی لذریق پر میں خود حملہ کروں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ اسے قتل کر دوں گا۔ اس لئے میرے ساتھ تم بھی حملہ کرو۔ اگر میں اس معرکے میں لذریق کو ہلاک کرنے کے بعد کام آ جاؤں تو تمہاری طرف سے اس کا کام تمام کر چکوں گا پھر تم جس عاقل و بہادر شخص کو اپنے معاملات سپرد کرو گے لذریق کے لئے اس کی احتیاج نہ رہے گی۔ اور اگر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاؤں تو میری اس مہم میں کسی کو میرا جانشین بنا لینا اور سب مل کر اس پر حملہ کرنا اور اس کو قتل کر کے اس جزیرے کی فتح مکمل کر لینا۔ کیونکہ لذریق کے بعد یہ سب ذلیل و مغلوب ہو جائیں گے۔

طارق کے لشکریوں اور معاونوں کے دل پر اس کے اس بلیغ خطبہ کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ ان کی حمیت اور بہادری میں ایک دم جوش پیدا ہو گیا، اور انھیں یقین ہو گیا کہ اگر وہ اس کی نصیحت پر عمل کریں گے تو دشمن پر غالب آ جائیں گے، اپنے راستے کے تمام کانٹے صاف کر دیں گے اور طارق کے ذریعے انکی امیدیں پوری ہوں گی۔ انھیں طارق جیسے سپہ سالار پر پورا بھروسہ تھا اور اس سے انھوں نے اپنی ساری توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اس لئے اسے مخاطب کر کے ایکبارگی پورے جوش کے ساتھ بلند آواز سے کہا "ہم آپ کے سامنے حاضر ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں"۔

وادی لکہ کی جنگ اور لذریق کا خاتمہ

دوسرے دن جب صبح ہوئی تو لذریق جنگ کے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا تخت سواری کے دو جانوروں پر کسا ہوا تھا اور

وہ اس پر بیٹھا تھا۔ اس کے سر پہ یاقوت، زبرجد اور موتیوں سے مرصع چتر سایہ فگن تھا۔ آس پاس علم اور بڑے بڑے جھنڈے تھے۔ سامنے ان غلاموں اور ضعیفوں کا جھرمٹ تھا جن میں نظم و ترتیب اور اخلاص کی کمی تھی دوسری طرف سے طارق بڑھا جسے اس کے ساتھی خلوص و خیر خواہی سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ احاطہ کئے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں پر زرہیں اور سروں پر سفید عمامے تھے۔ ہاتھوں میں عربی کمانیں لئے ہوئے تلواریں سونتے ہوئے اور نیزے سیدھے کئے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ لذریق کے لشکر سے طارق کے لشکر کا مقابلہ وادی لکہ کے قریب ہوا جس کو عرب وادی بکہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کا پانی راس طرفالاغر (ٹرافلگر) کے پاس والی آبنائے میں گرتا ہے۔ طارق اور اس کی سپاہ نے دشمن پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اسی اثنار میں طارق خود لذریق پر لوٹ پڑا اور ایسے تلواروں کے وار سے قتل کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ لذریق زخمی ہو گیا تو اس نے اپنے آپ کو دریائے وادی لکہ میں ڈال دیا جس میں وہ ڈوب گیا۔ دریا کا پانی اس کی لاش کو بہا کر سمندر میں لے گیا اس طرح اس کا بھید آج تک نہ کھلا۔ لذریق کے لشکر کو شکست ہوئی اور فوج کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

اس موقع پر جن باتوں سے مسلمانوں کو فتح حاصل کرنے میں مدد ملی ان میں سے ایک غیطشہ کے بیٹوں کا طارق سے آملنا بھی ہے۔ یہ لوگ لذریق سے اس لئے جلتے تھے کہ اس نے ان کے باپ کے مرنے کے بعد اندلس کا تخت ان سے غصب کر لیا تھا۔ جب دونوں طرف کے لشکر آمنے سامنے ہوئے تو غیطشہ کے بیٹوں نے لذریق سے غداری کی ٹھانی اور طارق سے اس

عہد و پیماں کے ساتھ امان مانگی کہ جب معاملہ شروع ہوگا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے طارق کی فوج میں آملیں گے۔ اس کے بعد جب طارق فتحیاب ہو تو وہ اندلس میں ان کے باپ کی چھوڑی ہوئی پوری اراضی ان کے حوالے کردے گا۔ غیطشہ کی چھوڑی ہوئی تین ہزار منتخب زمینیں تھیں جو بعد میں "صفایا الملوک" کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اسی طرح جولیان بھی لذریق کے لشکر میں سے بہت سے سپاہ کو طارق کی طرف لانے میں کامیاب ہوگیا اور یہ بات بھی عربوں کا پلہ بھاری ہونے اور لذریق کے لشکر میں پراگندگی پیدا کرنے کا ایک سبب بن گئی۔

وادی لکہ میں مسلمانوں کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس سے پورا اسپین مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ بعض شہروں میں جو تھوڑی بہت مدافعت یا مزاحمت کی گئی اس کا خاتمہ کرنے کے لئے طارق کو ذرا سی جدوجہد کی بھی ضرورت نہ پڑی۔ دشمنوں کی شکست کسی ایک مقام پر موقوف نہ تھی بلکہ وہ شہر کے شہر اور قلعے کے قلعے مسلمانوں کے حوالے کرتے جا رہے تھے۔

اسپین میں موسیٰ کا داخلہ

طارق نے جو فتح حاصل کی تھی اور جیسے جیسے اموالِ غنیمت پر قبضہ کیا تھا ایسے حالات سے موسیٰ کو مطلع کیا۔ موسیٰ کو رشک و حسد نے ستایا اور اس نے چاہا کہ فتح اندلس کا شرف خود اسے حاصل ہو اور اموالِ غنیمت میں اسے حصہ ملے اس لئے اس نے طارق کو حکم بھیجا کہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھو یہاں تک کہ ہم تم سے آملیں۔ پھر موسیٰ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنی جگہ قیروان کا حاکم مقرر کیا اور ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ۹۳ھ میں کوچ کیا۔

لیکن طارق نے اپنے لشکر کے سرداروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ رائے

کہ اس موقع پر لڑائی موقوف کرنا مسلمانوں کو خطرے میں ڈال دینا ہے اس طرح قوطیوں کو اپنی منتشر قوتیں جمع کرنے اور متحد ہو جانے کا موقع مل جائے گا اس لئے طارق نے اسپین کے شہروں پر حملہ شروع کر دیا۔ اس نے اپنی افواج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے انھیں جزیرہ نما میں پھیلا دیا۔ یہ فوجیں اپنے سامنے کی اسپینی فوجوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ اسپین کے شمال مغرب میں جلیقیہ تک پہنچ گئیں۔

موسیٰ کی فتوحات

اس کے بعد موسیٰ بن نصیر آ پہنچا اور اس کی فتوحات مشرق میں برشلونہ تک وسط میں اربونہ تک، جنوب مغرب میں قادس تک اور شمال مشرق میں جلیقیہ تک پہنچ گئیں۔ موسیٰ کی ملاقات طارق سے ضلع طلبیرہ کے ایک مقام پر ہوئی۔ موسیٰ نے طارق کی بے قدری کی۔ دل میں اس کے خلاف جو کینہ اور غصہ چھایا ہوا تھا اس کا اظہار کر دیا۔ یہاں تک کہ اسے کوڑے سے مارا اور اپنی رائے کے خلاف عمل کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان اموال ونفائس کا مطالبہ کیا جن پر طارق قابض تھا اور اس کے بعد اسے قید کر دیا۔

طارق نے اپنی جدو جہد سے جو فتوحات حاصل کی تھیں اور جیسی شاندار کامیابی سے ہم کنار ہوا تھا موسیٰ نے اس کے خلاف اسے وہ سزا دی جو چور کو دی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کے گلے میں ہار ڈالتا موسیٰ نے اسے قید خانے میں ڈال دیا اور فتحمند غازیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اس کے برعکس مجرموں کا سا برتاؤ کیا۔

مگر طارق کو قید میں ہونے کے باوجود اس کا موقع مل گیا کہ خلیفہ ولید تک اپنی شکایت پہنچا سکے جو ایک عادل شخص تھا اور اسے توجہ دلائی کہ

ایک نیک کردار شخص کی بھلائیوں کا خیال رکھے اور اس نے اپنی قوم اور دین کے لئے جتنی خدمات انجام دی ہیں ان کے مطابق اسے بدلہ دے۔ چنانچہ ولید نے موسیٰ کو حکم دیا کہ طارق کو چھوڑ دے اور اسے پھر اپنی خدمات پر مامور کرے۔ اب طارق دوبارہ اس ملک کی فتح مکمل کرنے میں مصروف ہوگیا۔

سا موسیٰ بن نصیر جس نے طارق پر ظلم کیا تھا اسے بھی اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑی۔ خلیفہ ولید نے ۹۶ھ میں اسے دمشق میں طلب کیا مگر موسیٰ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ولید بیمار پڑ گیا اور یہ بیماری بالآخر مرض موت ثابت ہوئی۔ ولید کے بھائی سلیمان نے موسیٰ کو لکھا کہ دمشق پہنچنے میں اتنی تاخیر کرو کہ ولید کا وقت آخر ہو جائے۔ اس نے یہ بات اس طرح میں لکھی تھی کہ یہ قائد جو تحائف اور اموالِ غنیمت لے کر آرہا ہے انھیں حاصل کر سکے مگر موسیٰ نے سلیمان کی خواہش پر توجہ نہ دی اس لئے نئے خلیفہ (سلیمان) نے موسیٰ سے کینہ نکالا اور اس سے اور اس کے خاندان سے انتقام لیا۔

عجیب بات ہے کہ اس بے مثل سپہ سالار، جرار اور بہادر، خوش بیان خطیب اور فصیح و بلیغ کاتب شخص کی زندگی جس طرح گمنامی میں شروع ہوئی تھی اسی طرح ختم ہوگئی طارق نے مغرب میں اور خود اپنی ولایت طنجہ میں جو شاندار فتوحات کیں اور جیسے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان کے برخلاف مورخین نے اسکی سوانح زندگی سے متعلق کوئی سیر حاصل بات نہ لکھی۔ زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی لکھا کہ اس نے فتح اندلس کے بعد اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کے ساتھ شام کی طرف کوچ کیا۔ اسکے بعد اس کی کوئی خبر نہ ملی۔

عبدالرحمٰن الداخل

صقر قریش (قریش کا شہباز)

نام ونسب وغیرہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں زمانہ مسکراتا نظر آتا ہے اور جو زندگی کو سہل و خوشگوار پاکر عیش و آرام سے زندگانی بسر کرتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو خوش حالی اور ناز و نعمت کا لطف اٹھانے کے بعد مصائب و تکالیف سے دوچار ہوتے ہیں اور اس کے بعد زمانہ پھر انھیں نوازتا اور ان پر اپنی نعمتوں کی بوچھار کرتا ہے انھیں لوگوں میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک الاموی ہیں جن کے باپ دادا کی سلطنت جاتی رہی یہ موت کے چنگل میں پہنچتے پہنچتے بچ گئے اور عباسیوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بال بال بچے۔ پھر بہت سرگرداں رہنے کے بعد اپنی جدوجہد سے اس قابل ہے کہ ایک ایسی یادگار حکومت قائم کریں جس کی ثقافت و مدنیت یورپ کی جدید ثقافت و شائستگی کا سرچشمہ بن گئی اور جس کی بدولت تاریخ میں ایک ایسے شاندار صفحے کا اضافہ ہوا جس میں عبدالرحمٰن کا نام زندہ جاوید ہوگیا اور ان کا شمار بڑے بڑے بہادروں اور مصلحوں میں کیا گیا۔

اموی حکومت کا دور آخر عبدالرحمٰن اسی اموی خاندان کی نسل سے ہیں۔ جو

تقریباً اسّی سال تک خلافت کر چکا تھا اور جس کے دور میں اموی حکومت کی حدود مشرق میں چین سے لے کر ہرقل کی سلطنت تک اور مغرب میں جبال برانس پیرینیز تک پھیل گئی تھیں۔ لیکن یہ درخشاں حکومت تھوڑی ہی مدت کے بعد خطرات میں گھر کر تباہی کے کنارے پہنچ گئی۔ خصوصاً عبدالرحمٰن الداخل کے دادا ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں حالات بہت بگڑ گئے۔ عربی قبائل میں یمنیوں اور بنی مضر کے درمیان عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی۔ عباسیوں کا خطرہ شدت پکڑ گیا۔ یمن اور حضر موت میں خوارج نے سر اٹھایا۔ خراسان میں جو شورشیں اٹھیں انھوں نے اس ملک پر ابومسلم خراسانی کے تسلط میں مدد دی اور ۱۳۲ھ میں سیاہ علم جو عباسیوں کا امتیازی نشان تھا دمشق کے قلعوں پر لہرانے لگا۔ اس طرح اموی حکومت کشت و خون کے دریا میں غرق ہو گئی اور اس کے کھنڈروں پر ابوالعباس السفاح کے ہاتھوں حکومت عباسیہ کی عمارت قائم ہوئی۔

باقی ماندہ بنی امیہ کا حال زار

اس حوادث و آلام سے بھری ہوئی مضطرب فضا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی امیہ کے بچے کھچے لوگوں کی زندگی محفوظ نہیں ہے بلکہ جن لوگوں نے ان کے خاتمے پر کمر باندھ رکھی ہے ان کے ہاتھوں اپنی قسمت کا لکھا پورا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں یہ بدبخت جن کے خلاف زمانہ کی نگاہیں پھر چکی ہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ تقدیر میں لکھا ہوا وقت کب سر پر آپڑتا ہے۔ جس کی شام خیریت سے گزر گئی ہے وہ اس سے بھی واقف نہیں کہ آنے والا دن اسے نصیب ہو گا یا نہیں۔ صبح ہوتی ہے تو اس حال میں کہ شام تک کا بھروسہ نہیں ہوتا کیونکہ جاسوس پیچھے لگے ہوئے ہیں اور یہ جہاں بھی دم لیتے ہیں عباسی جھنڈے اپنی جھلک دکھا کر بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

ایسے حالات میں یہ بالکل ایک قدرتی امر ہے کہ عبدالرحمٰن اپنے اور اہل وعیال کے انجام کی فکر کرے۔ ان کے سامنے اس وقت دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو عباسیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں اور ان کا بھی وہی حشر ہو جو ان کے عزیزوں اور حامیوں کا ہوا یا جو حصار ان کے لئے قائم کر دیا گیا ہے اس سے اپنے بچ نکلنے کی راہ پیدا کریں اور جہاں امن وسلامتی نصیب ہونے کی امید ہو سکتی ہو وہاں پہنچ کر اپنی جان بچائیں۔

عباسی بنوامیہ پر کس طرح حملہ کرتے تھے اور عبدالرحمٰن الداخل نے کس طرح اپنی جان بچائی، وہ دشت وبیاباں کو کیونکر طے کرتے اور خطرات سے کس طرح دو چار ہوتے رہے اس کا نقشہ خود عبدالرحمٰن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"ہمیں امان دی گئی اس کے بعد نہر ابی فطرس پر پھر اس عہد کو توڑ دیا گیا اور ہمارا خون مباح کر دیا گیا تو ہمیں اس کی خبر اس حال میں پہنچی کہ میں ایک دور مقام پر لوگوں سے علیحدہ تھا۔ مایوس ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹا۔ میں نے اپنی اور اہل وعیال کی مصلحت پر غور کیا پھر ڈرتا ڈرتا نکلا یہاں تک کہ فرات کے کنارے ایک گاؤں میں پہنچا جس میں درخت اور جھاڑیاں بہت تھیں۔ ایک دن اسی مقام پر میرا لڑکا سلیمان جو ان دنوں چار برس کا تھا میرے سامنے کھیل رہا تھا وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر گھر کے دروازے سے روتا اور پریشان حال اندر آیا۔ میں اسے ہٹا رہا تھا اور وہ مجھ سے چمٹا جاتا تھا۔ میں حال معلوم کرنے کے لئے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گاؤں پر دہشت طاری ہے کالے جھنڈے اس پر لہرا رہے تھے۔ میرا کم سن بھائی کہہ رہا تھا۔ "بھیّے بھیّے، یہ کالے جھنڈے ہیں" میں نے اپنے ساتھ دینار لے لئے اور میں نے اور میرے بھائی نے اس خطرے سے نجات پائی۔ اپنی بہنوں کو اپنی سمت سفر سے آگاہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ میرے غلام بدر سے جا ملیں

سواروں نے گاؤں کا محاصرہ کرلیا مگر میرا کوئی پتہ نہ پایا۔ پھر میں اپنے شناساؤں میں سے ایک شخص کے پاس گیا اور اس سے اپنی ضروریات فراہم کرنے کے لئے کہا۔ اس نے میرے لئے سواریاں اور مناسب حال سامان خرید دیا۔ گاؤں کے عامل عبداللہ نے عباسی سواروں کو میری نشان دہی کی اور میری تلاش میں چند سواروں کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ ہم پا پیادہ بھاگتے چلے جا رہے تھے اور سوار ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہم فرات کے باغوں میں داخل ہوئے اور فرات تک سواروں سے پہلے پہنچ گئے۔ ہم نے دریا میں تیرنا شروع کر دیا۔ میری جان تو بچ گئی۔ سوار پکار پکار کر امان کا وعدہ کرتے رہے اور میں نہ پلٹا مگر میرا بھائی بیچ فرات میں پہنچ کر تیرنے سے عاجز ہوگیا اور عباسیوں کے وعدۂ امان پر یقین کر کے کنارے کی طرف پلٹ گیا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور میں دیکھتا رہ گیا۔ اس کی عمر تیرہ سال تھی میں اسکے غم کا بوجھ اٹھائے ہوئے اپنی راہ چلتا رہا اور گنجان جھاڑیوں میں پہنچ کر چھپ گیا اب میری تلاش بھی موقوف ہو چکی تھی اس لئے میں نے یہاں سے نکل کر مغرب کا قصد کیا یہاں تک کہ افریقہ میں پہنچ گیا۔"

عبدالرحمٰن اس زمانے میں نوجوان تھے۔ ان کی عمر اکیس[۲۱] سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے باوجود قد کی درازی، خوبصورتی اور قوت و شجاعت کی صفات سے موصوف تھے۔ اگر ان میں یہ خوبیاں نہ ہوتیں تو ان کے قویٰ میں ضعف پیدا ہو جاتا اور وہ عباسیوں کے ہاتھوں پڑ کر ختم ہو جاتے۔

افریقہ میں

لیکن عبدالرحمٰن کے افریقہ پہنچ جانے پر بھی خطرات نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کے غلام بدر کے سوا کوئی نہ تھا جو ان خطروں اور تنگیوں میں بھی ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ افریقہ میں عبدالرحمٰن نے محسوس کیا کہ ان اطراف کا عامل حبیب الفہری جو عباسیوں کی طرف سے مقرر

تھا۔ان کی تلاش میں ہے اس لئے وہ بربریوں کے ایک قبیلے کمناسہ کی طرف چلے گئے مگر ان لوگوں میں رہنا انھیں پسند نہ آیا اور طرح طرح کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا پھر قبیلہ زناتہ میں پہنچے۔ یہاں عبدالرحمٰن کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ ایک روایت ہے کہ وہ طرابلس کے بربریوں سے قبیلۂ نفزاوہ کے یہاں چلے گئے جنھوں نے انھیں پناہ دی اور اعزاز و اکرام سے رکھا۔ مگر عباسیوں کی سپاہ نے انھیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے اور افریقہ کی امارت پر قبضہ پانے کا موقع نہ دیا۔ اس لئے عبدالرحمٰن نے ملک اندلس کا رخ کیا جہاں ارباب حکومت میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور ملک قحط کی مصیبت سے دوچار تھا۔ اندلس میں انھیں اپنے اموی نسب اور عالی ہمت ہونے کی بدولت کامیابی کا تیقن نظر آیا۔

عبدالرحمٰن نے اپنے مولیٰ بدر کے ہاتھ اندلس کے اموی سرداروں کو خطوط بھیجے جن میں انھیں اپنی طرف توجہ دلائی اور طرح طرح کی خوش آیند امیدیں دلائیں۔ بدر نے دیکھا کہ وہاں کے یہ سردار بڑی رغبت اور اصرار کے ساتھ اس نوجوان امیر کی پیشوائی اور اس کی تائید پر آمادہ ہیں۔ جب وہ افریقہ واپس ہوا تو اسے عربی قبائل کی دوستی خصوصاً یمنیوں کی پُرجوش تائید کا کامل اطمینان ہو چکا تھا۔

ادھر عبدالرحمٰن اس وقت بڑے عجز و انکسار کے ساتھ خدا سے یہ دعا کر رہے تھے کہ انھیں اس مہم میں کامرانی بخشے اور نیکی کی توفیق عطا کرے۔ ابھی وہ نماز اور مناجات میں مشغول ہی تھے کہ اندلس سے آنے والی کشتی کے بادبان نظر آئے جس میں ان کا معتمد غلام بدر سوار تھا اور اس کے ساتھ ابو غالب تمام بھی تھا جو اندلس کے عربوں کی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے جب بدر اور اس کے ساتھی غالب سے ملاقات کی تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا

اور وہ چلا اٹھے : ہمارا کام پورا ہوگیا اور ہم اللہ تعالےٰ کی قوت و مدد سے غالب آگئے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات اس لئے نہیں ہے کہ دوسرے امویوں کی طرح عبدالرحمٰن بھی فال اور شگون لینے کے قائل تھے۔ اور اس پر یقین رکھتے تھے۔

امارت اسپین کے لئے جدوجہد

اب عبدالرحمٰن کشتی میں سوار ہوگئے۔ ان کے اندلس میں داخل ہونے کی خبر پھیل گئی یمنی قبائل تیزی کے ساتھ ان سے ملاقات کے لئے چلے اور اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔ اس طرح اپنے حامیوں کی کثرت سے ان کے بازو قوی ہوگئے اور انھوں نے اپنی تدبیر شروع کردی۔ لشکر جمع کیا اور ان سرداروں سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے جنھوں نے ان کی تائید سے انحراف کرکے مخالفت ظاہر کی تھی۔ اس مہم میں بارش کے موسم نے انھیں بڑی مدد دی۔ جاڑے کی فصل میں لڑائی دشوار تھی۔ بہار کا موسم آتے آتے عبدالرحمٰن اس اہم مرحلے کے لئے مستعد ہو چکے تھے۔ ان میں اپنے دشمنوں سے مقابلے کی خاصی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی اشبیلیہ کے معرکے میں انھوں نے جیسی بہادری دکھائی اور جس طرح انھیں لوگوں نے خوش آمدید کہا اس میں کامیاب ہونے کے بعد ہی یہ قرطبہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

لیکن یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری بھی ان کی طرف سے غافل نہ تھا اس نے خطرے کے قوت پکڑنے سے پہلے عبدالرحمٰن الداخل اور ان کی افواج کا مقابلہ کرنے کے لئے قدم بڑھایا۔ اب یہ دونوں لشکر دریائے وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے مقابل چل رہے تھے۔ جیسے ہی یوسف دریا سے آگے بڑھا عبدالرحمٰن کی فوجیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور اس کے لشکر کو درہم و

برہم کر کے فاتحانہ شان سے قرطبہ میں داخل ہوگئیں۔ عبدالرحمٰن ایک برس سے بھی کم مدت میں اپنے حریفوں اور مخالفوں پر قابو پاکر اس قابل ہوگئے کہ پورے ملک اندلس کو اپنے جھنڈے تلے لاکر ایک سلطنت بنادیں۔ انھوں نے قرطبہ کو اپنی امارت کا پایہ تخت بنایا۔ ان میں قدرت کی طرف سے عقل و تدبّر، عزم صمیم اور سخت گیری کی جو صفات ودیعت ہوئی تھیں ان کی بدولت یہ اپنے راستے کی تمام مشکلات پر قابو پاگئے اور اس ملک کے تمام علاقوں میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہوگیا۔

عباسی لشکر کی شکست

لیکن عبدالرحمٰن الداخل جن خطرات سے دوچار تھے وہ صرف اندلس ہی کے بعض مسلمانوں تک محدود نہ تھے بلکہ سمندر پار عباسیوں تک اور جبال پرانس کے اس پار فرنگیوں تک بھی پہنچ چکے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوجعفر المنصور کو عبدالرحمٰن الداخل کی طرف سے چین نہ تھا۔ اس نے ان کا خاتمہ کرنے کی تدبیر شروع کردی اور علاء ابن المغیث الیحصبی کو افریقہ سے روانہ کیا۔ اس نے سمندر کو عبور کر کے عباسیوں کے لئے کام شروع کردیا۔ جو لوگ عبدالرحمٰن کی حکومت کے مخالف تھے وہ علاء کے جھنڈے تلے سمٹ آئے۔ عبدالرحمٰن نے افریقہ پہنچ کر عباسیوں کے لشکر کو شکست فاش دی اور ان کے تقریباً سات ہزار آدمی قتل کر ڈالے۔ علاء کو قتل کر کے بعض تاجروں کو حکم دیا کہ وہ علاء اور اس کے مشہور سرداروں کے سر قیروان لے جائیں اور پوشیدہ طور پر انھیں بازار میں پھینک آئیں۔ پھر ان میں سے بعض لوگوں کے سر مکے پہنچائے گئے، جہاں خلیفہ منصور فریضۂ حج ادا کررہا تھا۔ منصور نے جب یہ دیکھا کہ یہ قریشی امیر اپنے طرزِ عمل میں اتنا شدید اور عباسیوں کو سزا دینے اور ان سے اپنے مقتول خاندان والوں اور حامیوں کا

بدلہ لینے میں اس قدر سخت ہے تو وہ مرعوب ہوگیا۔

خلیفہ منصور کی رائے عبدالرحمٰن کے متعلق

اس میں کوئی شک نہیں کہ اندلس جیسے زرخیز ملک کا عباسیوں سے منقطع ہو جانا دولت عباسیہ کے حق میں ایک شدید ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ ابو جعفر المنصور عبدالرحمٰن الداخل کی غیرت و قوت کے مقابلہ میں عباسیوں کی کھوئی ہوئی سطوت واپس لانے سے قاصر رہا اس لئے اس نے عبدالرحمٰن کو منانے اور ہموار رکھنے کا طریقہ اختیار کیا اور اس کے یہاں ایلچی بھیجے۔ وہ عبدالرحمٰن کی اس مقدرت اور عزم کا اکثر ذکر کیا کرتا تھا کہ وہ ایسی حالت میں جبکہ جان بچانے کے لئے بھاگا بھاگا پھرتا تھا اس دُور دراز ملک میں اتنی وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ منصور جس طرح اس کی تعریف کیا کرتا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ منصور نے اپنے مصاحبوں سے کہا: مجھے بتاؤ قریش کا شہباز کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: امیر المومنین ہی ہیں جنھوں نے ملک کو سدھایا، زلزلوں کو ساکن کیا، عداوتوں کا خاتمہ کیا اور دشمنوں کو برباد کر ڈالا۔ منصور نے کہا: تم نے کوئی بات نہ کہی، پھر ان لوگوں نے کہا: معاویہ ہے۔ منصور نے کہا: وہ بھی نہیں۔ پھر کہا: عبدالملک بن مروان ہے، کہا: نہ وہ ہے۔ پھر لوگوں نے پوچھا: آپ ہی فرمایئے امیر المومنین وہ کون ہے؟ منصور نے کہا: وہ عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے جس نے سمندر کو عبور کیا، بیاباں طے کئے، اور ایک غیر ملک میں تنہا پہنچا، پھر شہروں کو شہر بنایا، فوجیں آراستہ کیں اور دفاتر و محکمات منضبط کئے اور اپنی سابقہ حکومت کے منقطع ہو جانے کے بعد اپنی خوش تدبیری و خودداری کی بدولت ایک سلطنت قائم کرلی۔ رہے معاویہ تو وہ ایسے گھوڑے پر سوار ہوئے

جس پر حضرت عمر و عثمان سوار ہو کر معاویہ کی مشکلات کو آسان کر چکے تھے۔ عبدالملک نے بعیت سے کامیابی حاصل کی جس کی بدولت اس کے مسائل قابو میں رہے۔ (تمھارے) امیرالمومنین دوسروں کے مطالبہ اور اپنے گروہ کے اجتماع و اتفاق سے خلیفہ ہوئے۔ لیکن عبدالرحمٰن اپنی ذات سے اکیلے تھے۔ انھیں اپنی ہی رائے کی تائید اور اپنے ہی عزم کی رفاقت میسر تھی۔

ابوجعفر المنصور اکثر عبدالرحمٰن کا ذکر تعریف کے ساتھ کرتا اور اپنے آپ سے ان کا موازنہ کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا: اس کی طاقت اور اسباب کی قوت کے اتنا طول پکڑنے کے ساتھ ہمارے معاملات میں جو طول ہو رہا ہے اس پر تعجب نہ کرو۔ یہ قریش کے ایک ماہر و چالاک نوجوان کا معاملہ ہے جو اپنے تمام حالات میں اکیلا تھا اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں کی اعانت و تسلی سے محروم تھا۔ اس نے صرف اپنے عزم و ہمت پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ اپنی عزت و شرف کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے اپنے آپ کو مہلک خطرات کی بھنور میں ڈال دیا اور ایک ایسے جزیرہ میں داخل ہوا جو بہت دور دراز مقام پر واقع تھا اور لوگوں کی نگاہ حرص و آز سے دور تھا یہاں کے سپاہیوں میں بڑی شدید عصبیت تھی۔ اس نے اپنی خصوصیت سے کام لے کر ان میں فساد کرایا اور حیلے کی قوت سے بعض کو بعض کے ساتھ ٹکرا دیا۔ پھر اپنی سیاست کی بدولت وہاں کی رعایا کے دل مٹھی میں لئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جو لوگ باغی و سرکش تھے اس کے مطیع ہوگئے۔ اس کے بعد یہ جزیرہ پر غالب آکر وہاں کا بادشاہ بنا۔ اس نے اپنے دشمنوں کو مغلوب و مقہور کیا۔ حدود ملک کی حفاظت کی اور انھیں مستحکم و مضبوط بنایا۔ لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت و رغبت پیدا کی یہ شان ہے اس جواں بلکہ کامل جوانمرد کی جس کی تعریف کرنے والے کو

جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

عباسیوں اور امویوں کی رقابت اور اسکے نتائج

یہ دونوں عربی امیر ایک دوسرے کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے مشرق و مغرب میں حکمرانی کررہے تھے۔ گو ان کی مخالفت کا یہ انداز مسلمانوں کے حق میں کمزوری پیدا کرنے کا باعث تھا۔ عباسی خلیفہ المنصور اپنے خطرناک حریف کا ہم پلّہ تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے مقابلے میں اعانت حاصل کرنے کے شوق میں بادشاہ فرانس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے پاس اپنے سفرا بھیجے جو اس کے پایہ تخت میں کئی برس مقیم رہے۔ اس کے بعد اپنے ساتھ فرانس کے سفرا کو لئے ہوئے منصور کے پاس واپس آئے۔ پھر فرانس کے سفرا مشرق کے نفیس تحائف و ہدایا سے لدے ہوئے شاہ فرانس کے پاس واپس لوٹے۔ لیکن اس گفت و شنید کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہ نکلا کہ عبدالرحمٰن کے دل میں فرانسیسیوں کی طرف سے اندلس پر حملہ کا خوف پیدا ہوگیا۔ البتہ شارلیمان بادشاہ فرانس کے عہد میں ابوجعفر المنصور کی یہ رغبت پوری ہوگئی شارلیمان نے ایک لشکر روانہ کیا جو ملک اندلس کے شمالی صوبوں میں گھستا ہوا سرقسطہ تک پہنچ گیا۔ مگر یہ فوج اپنا اقدام جاری رکھنے سے قاصر رہی اور سپاہ و رسد کا زبردست نقصان اٹھانے کے بعد جلد ہی واپس آگئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ شہباز قریش عبدالرحمٰن الداخل اس کی گھات میں تھا۔ رولان جیسا شخص جس کے گانے "نغمہ رولان" کے نام سے اسے حیات جاوید بخش چکے ہیں اسی معرکے میں مارا گیا۔ ازمنہ وسطیٰ کے فرانسیسی ادب میں یہ پہلی گھمسان کی جنگ تھی۔

اس طرح عبدالرحمٰن الداخل نے ان دو شہنشاہوں سے معرکہ آرائی کی۔

ایک مسلمانوں کا خلیفہ (منصور) اور دوسرا شاہ سلیمان اعظم، مگر یہ دونوں اس منظم لشکر کے آگے کچھ نہ بنا سکے جو تنخواہ دار بربریوں سے مرتب کیا گیا تھا، اس نے ان بربریوں پر عطیات و انعامات کی جو بارش کی تھی اس کی بدولت یہ اس کے مطیع و خیرخواہ تھے۔

قرطبہ جب عبدالرحمٰن کے قدم جم گئے اموی عمارت کے ستون اندلس میں قائم ہو گئے اور انھیں مشرق و مغرب میں اپنے دشمنوں کے شر سے چین ملا تو انھوں نے شہر قرطبہ کو اپنی امارت کا پایۂ تخت بنایا۔ یہیں اپنا قصر اور جامع مسجد تعمیر کی۔ عبدالرحمٰن کے قرطبہ کو پایۂ تخت قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہاں کھلے ہوئے پرفضا مکانات مرتب سڑکیں اور عمارات بکثرت ہیں۔ بہتی ہوئی نہریں، معتدل ہوا، ہر سبز و شاداب میدان اور بکثرت درختوں والی زمینیں کافی تعداد میں پائی جاتی ہیں اور یہ مقام مشرقی و مغربی اندلس کے وسط میں واقع ہے۔

اس امیر نے قرطبہ کے قدیم قصر کو اپنی امارت کا مستقر قرار دے کر اس کی تزئین و زیبائش کا انتظام کیا اور اس میں کشادہ باغ بنوائے۔ جو پہاڑ اس شہر سے قریب تھے ان سے شیریں پانی کی نہریں نکلوا کر سیسے کے نلوں کے ذریعے قصر و باغ کے ہر صحن میں جاری کروائیں۔ پانی دینے کے لئے خالص سونے خالص چاندی اور ملمع کئے ہوئے تانبے کے پائپ مختلف شکلوں کے ڈھلوائے گئے تھے اور بڑی بڑی جھیلوں۔ خوشنما تالابوں اور عجیب قسم کے منقش رومی سنگ مرمر سے بنے ہوئے حوضوں سے ان کا تعلق رکھا گیا تھا۔ اس قصر سے ملحق اور کئی بڑے قصر اور تر و تازہ باغ بنوائے تھے جن کے نام الکامل المجدد، الحائر۔ الروضہ۔ الزاہر۔ المعشوق۔ المبارک۔ الرستق۔ قصر السرور، التاج۔ اور

البدیع وغیرہ تھے ان کے علاوہ بھی عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں بہت سے باغ بنوائے تھے مثال کے لئے قصر الرصافہ کا ذکر مناسب ہوگا جس کے لئے عبدالرحمٰن نے انار کا درخت منگوایا اور اس محل میں اس کی کاشت کی جو پھولا اور پھلا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن کی بہن اُم الاصبغ اسے شام سے انار کا درخت بھیجا کرتی تھی۔ یہ بات صحیح ہو تو کچھ عجب نہیں اسلئے کہ یہ اموی امیر اپنے مقام پیدائش یا وطن کا بڑا مشتاق تھا اور اس کی یاد میں بے چین رہتا تھا۔ اپنے اصل وطن کی یاد تازہ رکھنے کے لئے عبدالرحمٰن نے قصر الرصافہ میں ایک کھجور کا درخت بویا تھا۔ یہ اشعار اسی کے کہے ہوئے ہیں جن میں اس نے وطن کی محبت کا گیت گایا ہے

تبدت لنا بین الرصافة نخلة ۔۔۔ تناءت بارض الغرب عن بلد النخل

(ہمارے لئے رصافہ کے درمیان ایک کھجور کا درخت لگایا گیا۔ جو کھجوروں کے شہر سے دور سرزمین مغرب میں پیدا ہوا)

فقلت شبیھی فی التغرب والنوی ۔۔۔ وطول ابتعادی عن بنی وعن اھلی

(میں نے کہا کہ اے نزدیکی و دوری اور اہل و عیال سے طویل و لبعد میں میرے مماثل درخت)

نشأت بارض انت فیھا غریبۃ ۔۔۔ فمثلک فی الاقصاء والمنتأی مثلی

(تو ایسی زمین میں پیدا ہوا ہے جہاں تو پردیسی ہے اسلئے بعد اور دوری میں تو بھی میری ہی طرح ہے)

قرطبہ کی جامع مسجد جو عبدالرحمٰن نے سنہ ۱۶۸ھ میں بنوائی تھی فن تعمیر کا ایک امتیازی نمونہ تھی۔ اس نے اس عمارت پر اسّی ہزار دینار صرف کئے جو قوطیوں کے اموال غنیمت سے حاصل ہوئے تھے۔

عبدالرحمٰن الداخل کے معمولات و اوصاف

عبدالرحمٰن ظلم و تعدی (کے مقدمات) خود طے کرتا تھا اور طاقتور کے ہاتھوں جو زیادتی ہوتی اس میں کمزور کی دادرسی کرتا۔ اس کا معمول

تھا کہ جب کھانا کھانے کا وقت آتا تو دستر خوان پر اپنے مصاحبوں کے علاوہ ان لوگوں کو بھی بلاتا جو اپنی ضرورت سے اس سے ملنے کے خواہاں ہوتے۔ اس نے ملک اندلس پر تینتیس سال اور چار ماہ حکومت کی اور ۱۷۲ھ میں انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن الداخل عباسی خلفاء میں المنصور، المہدی اور الرشید کا ہم عصر تھا۔ یہ جس مقصد کے لئے کوشاں تھا اسے اس نے عین عنفوان شباب میں حاصل کر لیا۔ اس نے عربوں اور بربریوں کو مطیع و منقاد بنایا اور لوگوں کے درمیان عدل کیا اس لئے رعیت بھی اس سے محبت کرتی تھی۔

ابوحیان نے اس کی تعریف میں کیا خوب کہا ہے:۔

"عبدالرحمٰن کا حلم بڑھا ہوا اور علم وسیع تھا۔ اس کی فکر و فہم بہت روشن تھی۔ بڑا محتاط اور ارادے کا پکا تھا۔ عجز سے بری اور نقل و حرکت میں تیز تھا چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ پیہم حرکت میں رہتا اسے کاہلی میں آرام نہ ملتا۔ وہ اہم معاملات غیروں کے سپرد نہ کرتا۔ مگر ان کو مضبوط اور پختہ بنانے میں خود رائی سے کام نہ لیتا۔ وہ بڑا دلیر و بہادر تھا اس کی نظر بہت گہری اور تیز تھی۔ اس میں بے فکری اور اطمینان کم تھا۔ بڑا مقرر فصیح و بلیغ۔ احسان کرنے والا۔ فیاض اور خوش بیان شخص تھا۔ سفید کپڑے پہنا کرتا تھا اور سفید عمامہ باندھتا۔ سفید لباس کو ترجیح دیا کرتا، دوست اور دشمن دونوں کے دلوں میں اس کی ہیبت تھی۔ وہ جنازوں میں حاضر ہوا کرتا اور ان کی نماز ادا کرتا۔ جب موجود ہوتا تو جمعوں اور عیدوں کی نماز لوگوں کے ساتھ ادا کیا کرتا۔ منبر پر خطبہ دیتا۔ مریضوں کی عیادت کرتا اور لوگوں کے ساتھ کثرت سے ملتا جلتا اور ان کے درمیان چلتا پھرتا تھا۔